بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ إن علینا جمعہ وقرآنہ فإذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم إن علینا بیانہ

الحمد للہ والمنۃ کہ ایں تفسیر بے مثال ترجمان القرآن تفسیر بے نظیر گنجینۂ حقائق و معارف
خزینۂ اسرار و لطائف کشافِ مشکلاتِ قرآنیہ و وضاحِ معضلاتِ فرقانیہ

مسمّٰی بہ

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد پنجم مشتمل بر تفسیر پارہ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹

بہ ترجمۂ حقیقت آگاہ و معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۲ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ـ

نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل سیٹ :- ۸ جلد

صفحات جلد ـ ۶۱۲

کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور

کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عظمت اللہ ـ سید جعفر حسین ـ سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ

تعداد طبع اول :- ۱۴۱۵ھ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

تعداد طبع دوم :- ۱۴۲۲ھ

پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور سندھ پاکستان

فون ۴۲۲۷۶ - ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد سبیل چوک کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰

لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

شہدادپور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

اہم نوٹ

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو، لہٰذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کیا جا سکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

خط و کتابت کیجیے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین معارف القرآن جلد پنجم ۵

مشتمل برپارہ ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹

بقیہ سورۃ کہف ۔ مریم ۔ طٰہٰ ۔ انبیاء ۔ حج ۔ مومنون ۔ نور ۔ فرقان ۔ شعراء ۔ نمل

آغاز پارہ ۱۷ — اقترب للناس

تفسیر سورۃ الانبیاء — ۱۶۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

تفسیر سورۃ النمل

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

بولا میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہر۔

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ

کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے پیچھے، پھر مجھ کو ساتھ نہ رکھیو،

قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ

تو اتار چکا میری طرف سے الزام۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ

اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا

پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک، کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے، وہ نہ مانے کہ ان

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ

کو مہمان رکھیں، پھر پائی اس میں ایک دیوار گرا چاہتی تھی اس کو سیدھا کیا۔ بولا

لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ

(موسیٰ) اگر تو چاہتا لیتا اس پر مزدوری۔ کہا اب جدائی

بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ

ہے میرے تیرے بیچ۔ اب جتا دیتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جن پر تو

عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

نہ ٹھہر سکا۔ وہ جو کشتی تھی سو تھی کئی محتاجوں کی محنت کرتے

فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَاۗءَهُمْ مَّلِكٌ

تھے دریا میں، سو میں نے چاہا کہ اس میں نقصان ڈالوں اور ان کے پرے تھا

يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ

ایک بادشاہ وہ لے لیتا ہر کشتی کو چھین کر۔ اور جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے

مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَٰنًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَآ

ایمان پر پھر ہم ڈرے کہ اُن کو عاجز کرے زبردستی اور کفر کر کر پھر ہم نے

أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَوٰةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

چاہا کہ بدلہ دے اُن کو اُن کا رب بہتر اس سے ستھرائی میں اور نزدیک تر محبت میں۔

وَأَمَّا ٱلْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِى ٱلْمَدِينَةِ وَ

اور وہ جو دیوار تھی سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں اور

كَانَ تَحْتَهُۥ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَٰلِحًا فَأَرَادَ

اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور ان کا باپ تھا نیک پھر چاہا

رَبُّكَ أَن يَبْلُغَآ أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً

تیرے رب نے کہ وہ پہنچیں اپنے زور کو اور نکالیں اپنا مال گڑا مہربانی

مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُۥ عَنْ أَمْرِى ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ

سے تیرے رب کی، اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے یہ پھیر ہے ان

مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

چیزوں کا جن پر تو نہ ٹھہر سکا۔

بقیہ قصۂ موسیٰ علیہ السلام با خضر علیہ السلام

معارف و مسائل۔ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۔ الی ... ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا،
موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے یکایک ایک معصوم بے گناہ بچے کو مار ڈالا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا، اور بے اختیار کہہ اٹھے۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا، (آپ نے تو بڑی بے جا اور ناپسندیدہ حرکت کی) تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں کہا۔ اے موسیٰ کیا میں نے تم سے پہلے ہی

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کے علوم کی کوئی حد نہیں اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی علم دے دیا اور کسی کو کوئی علم دیا اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ملائکہ کی طرح آپ جو کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کے افعال کے اسرار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے خضر علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو ملائکہ کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا کیا اور ان کو اپنا خلیفہ اور مجموعہ حکمت بنایا واللہ اعلم۔

بیان تاویلات واقعات مذکورہ

خضر علیہ السلام نے یہ ارادہ فرمایا کہ جدا ہونے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہر فعل کی مصلحت سے آگاہ کر دیں اور ان تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں جن پر موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ نے ان کو برا جانا۔

بیان تاویل واقعہ اول

وہ جو کشتی تھی وہ چند محتاجوں کی تھی جو سمندر میں کرایہ پر چلاتے تھے اور اس کے ذریعہ دریا میں محنت اور مزدوری کرتے تھے اور اسی پر ان کی گزران تھی سو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں تاکہ کوئی غاصب اس کو عیب دار کر کے نہ چھینے اور عیب کو دیکھ کر یہ درست اور لائق نہ سمجھے اور ان لوگوں کے آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی چھین لیا کرتا تھا میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار بنا دینے کی وجہ سے غصب نہ کر سکے اور یہ مساکین بعد میں تختہ لگا کر اس کشتی کو درست کر لیں گے۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست ۔ صد درستی در شکست خضر ہست

یہ ضرورت تھا میرے اس کشتی توڑنے کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

بیان تاویل واقعہ دوم

اور وہ جو لڑکا تھا جس کو میں نے مار ڈالا تھا سو بات یہ ہے کہ اس کے ماں باپ ایماندار تھے اور اللہ کو ان کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی اور یہ لڑکا اگر بڑا ہوتا تو کافر ہوتا اور ماں باپ کو اس سے غیر معمولی محبت تھی سو ہم کو اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں گرفتار کر دے یعنی جب بالغ ہو تو والدین کو بھی کفر پر مجبور کرے اور وہ اس کی محبت کی وجہ سے اس کے جدا ہونے کو گوارا نہ کریں۔ اور کفر اختیار کر بیٹھیں اور ہلاکت دائمی میں گرفتار ہوں جیسا کہ اس طرح لڑکے ... [illegible]

جاتا ان کے حق میں مصیبت بنتا اور باطن میں اللہ کی رحمت بنتا۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تو تمام کر دیا جائے اور ان کا پروردگار اس نالائق اور بدبخت بیٹے کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، جو از راہ پاکیزگی اس لڑکے سے بہتر ہو یعنی کفر اور شرک اور معصیت اور بداخلاقی اور بداعمالی سے پاک ہو اور ایمان اور توحید اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو اور از راہ شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو، اور احسان اور صلہ رحمی کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس لڑکے کے مارے جانے کے بعد ان دونوں نیک بختوں سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور وہ ایک نبی سے بیاہی گئی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے جن سے اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ اس طرح سے یہ نیک بخت لڑکی اس بدبخت لڑکے کا بدلہ ہو گئی۔ ہر بچہ ابتداءً اگرچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ خارجی اثرات کی وجہ سے بعض آدمیوں کی سرشت شروع سے ہی بنیاد بُری پڑ جاتی ہے مگر اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا اس لڑکے کی بابت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کو آگاہ کر دیا کہ اس بچہ کی افتاد اور بنیاد بُری ہے۔ بڑا ہو کر کافر گمراہ ہو گا اور ماں باپ کو بھی گمراہی میں مبتلا کرے گا اگر یہ زندہ رہا تو اس کے سبب اس کے ماں باپ ہلاک اور تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے ان کی راہ سے اس روڑہ کو نکال دیا گیا اور حضرت خضرؑ کا اس لڑکے کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے تھا۔

تاویل واقعہ سوم

اور رہی وہ دیوار جس کو میں نے مفت سیدھا کر دیا تو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی جن سے اجرت لینا مناسب نہ تھا اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے واسطے ایک خزانہ گڑا ہوا تھا اگر وہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا تو لوگ اس خزانے کو لوٹ لے جاتے اور ان کو بسبب صغر سنی اور کمزوری کے کچھ نہ ملتا اور ان دونوں کا باپ ایک مرد صالح تھا خدا تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلہ میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی سو تیرے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی قوت یعنی عقل اور بلوغ اور جوانی کو پہنچ جائیں اور اس وقت اپنا خزانہ اور دفینہ نکالیں از رہِ مہربانی پروردگار نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا اور ایک اشارہ میں سیدھی ہو گئی اس لیے میں نے اللہ کے حکم سے یہ دیوار مفت سیدھی کر دی اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا اور جو کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا جائے اس پر مزدوری نہیں لینی چاہیے۔

خاتمہ کلام جب خضر علیہ السلام نے تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں تو اخیر میں یہ کہا لیجئے یہ ہے اصلی حقیقت ان چیزوں کی کہ جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ میں صبر کی طاقت نہ رہی۔ آپ شریعت کے ظاہری احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھے۔ شریعت میں اس قسم کے

کلیم بنایا اور یہ شبہ کہ اس وقت تو موسیٰ خضر ہی پر تمہارا ہی مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس بات کو ہر وقت مستحضر رکھو کہ تمہارا علم بھی اتنا نہیں تم جا سکتے، مقرب بندوں میں تمہیں خاص طور پر احتیاط لازم ہے، بے سہارا تمہاری زبان سے کوئی لفظ ایسا نکل جائے کہ جس میں خلاف حقیقت کا کوئی ادنیٰ شائبہ ہو اور یہ بھی نکل گئے الفاظ کے دریائے علم کا کوئی کنارہ اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا ہے وہ خدا کے دریائے علم سے پانی کا ایک قطرہ ہے جب سوال کیا جائے کہ سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو ادب کا تقاضا ہے کہ خدا کے علم کے حوالہ کر دیا جائے۔

(۳) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں یا ولی ہیں۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ ولی تھے نبی نہ تھے۔ اور علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ نبی تھے بلکہ بعض کہتے ہیں کہ وہ رسول تھے یا رسول نہ تھے صرف نبی تھے علماء کا جو گروہ ان کی نبوت کا قائل ہے وہ بحث اور استدلال میں چند امور ذکر کرتا ہے۔

پہلی دلیل یہ کہ حق تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے رحمت عطا کی اور رحمت سے نبوت مراد ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس قول وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ میں رحمت سے نبوت مراد ہے۔

جواب نبوت بے شک اللہ کی رحمت ہے مگر ہر رحمت کا نبوت ہونا ضروری نہیں جس طرح نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اسی طرح ہدایت اور ولایت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسری دلیل قائلین نبوت دوسری دلیل پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے حق میں یہ فرمایا ہے وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا اللہ تعالیٰ نے خود خضر علیہ السلام کو بلا واسطہ علم کی تعلیم دی اور یہ شان نبی کی ہے۔

جواب علم لدنی اور الہام ربانی سے نبی ہونا لازم نہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف وحی و الہام کا ذکر ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں اسی طرح قرآن کریم میں حضرت مریم سے فرشتوں کا کلام اور خطاب اور بشارت مذکور ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

تیسری دلیل حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے خضر علیہ السلام سے درخواست کی اور نبی کو غیر نبی سے علم سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اور غیر نبی کو نبی کے اتباع اور پیروی کی ضرورت ہے۔

جواب نبی کو علوم نبوت اور علم ہدایت اور علوم شریعت میں غیر نبی کی تقلید اور اتباع کی ضرورت نہیں مگر یہ جائز ہے کہ نبی ماسوائے علوم نبوت کے کوئی دوسرا علم غیر نبی سے حاصل کرے اور کسی دوسرے علم میں اس کی پیروی کرے یہ نبوت کے منافی نہیں ہے جن علوم سے نبوت

اور سب سے اصل یعنی نہیں اور اس بارہ میں زیادہ مشہور حدیث تعزیت ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات کے بعد ایک سفید ریش جسیم خوبصورت رنگ کے جنازہ پر پہنچے اور روتے رہے اور لوگوں کو صبر کی تلقین
کی اور غائب ہو گئے ان کے چلے جانے کے بعد ابوبکر صدیقؓ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ یہ خضر تھے اور یہ
حدیث مستدرک حاکم میں جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (دیکھو تحفۃ الذاکرین
شرح حصن حصین للشوکانی ص ۲۶۴) اور بعض روایات میں اس طرح آیا ہے فقال ابوبکر و علی ھذا الخضر
رواہ الحاکم و علی نے کہا یہ خضر علیہ السلام (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۱ ج ۶ ذکر حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

اور کعب احبارؓ سے منقول ہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں دو زمین میں اور دو آسمان میں جو ان میں سے
دو زمین میں ہیں خضر علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام یہ دونوں نبی ہیں اور دونوں زندہ ہیں اور ہر سال
موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں یہ دونوں تو زمین میں ہیں اور دو آسمان پر زندہ ہیں
ادریس علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ——— (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶ حدیث الخضر
مع موسیٰ علیہما السلام) اور دیکھو تفسیر مظہری ص ۴۲ جلد ۶ یہ مجدد صاحب کا کلام نقل کیا ہے جو لطیف ہے۔

علماء کرام کا کہنا اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہمارے درمیان زندہ موجود ہیں اور صوفیہ
کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اس پر متفق ہیں اور متفقہ طور پر حضرت خضر سے اپنی ملاقاتوں کو بیان
کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی یہ حکایتیں حد تواتر کو پہنچی ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۰۹ ج ۶)
اور یہ امر مسلم۔ اور بدیہی اور مسلم ہے کہ اولیائے کرام اہل کشف اور اہل الہام ہیں اور بلاشبہ یہ گروہ صادقین
اور مخلصین کا گروہ ہے۔ اس گروہ صادقین کے متفقہ مشاہدات اور مکاشفات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

پھر یہ کہ خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ امور تشریعیہ سے نہیں بلکہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ کی جنس
سے ہے حضرت استاذی مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء شریعت
اور اولیائے طریقت کا اختلاف پاؤ تو یہ دیکھو کہ وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی احکام شریعت سے متعلق ہے
یا امور تکوینیہ یا اسرار کونیہ کے باب سے ہے پس اگر وہ مسئلہ تشریعیہ یعنی حلال و حرام اور جواز اور عدم جواز
سے متعلق ہو تو اس وقت علماء شریعت کے قول اور فتوے کو ترجیح دینا کیونکہ علماء شریعت کا گروہ احکام
شریعت سے خوب آگاہ ہے اور اگر وہ مسئلہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ سے متعلق ہو اور اعمال مکلفین سے
اس کا تعلق نہ ہو تو اس جگہ اولیائے طریقت اور اہل معرفت و ارباب بصیرت کے قول کو ترجیح دینا کیونکہ یہ
گروہ اہل کشف اور اہل الہام کا گروہ ہے اور بلاشبہ صادقین اور صالحین کا گروہ ہے یہ گروہ جب اپنا کوئی
مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرے تو حسن ظن کا تقاضا اس کو قبول کرنا ضروری ہے بخاری کی متعدد احادیث میں آیا ہے
ارى رؤياكم قد تواطئت على العشر الاواخر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا
ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے بارہ میں عشرہ اخیرہ پر متفق ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس
امر پر عباد اللہ الصالحین کے خواب متفق ہو جائیں وہ قرین حق ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کا خواب کاذب

نہیں ہوتا اسی طرح جب الہام اور اہلِ کشف کے مکاشفات اور مشاہدات کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ قطعی اور یقینی ہوگی تا آنکہ جب علماء شریعت کا بھی یہی قول ہو کہ جس پر تمام صوفیاء اور اولیاء متفق ہوں تو اس کے قبول و تسلیم میں کوئی تردد ہی نہیں ہونا چاہئے اور حیاتِ خضر علیہ السلام کا مسئلہ اسی قبیل سے ہے۔ لہٰذا اس بارہ میں اہلِ کشف اور اربابِ الہام کے قول کو ترجیح ہوگی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(۵) موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون جب مقام مجمع البحرین پہنچے تو دونوں مچھلی کو بھول گئے اور وہ بھنی ہوئی مچھلی خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی اور دم اس نے اپنے پیچھے سرنگ اور طاق بنا لیا موسیٰ علیہ السلام کے یہ دو معجزے ہوئے ایک تو بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو جانا اور دوسرا یہ کہ پانی کا منجمد ہو جانا اور مچھلی کے لیے ایک طاق بن جانا مردہ کا زندہ ہو جانا اور پھر دریا میں خشک راہ کی طرح سرنگ بن جانا یہ سب آیاتِ قدرت اور دلائلِ نبوت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ یہی نشانی بتلائی تھی کہ جہاں وہ ناشتہ کی مچھلی زندہ ہو جائے اور بس وہی ان کے ملنے کی جگہ ہے اس قسم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کا سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ... الیٰ قولہ تعالیٰ۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کے کسی ٹکڑے کو مقتول پر لگا دو تو وہی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا گیا تھا جو زمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتا تھا یہ بھی ایک قسم کا احیاء خرقِ عادت تھا بلکہ اس سے بڑھ کر تھا اور مچھلی کے زندہ ہو جانے کی نظیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بھی موجود ہے کہ فتح خیبر کے بعد خیبر کی ایک یہودیہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور ایک بھنی ہوئی بکری لا کر آپ کے سامنے رکھی جس میں زہر ملایا ہوا تھا آپ نے اس میں سے ایک دست کو لیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھے نہ کھائیے مجھ میں زہر ملایا گیا ہے آں حضرت کا یہ معجزہ مچھلی کے معجزہ سے بڑھ کر ہے۔ وہ تو فقط زندہ ہو گئی اور اس بکری کے دست نے آپ سے باتیں کیں اور یہودیہ نے جو زہر اس میں ملایا تھا اس سے آپ کو آگاہ کر دیا اور علیٰ ہذا ستون حنانہ کا رونا اور پتھروں کا آپ کو سلام کرنا اور سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا اور درختوں کا آپ کے حکم سے رواں ہونا یہ ایک مردہ کے مقابلہ زندہ ہو جانے سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ جمادات زندہ ہو کر بول رہے ہیں اور آپ کی نبوت کی شہادت دے رہے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے دلائل نبوت میں سواد بن عمروؒ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اللہ نے

عہ قیل کان ابن الحوت، الطری ومما یتعلق بذکر معجزۃ موسیٰ او خضر علیہما السلام کذا فی شرح شیخ الاسلام زکریا الانصاری علی صحیح البخاری من کتاب العلم ... (روح المعانی ص ۳۲۳ ج ۱)

معجزات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے وہ کسی کو نہیں دیئے عمار بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے امام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مُردوں کو باذن الٰہی زندہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتیٰ کا معجزہ عطا فرمایا تھا یعنی آپ کو یہ معجزہ نہیں عطا کیا! اس پر امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے خشک تنے کو زندہ کر دیا جس سے سہارا لگا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر تیار ہو گیا تو وہ جو خشک تنا تھا بچوں کی طرح رو دیا جس کے رونے کی آواز تمام حاضرین جمعہ نے سنی یہ معجزہ اس سے بڑھ کر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خشک ستون کا آپ کی مفارقت کے صدمہ سے رونا کمال حیات کی دلیل ہے اور کمال معرفت کی دلیل ہے اور مچھلی کا سمندر میں راستہ بنا لینا اور مچھلی کے پھرنے سے پانی کا خشک اور منجمد ہو جانا اور اس کے لیے مثل روشن دان کے بن جانا یہ معجزہ فلق البحر کے معجزہ کے مشابہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو سمندر میں ان کے لیے خشک راستے ہو گئے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک لشکر روانہ کیا جس پر علاء بن حضرمیؓ کو سردار مقرر کیا راستہ میں سب لوگ پیاسے ہو گئے اور سخت پیاس لگی راوی کہتا ہے کہ علاء بن حضرمیؓ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی آسمان پر کہیں ابر کا نام و نشان نہ تھا خدا کی قسم! ابھی ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ٹھنڈی ہوا اور بادل بھیجا جس نے پانی اتار دیا اور پورا لشکر سیراب ہو گیا اور ہم نے اپنی مشکیں اور برتن سب بھر لیے پھر ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک خلیج آگئی جس سے پار ہونا تقریباً ناممکن تھا علاء بن حضرمیؓ نے کنارے پر کھڑے ہو کر یہ کلمات پڑھے۔ یا علی۔ یا عظیم۔ یا حلیم۔ یا کریم۔ پھر کہا بسم اللہ پڑھ کر گزر جاؤ اور پار ہو جاؤ پس ہم بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور اپنی سواریوں کو خلیج میں ڈال دیا اور پار ہو گئے اور جانوروں کے کھر بھی پانی سے تر نہ ہوئے اور پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور ہم اللہ فتحیاب ہوئے اور دشمن کو قتل کیا اور گرفتار کیا پھر لوٹ کر اسی خلیج پر پہنچے علاء بن حضرمیؓ نے پہلے کی طرح کیا اور ہم اسی طرح خلیج سے پار ہو کر خشکی پر آگئے اور پانی کی کوئی تری ہم کو نہیں لگی خطیب ان روایات کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ جس قسم کی کرامات کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔

(دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۳۱۹ جلد ۲)

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو کہہ اب پڑھتا ہوں تمہارے

مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ

آگے اس کا کچھ ذکر۔ ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں۔ اور دیا تھا ہر

كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ

ہر چیز کا اسباب ۔ پھر پیچھے پڑا ایک اسباب کے ۔ یہاں تک کہ جب پہنچا

مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَ

سورج ڈوبنے کی جگہ ، پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں

وَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ

اور پایا اس کے پاس ایک لوگ ۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا

إِمَّا أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ

تو لوگوں کو تکلیف دے ، اور یا رکھ ان میں

حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ أَمَّا مَن ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ

خوبی ۔ بولا جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو ماردیں گے پھر آئے

إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَأَمَّا مَنْ آمَنَ

جائے گا اپنے رب کے پاس ، وہ مار دے گا اس کو بری مار ۔ اور جو کوئی یقین

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ

لایا اور کیا بھلا کام ، سو اس کو بدلے میں بھلائی ہے ، اور ہم کہیں گے اس

أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ

کو اپنے کام میں آسانی ۔ پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے ۔ یہاں تک کہ جب آ پہنچا سورج نکلنے

الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَل لَّهُم مِّن

کی جگہ ، پایا کہ وہ نکلتا ہے ایک لوگوں پر کہ نہیں بنادی ہم نے ان کو اس

دُونِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذَٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

سے ورے کچھ اوٹ ۔ یوں ہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر ۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ

پھر لگا ایک سامان کے پیچھے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا دو آڑ کے بیچ پایا

مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا

ان سے ورے ایک لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات بولے

یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی

اے ذوالقرنین یہ یاجوج و ماجوج دھوم اٹھاتے ہیں

الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا

ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول اس پر کہ بنا دے تو ہم

وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ

میں اور ان میں ایک آڑ۔ بولا جو مقدور دیا مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ

میری محنت میں، بنا دوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک دیوار موٹی لا دو مجھ کو تختے لوہے کے

حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰۤی

یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں پھانکوں تک پہاڑ کے، کہا دھونکو، یہاں تک کہ

اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا

جب کر دیا اس کو آگ، کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔ پھر نہ

اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

سکے کہ اس پر چڑھ آئیں اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ

بولا یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی، پھر جب آوے وعدہ میرے رب کا گرا دے

سفر اوّل

قال تعالیٰ: فَأَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ ۔۔ الیٰ ۔۔ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا

پس جب حق تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ہر قسم کا سامان مہیا کر دیا جس سے وہ اپنے عزائم کو پورا کر سکے تو اس نے سفر شروع کیا۔ پہلا سفر اس کا یہ ہوا کہ اس نے بارادۂ فتوحات مغرب کی راہ لی اور ایک راستہ اختیار کیا کہ جو اسے مغرب تک پہنچا دے یہاں تک کہ جب سفر کرتے کرتے اور ممالک کو فتح کرتے کرتے سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا یعنی سمت مغرب میں منتہائے آبادی میں پہنچ گیا جہاں آبادی ختم ہو گئی تھی تو اس نے سورج کو سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا یعنی بظاہر نظر میں اس کو ایسا دکھائی دیا جیسے سمندر کا مسافر غروب کے وقت یہ دیکھتا ہے کہ آفتاب سمندر میں ڈوب رہا ہے حالانکہ آفتاب آسمان پر ہوتا ہے مگر سمندر میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے، اسی طرح ذوالقرنین نے اس جگہ پہنچ کر سورج کو اپنی نگاہ میں ایسا پایا کہ وہ کیچڑ کے سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے ورنہ عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ آفتاب جیسا جسم عظیم جو زمین سے کئی ہزار گنا بڑا ہے اور زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین کے ایک چشمہ میں ڈوب جائے۔ نیز آفتاب تو ہر وقت حرکت میں رہتا ہے آفاق پر سے گزرتا ہے کہیں اس کا طلوع ہوتا ہے اور کہیں اس کا غروب ہوتا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین جب ساحل غربی پہنچ گیا تو وہ ایسی جگہ تھی کہ وہ دلدل اور کیچڑ تھی جس میں آدمی کا داخل ہونا دشوار تھا آگے زمین ختم تھی یہ جگہ زمین کا کنارہ تھی آگے سوائے پانی کے کچھ نہ تھا اس لیے اس کو ایسا نظر آیا کہ سورج کیچڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اس وقت اس کی نگاہ میں سوائے کیچڑ اور دلدل کے کچھ نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا وَجَدَهَا تَغْرُبُ یعنی اپنی نگاہ میں سورج کو ایسا پایا اور یہ نہیں فرمایا کہ كَانَتْ تَغْرُبُ کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر نہیں دی کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا بلکہ یہ بتلایا کہ ذوالقرنین نے اس کو ایسا پایا۔ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سورج فی الواقع سیاہ کیچڑ میں گھس گیا تھا یا اس کے اندر اتر گیا تھا یا اس میں جا کر غائب ہو گیا تھا کیچڑ کے ایک چشمہ میں اتنی گنجائش کہاں سے آئی کہ وہ آفتاب جیسے جرم عظیم کو اپنے اندر سما سکے آفتاب تو زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین سے ملاصق اور ملا ہوا نہیں اور اس قدر بڑا ہے کہ زمین کے چشمہ میں نہیں سما سکتا اور نہ اس میں اتر سکتا ہے۔

فائدہ ایک قراءت میں حَمِئَةٍ کے بجائے حَامِيَةٍ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ گرم چشمہ جب آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے پایا اور اس کو ایسا نظر آیا کہ آفتاب گرم پانی کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی ایسا ہی ہو اور یہ دونوں قراءتیں معروف ہیں معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی منافات نہیں بہرحال مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین چلا یہاں تک چلتا

وہ یہاں تک کہ جب خشکی کی حد ختم ہو گئی اور جہاں تک آدمی جا سکتا تھا وہاں تک ذوالقرنین پہنچ گیا تو اس جگہ پہنچ کر ذوالقرنین نے آفتاب کو سیاہ کیچڑ یا گرم پانی کے چشمہ میں غروب ہوتے پایا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس سے آگے جانے کا ذکر نہیں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ اس سے آگے زمین ختم ہو گئی اور ممکن ہے کہ شاید آگے بھی کچھ ہو واللہ اعلم۔ اور پھر اس جگہ جہاں پانی کی کیچڑ میں اس کو سورج ڈوبتا ہوا نظر آیا وہاں اس نے ایک قوم کو پایا جو کافر تھی جیسا کہ اگلی آیت قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اس پر دلالت کرتی ہے تو ہم نے ذوالقرنین سے بطور الہام یا کسی نبی کے ذریعے یہ کہا کہ ذوالقرنین تجھ کو اس کافر قوم کے بارہ میں اختیار ہے یا تو ان کو اول ہی سزا دے یعنی ان کو کفر کی سزا میں قتل کر دے یا قید کرے یا غلام بنا دے یا یہ کہ تو ان پر احسان کرے کہ قید سے کر ان کو زندہ چھوڑ دے بہرحال تجھ کو اختیار ہے ان دو باتوں کے درمیان ذوالقرنین نے عرض کیا کہ میں اس قوم کو دعوت ایمان کی دعوت دوں گا لیکن اس دعوت کے بعد جو شخص کفر اور شرک کر کے اپنی جان پر ظلم کرے گا سو اس کو تو ہم سزا دیں گے اور میرے بعد کے دولت اور حکام حکومت دنیا میں اس کو سزا دیں گے یعنی اس کو قتل کر دیں گے یہ سزا تو دنیا میں ہوگی پھر وہ مرنے کے بعد آخرت میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ سو اللہ عزوجل اس کو دوزخ کی سزا دے گا اور جو کوئی دعوت کے بعد ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں اس کو نیک بدلہ ملے گا اور ہم بھی دنیا میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں گے یعنی اس کو مشقت اور تکلیف میں نہ ڈالیں گے۔ بلکہ اس کے ساتھ رعایت اور نرمی کا معاملہ کریں گے اور جو میری دعوت سے روگردانی کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ عادل فرمانروا کی یہی شان ہے کہ بدوں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔

سفر دوم

قال اللہ تعالیٰ: ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ ... الیٰ ... بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝

پھر اس سفر سے فارغ ہو کر اور مغربی ممالک کو فتح کر لینے کے بعد ایک دوسری راہ چلا یعنی مغرب الشمس سے مطلع الشمس کی راہ لی تاکہ مشرقی ممالک کو بھی فتح کرے اور ان کو دعوت حق کی دعوت دے اور حق کے موافق کرے اس کو زمین دوز کرے سو چلتا چلا یہاں تک کہ جب مسافت قطع کر کے زمین کے اس مقام پر پہنچا جہاں اول طلوع آفتاب کے دیکھتے ہیں یعنی جہت مشرق میں انتہائے آبادی پر پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لیے ہم نے آفتاب سے ورے کوئی پردہ اور حجاب نہیں رکھا تھا یعنی وہ لوگ جنگلی اور وحشی تھے جو ان کی زندگی بسر کرتے تھے اور مکانات نہیں رکھتے تھے۔ کوئی ستر اور لباس نہیں رکھتے تھے ننگے رہتے تھے ان کا لباس بھی آفتاب تھا گھر بنانا نہیں جانتے تھے کہ سورج کی دھوپ سے بچ سکیں۔ زیر زمین سرنگیں بنا رکھی تھیں۔ جب سورج طلوع ہوتا تو ان میں گھس جاتے

اور زوال کے بعد جنوب مشارق کے لیے نماز دن سے باہر نکلے اور ذوالقرنین اور ذوالقرنین کا قصہ ابھی قریب ہے
تو ہم نے بتلا دیا ہے اور باقی اس ذوالقرنین کے بارے میں جو لشکر اور ساز و سامان تھا ہم اس سے پوری طرح باخبر تھے
ہمارا علم اس کو حاوی ہے یہ جملہ ہے سوائے اس کے کہا مسعودی صاحب نے یہ ہے کہ حقیقت تو قرآن نے جتنا
ہم نے بتلا دیا باقی تاریخی روایات اس کے سوا جو کچھ ہیں ان میں لکھتے ہیں وہ یقینی نہیں۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کو یہ شوق ہوا تھا کہ دیکھے دنیا کہاں تک بستی ہے مشرق اور مغرب تک پہنچا مگر آخر زمانے کے ملک کی حد نہ پا سکا یہ سفر بھی تمام ہوا اس کے بعد ایک اور سفر کا بیان ہوتا ہے۔

سفر سوم

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ ۔ الی ۔۔۔ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا

ذکر تعمیر سد آہنی برائے انسداد خروج یاجوج و ماجوج

پھر مشرق و مغرب کے سفر سے فارغ ہو کر مشرق و مغرب کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف ایک پہاڑیوں کے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا جن کی پشت پر یاجوج ماجوج کی زمین تھی تو ان دو پہاڑوں کے پیچھے اس نے عجیب و غریب قوم پائی جو کم عقلی کی وجہ سے کسی بات کے سمجھنے کے قریب بھی نہ پہنچتے تھے یعنی غیر زبان ہونے کی وجہ سے تو بات نہیں سمجھتے تھے اور وحشی اور کم عقل ہونے کی وجہ سے سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے تھے ورنہ عاقل آدمی قرائن سے کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا ہے پھر غالباً انہوں نے کسی ترجمان کے ذریعہ سے اشارات اور کنایوں کے ذریعے سے ذوالقرنین سے عرض کیا کہ اے ذوالقرنین یہ قوم یاجوج ماجوج کی قوم جو اس درہ کے پیچھے رہتی ہے ہم پر بڑی زیادتی کرتی ہے اور فساد پرداز لوگ ہیں ہماری زمین میں تباہی اور بربادی مچاتے رہتے ہیں ان کا کام ہی لوٹ مار خونریزی و غارت گری ہے۔

مردم خور ہیں آدمیوں کو بھی کھا جاتے ہیں اور کھیتوں کو بھی صاف کر جاتے ہیں۔ زاد المسیر صفحہ ۱۹۱ جلد ۵

مطلب یہ ہے کہ یہ صورتیں تو ہمارے جیسے انسان ہیں مگر درندگی میں وہ درندوں سے بڑھ کر ہیں ہم تنہا ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے سو کیا آپ ہم کو اجازت دیتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کے لیے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط اور مستحکم دیوار تعمیر کر دیں کہ جو ان کو ہماری طرف آنے سے روک دے۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو جو دولت و ثروت عطا کی ہے وہ تمہارے اس چندہ سے کہیں بہتر ہے مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں البتہ تم اپنی جسمانی اور عملی قوت سے میری مدد کرو جس طرح سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ

مذکور تذکرہ یاجوج و ماجوج کا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جیسا انشاء اللہ سورۂ انبیاء کے آخیر میں اس کا ذکر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگا اور احادیث صحیحہ میں یاجوج ماجوج کے خروج کو علامات قیامت میں سے قرار دیا گیا ہے اور یہ احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہیں اور تمام صحابہ و تابعین کا اس پر اجماع ہے اور جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح علامات قیامت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جو بنص قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہوا اس کا انکار بلاشبہ کفر ہے اور ایسی قطعیات میں تاویل کرنا الحاد اور زندقہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ذوالقرنین نے لوگوں کی فرمائش پر ایک آہنی دیوار بنا دی قرآن اور حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آہنی دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور یاجوج و ماجوج اس کے پیچھے بند رہیں گے قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی تب وہ یاجوج و ماجوج وہاں سے نکلیں گے اور ان کا یہ نکلنا نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال کے بعد ہوگا بالآخر یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے غیر معمولی موت مریں گے۔ جس کی تفصیل احادیث میں ہے اب رہا یہ امر کہ وہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار دنیا کے کس خطہ میں ہے اور وہ پہاڑ کہاں واقع ہے سو وہ خدا ہی کو معلوم ہے۔ وہ جس چیز کی خدا خبر دے اس پر ایمان لانا فرض ہے جس خدا نے زمین کو پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوق سے پورا باخبر ہے ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے مکان و باغ کی خبر نہیں اور بعض مورخوں نے دیوار ذوالقرنین کا مقام متعین کیا ہے۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں محض ان کے خیالات اور تخمینے ہیں یا سیاحوں یا مورخوں کے لکھے ہوئے جغرافیے ہیں خدا اور اس کے رسولؐ نے اس کے بارے میں کوئی تعیین نہیں فرمایا جس سے یقینی طور پر اس دیوار کا مقام اور محل متعین کیا جا سکے اور ظن اور تخمینہ بلا دلیل عقل کے نزدیک قابل تحسین نہیں۔

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ ذوالقرنین کا قصہ بیان ختم ہوا

اب آئندہ آیت میں دنیا کے فنا و زوال کا ذکر ہے کہ یہ دیوار قیامت کے قریب تک قائم رہے گی اور جب قیامت قریب ہوگی تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور اس کے پیچھے سے یاجوج و ماجوج نکل پڑیں گے۔

ایک شبہ آج کل سائنس دان اور ماہرین انکشافات اور فلاسفۂ جغرافیہ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا ہے مگر ہم کو کہیں اس دیوار کا پتہ نہ ملا اور نہ کہیں یاجوج و ماجوج کا پتہ لگا۔

جواب اس شبہ کے جواب میں ہمارے ان مصنفین نے جو مغربی علوم اور تحقیقات سے مرعوب ہیں اس دیوار کا پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے اور ملک کے تعین کئے ہیں مگر خود ان کو اپنے لکھے ہوئے پر یقین اور اطمینان نہیں بلکہ ان کا منشاء بجز اس وسوسہ کا علاج۔ جواب وہ ہے جو علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ حسین جسر طرابلسیؒ نے الحصون الحمیدیہ میں دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس دیوار کی اور جس قوم کی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ صحیح اور درست ہے اور اس پر ایمان

سائنس کی تحقیقات سے اُن چیزوں کا ثابت ہو جانا ہے کہ جن چیزوں کی نسبت اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ان کو بھی
پورا نہیں دیکھا تھا اور مزید تجربہ بتلاتا ہے کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے ذرا اور آگے بڑھو آئندہ چل کر
تم کو پتہ چلے گا۔ یا ندگی بھی بعض چیزوں کے وجود کا اور آثار معلوم ہوں گے جو موجودہ علم اور تجربہ سے بالاتر نہیں بالاتر ہوں گے
موجود ہوں گے فلسفی اور سائنس داں جس بات کا نعرہ لگاتا ہے اور قدم قدم پر جدید تجربہ جدید انکشاف پھر دانا
کے دعوے پر ایک کاری ضرب لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ سارے ملک پھر واقف اس جدید انکشاف نے تم کو یہ بتا
کر دیا کہ پہلا گزشتہ دعویٰ غلط تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ جو ذوالقرنین کا قصہ قطعاً ثابت ہے یہ تو ایک بات ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت جو علماء توریت اور
انجیل موجود تھے ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ یہ قصہ متواتر ہے قطعاً ثابت ہے
اس قصہ کے تواتر کے لئے فقط اتنی بات کافی ہے کہ علماء اہل کتاب نے بطور امتحان آپ سے اس قصہ کا
سوال کیا اور علاوہ بریں جس دیوار کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ بھی حق اور صدق ہے اگرچہ وہ اس کا ہمیں
علم نہ ہو اور محل معلوم نہیں اب اگر کوئی شخص محض اس بنا پر انکار کرے کہ ہمیں اس دیوار کا علم نہیں یا ہماری سمجھ میں
نہیں آتا تو وہ ایک جنگلی پہاڑی کی طرح ہے کہ جس نے کبھی ریل اور تار اور ٹیلیفون اور ہوائی جہاز نہ دیکھا ہو اور
کوئی شخص اس کے سامنے ان چیزوں کا ذکر کرے اور وہ سن کر یہ کہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک گھنٹہ
میں چالیس پچاس میل یا پانچ سو میل کی مسافت کیسے قطع ہو سکتی ہے یا ہزاروں میل دور بیٹھ کر ٹیلیفون
سے کیسے باتیں ہو سکتی ہیں اس قسم کی باتیں اس کے غافل اور جاہل ہونے کی دلیل ہیں لیکن اس کی ان باتوں سے ٹیلیفون
کا عدم ثابت نہیں ہو سکتا کیا ممکن نہیں کہ جس طرح آج سے پانچ سو برس پہلے ان سائنس دانوں کو دنیا
کے چھ حصے نہیں معلوم تھے یعنی امریکہ کا پتہ نہ تھا اور سے طریق دریافت آبادی ان لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ رہی اور
خلاصہ یہ اور سائنس دان اس کے وجود سے واقف نہ ہونے کیا اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا
براعظم موجود ہو جہاں یاجوج ماجوج کے وحشی دل بستے ہوں اور ہمارے اور ان کے درمیان سدِ ذوالقرنین
کے علاوہ ایسے بحر حائل ہوں کہ جہاں اب تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی انکشافات جدیدہ کا دروازہ
کھلا ہوا ہے جس کی وسعت کی کوئی حد نہیں اور روز بروز عجیب و غریب انکشف ہو رہے ہیں تو کیا
عجب ہے کہ آئندہ چل کر اس دیوار کا اور قوم یاجوج و ماجوج کا انکشاف ہو جائے غرض یہ کہ آسمان اور
زمین کے خالق نے اور اس کی وحی سے اس کے برگزیدہ نبی برحق اور مخبر صادق نے جس چیز کے وجود کی
خبر دی ہے وہ بلاشبہ عقلاً ایک امر ممکن ہے اس پر ایمان لانا واجب اور لازم ہے اور معاذ اللہ اس کے
رسولوں نے جس چیز کی خبر دی ہے وہ بلاشبہ حق اور صدق ہے ضرور اپنے وقت پر ظاہر ہوگی اور محض اپنی
لاعلمی اور ناواقفیت اور عدم وجدان اور عدم علم اور عدم معرفت کی بنا پر کسی چیز کے وجود سے انکار کرنا
جہالت اور نادانی ہے اور نیز یہ عدم وجود کا دلیل تلاش کے ختم اگر کسی کو زید نہ ملے تو اس سے زید کا معدوم ہونا
ثابت نہیں ہو سکتا۔ بہرحال مخبر صادق جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب اس نے دیوار کے

وجود کی خبر دی ہے تو ہم پر اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے خواہ وہ چیز ملے یا نہ ملے جس خدا نے اس زمین کو پیدا کیا اور پھر ایک نیک بندہ ذوالقرنین کو دے دیا اور اپنی زمین پر اس کو فرماں روا بنایا تو کیا فضلاء جغرافیہ اور ماہرین اکتشافات زمین کے بارہ میں خدا سے زیادہ باخبر ہو گئے کہ جس زمین کو خدا نے پیدا کیا وہ تو ایک خطۂ زمین اور ایک قوم کے وجود کی خبر دے رہا ہے اور یہ فضلاء جغرافیہ نہایت وثوق سے اس کا انکار کر رہے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ ایک انسان ضعیف البنیان کو کسی چیز کو نہ پانا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ شئے فی الواقع موجود نہیں کسی چیز کا نہ پانا اس چیز کے عدم کی دلیل نہیں بلکہ نہ ملنے کی وجہ سے کسی چیز کے وجود کا انکار کر دینا جہالت اور کوتاہ نظری کی کھلی دلیل ہے۔

دیوارِ ذوالقرنین اور دنیا کی پانچ بڑی دیواروں کا ذکر

قرآن کریم نے دیوار ذوالقرنین کا ذکر کیا مگر اس کا موقع اور محل نہیں بتایا کہ وہ کس جگہ بنی تھی۔

مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں نے تاریخی واقعات کے ذیل میں دنیا کی چند بڑی بڑی دیواروں کا ذکر کیا ہے اور اپنے خیالات اور گمان اور تخمینہ سے اس کو دیوار ذوالقرنین قرار دیا مولانا عبدالحق صاحب دہلوی مفسر تفسیر حقانی نے اپنی تفسیر میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور اس سلسلہ میں پانچ دیواروں کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس کو تفصیل درکار ہو وہ اصل تفسیر حقانی کی مراجعت کرے۔

دیوار اول ــــــ دیوار چین

جس کو بقول مؤرخین فغفور چین نے حضرت مسیح ابن مریم سے تخمیناً دو سو چھتیس [۲۳۶] برس پہلے بنایا تھا جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے جس کے پیچھے کچھ وحشی قومیں آباد تھیں جو چین کے ملک پر تاخت و تاراج کیا کرتی تھیں ان کو یاجوج ماجوج سے تعبیر کرتے تھے چونکہ یہ دیوار اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی ہے اور ایک کافر کی بنائی ہوئی ہے جو حضرت مسیح ابن مریم سے دو سو چھتیس برس پہلے گزرا ہے اس لیے یہ دیوار سد ذوالقرنین نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دیوار آہنی تھی نیز ذوالقرنین حضرت مسیح سے دو ہزار برس پہلے گزرا ہے اور وہ مرد مومن تھا کافر نہ تھا اور فغفور [illegible] اس کو ذوالقرنین قرار دینا قطعاً غلط ہے۔

دیوار دوم ــــــ دیوار سمرقند

یعنی وہ دیوار جو سمرقند کے قریب ہے یہ ایک مستحکم دیوار ہے جو لوہے کی چادروں اور اینٹوں سے بنائی گئی ہے نہایت مستحکم اور مضبوط ہے اور اس میں ایک دروازہ بھی ہے جس پر قفل لگا ہوا ہے۔

خلیفہ معتصم نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق کے لیے پچاس آدمیوں کو روانہ کیا وہ اس دیوار کو دیکھ کر آئے اور آکر اس کا حال بیان کیا یہ دیوار جبال الطیٰ کا درہ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی بعض لوگ اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس دیوار کو ترک کے کسی عیسائی بادشاہ نے بنایا تھا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ عیسائی بادشاہ وہ ذوالقرنین تھا اور تبع یمانی اس کی اولاد میں سے تھا جس پر اس کو فخر تھا لہٰذا بعض علماء کا خیال ہے کہ یہی دیوار ذوالقرنین ہے۔ واللہ اعلم۔

دیوار سوم ——— دیوار آذربائیجان

یہ آذربائیجان کے پاس بحیرہ طبرستان کے کنارہ جبل قوق کے گھاٹ کو بند کرنے کے لیے اور غیر قوموں کی آمد کو روکنے کے لیے بنائی گئی تھی یہ دیوار آذربائیجان اور آرمینیہ کے دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ دیوار پتھر اور سیسے سے بنائی گئی ہے جس کی بلندی تین سو گز ہے اس دیوار کو نوشیرواں نے بنایا یہ دیوار اب تک قائم ہے بعض علماء نے اس دیوار کو سد ذوالقرنین بتلایا ہے۔

دیوار چہارم ——— دیوار تبت

یہ دیوار تبت کے شمالی پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ جگہ خراسان کا آخری کنارہ ہے جہاں ایک گھاٹ ہے جس سے ترک حملہ آور کیا کرتے تھے فضل بن یحییٰ برمکی نے دروازہ لگا کر اس کو بند کر دیا یہ دیوار بالاتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کیونکہ یہ دیوار نزول قرآن کے بعد بنائی گئی۔

دیوار پنجم

دنیا کی پانچویں بڑی دیوار وہ ہے کہ جو بحیرہ اسود کے مشرقی کنارہ پر ایشیائے کوچک کے جزیرہ سے کسی جزیرہ میں واقع ہے یہ معلوم نہیں کہ یہ دیوار کب بنی اور اب تک قائم ہے یا نہیں یہ دیوار بھی بالاتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

غرض یہ کہ یہ سب تاریخی قصے ہیں جو ہرگز قابل اعتماد و قابل ذکر نہیں۔

بہر حال یہ دنیا کی پانچ مشہور دیواریں ہیں جن کا تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں ذکر ہے اور مصنفین نے اپنے اپنے خیال اور تخمینہ سے سد ذوالقرنین کے مصداق بنانے کی بڑی کوشش کی ہے کسی نے کسی دیوار کو اور کسی نے کسی دیوار کو۔ مگر سوائے اپنی خیالی قیاس آرائیوں کے دلیل کسی کے پاس نہیں ہر ایک نے اپنی رائے دی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس سد (دیوار) کی قرآن عزیز نے خبر دی ہے قرآن اور حدیث میں اس کے کیا اوصاف ذکر کیے گئے ہیں تا کہ اس سے تعیین مصداق کا فیصلہ ہو سکے وہ اوصاف حسب ذیل ہیں۔

وہ دیوار بحکم الٰہی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ یعنی دبیز اور موٹی ہو جاتی ہے مگر قیامت کے قریب ایک روز وہ انشاء اللہ کہہ کر اس دیوار کو چھوڑیں گے تو انشاء اللہ کی برکت سے اس میں وسیع سوراخ نکل جائے گا اور اگلے روز اس دیوار کو توڑ کر باہر نکل سکیں گے۔

ہشتم — یہ کہ یاجوج ماجوج باوجود انسان ہونے کے عام انسانوں سے قوت میں بہت زیادہ ہیں اور تعداد کی کثرت میں تو اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں اور عام بنی آدم میں وہ نسبت ہے جو ایک اور ہزار میں ہے اور سب کا تذکرہ ابھی گذر چکا ہے۔

نہم — یہ کہ ان کا خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوگا اور اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاص مؤمنین کو کوہ طور پر لے جائیں گے اور باقی لوگ اپنے طور پر کسی قلعہ یا مکان میں محفوظ ہو جائیں گے۔

دہم — یہ کہ یاجوج ماجوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مر جائیں گے ان کی گردنوں میں اللہ تعالیٰ ایک نغف (جانوری کیڑا) پیدا کر دے گا جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ دس اوصاف ہیں جن میں سے اول کے پانچ اوصاف قرآن کریم میں مذکور ہیں اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ معتبرہ میں مذکور ہیں۔

پس جو شخص ان اوصاف کو ملحوظ اور پیش نظر رکھے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ محققین نے جن دیواروں کا پتہ بتایا ہے کسی طور پر یہ اوصاف کسی دیوار میں بھی نہیں پائے جاتے پس محققین نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ صحیح نہیں اور ان دیواروں میں سے کوئی دیوار، دیوار ذوالقرنین کا مصداق نہیں اور احادیث صحیحہ صریحہ کا انکار گمراہی ہے اور ان میں تاویل کرنا الحاد اور بے دینی ہے لہذا یہی کہا جائے گا کہ جس دیوار کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے اس کا صحیح اور واقعی محل اسی کو معلوم ہے ہم اس کی خبر پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی تعیین کو اسی کے علم کے حوالہ اور سپرد کرتے ہیں جیسا کہ ہم علامہ آلوسیؒ کا کلام روح المعانی سے نقل کر چکے ہیں۔

یاجوج ماجوج کون ہیں — لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں جمہور علماء تفسیر و حدیث کا قول یہ ہے کہ یاجوج ماجوج بنی نوع انسان کی دو قومیں یا دو قبیلوں کا نام ہے جو آدم اور حواء کی اولاد سے ہیں اور یافث بن نوحؑ کی نسل سے ہیں جو ترک کا باپ ہے اور ترک اسی خاندان کی ایک شاخ ہے جو سد ذوالقرنین کے اس طرف ترک کر دیئے گئے تھے یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے گویا کہ لفظ ترک متروک سے مشتق ہے اور یہ لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں اور اس قدر کثیر اور بے شمار ہیں کہ ان میں اور اہل جنت میں وہ نسبت ہے کہ جو ایک اور ہزار میں ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جس قدر افراد دوزخ میں جائیں گے ان تمام کے مقابلہ میں اکثریت یاجوج ماجوج کی ہوگی۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر نکالئے عرض کریں

گے کہ کس قدر؟ ارشاد ہوگا ہر ہزار سے ایک کم ہزار۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد سے تو ہیں مگر حوا کے پیٹ سے نہیں گویا کہ وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہیں۔ حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات سوائے کعب احبارؒ کے اور کسی سے منقول نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج ترکوں کے دو قبیلے ہیں۔

صحیح قول یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج دو قومیں ہیں اور یافث بن نوحؑ کی اولاد سے ہیں جو بعض قراوت پیدا ہوئی اور ان کے حالات اور صفات کے بارہ میں جو آثار اور اخبار وارد ہوئے ہیں ان پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج اگرچہ نسل آدم سے ہیں اور ظاہری صورت اور شکل کے اعتبار سے آدمی اور انسان ہیں لیکن طبعی اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے وحشی درندہ اور حیوان ہیں اور افعال اور اعمال کے اعتبار سے جنات سے ملتے جلتے ہیں۔ گویا کہ قوم یاجوج و ماجوج تمام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جو فتنہ اور فساد پھیلانے میں جنات کا فرقہ ہے عام انسان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے وہاں کے باشندوں نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی آہنی دیوار قائم کر دیں جس سے ان کا راستہ بند ہو جائے اور ہم ان کے شر سے محفوظ ہو جائیں چنانچہ ذوالقرنین نے ایک آہنی دیوار بنا کر ان کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل دیا۔

قرآن کریم میں یاجوج و ماجوج کا ذکر اجمالاً اور مختصراً آیا ہے اور احادیث میں کچھ تفصیل آئی ہے بہر حال قرآن اور حدیث سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ یاجوج ذوالقرنین کی بنائی ہوئی آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں قیامت سے پہلے اس سے باہر نہیں آسکتے جس طرح دجال اکبر ایک جزیرہ میں محبوس اور مقید ہے اور اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ نزول میں اس کا اپنے جزیرہ سے خروج ہوگا اسی طرح یاجوج و ماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے محبوس ہیں ان کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا اس وقت یہ مفسد قوم دنیا پر خروج کرے گی اور دنیا میں اودھم مچائے گی بالآخر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی دعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مر جائے گی اور اس شان اور صفت اور اس طاقت کی کوئی قوم اب تک ظاہر نہیں ہوئی اور نہ اب تک کسی کو اس قوم کا پتہ لگ سکا ہے حسب وعدہ خداوندی قیامت کے قریب اس قوم کا ظہور اور خروج ہوگا۔ خروج دجال کے بعد قوم یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا۔ اور اس زمانہ کے بعض روشن خیال مصنف یہ خیال کرتے ہیں کہ یاجوج ماجوج سے یہی یا روس یا دوسری وحشی قومیں مراد ہیں جو منگولیا اور منچوریا یا کوریا کے قریب آباد ہیں یا وہ تاتاری اور چنگیز لوگ مراد ہیں جنہوں نے خلافت بغداد کو درہم برہم کیا یا وہ وحشی قومیں مراد ہیں جو قسطنطینیہ کے پہاڑوں کے قریب رہتی ہیں ان مصنفین کا خیال یہ ہے کہ پچھلے زمانہ میں ان وحشی اور درندہ صفت قوموں کو یاجوج و ماجوج کہا جاتا ہے مگر اب وہ تعلیم یافتہ اور متمدن ہوگئے ہیں اور اب وہ یاجوج و ماجوج نہیں رہے اور نہ وہ اب کسی دیوار کے پیچھے بند ہیں وہ آہنی دیوار یا تو ختم ہوگئی ہے یا ان یاجوج ماجوج نے اپنے خروج کے لیے کوئی دوسرا راستہ نکال لیا ہے اور اب یا تو وہ پامیر رستے سے گزر جاتے

ملکوں میں آ جا رہے ہیں یہ سب خرافات ہے، قرآن اور احادیث میں یاجوج ماجوج کی جن صفات کا ذکر ہے وہ صفات ان قوموں پر منطبق نہیں ہوتیں۔

از روئے قرآن و حدیث یاجوج ماجوج اس دیوار کے پیچھے بند ہیں وقت معین سے پہلے ہمارے ملکوں میں نہیں آ سکتے۔ اور جو وحشی ہمارے ملکوں میں آتے جاتے ہیں وہ اصل میں یاجوج ماجوج نہیں اور جو اصلی اور واقعی یاجوج ماجوج ہیں وہ دیوار کے پیچھے بند ہیں اور یہ متمدن جن کو یاجوج ماجوج خیال کرتے ہیں وہ یاجوج ماجوج نہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبر دی گئی ہے تاتاریوں اور روسیوں کو یاجوج ماجوج سمجھنا ایک خام خیال ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

مرزائے قادیان کا ہذیان

مرزائی یہ کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور جب ان کا خروج ہو چکا تو اس کے لیے مسیح کی آمد ضروری ہے اور وہ مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی ہے تھوڑی دیر کے لیے اگر قادیان کے اس ہذیان اور دروغ بے فروغ کی سماعت کو بادل ناخواستہ برداشت کر لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دفعۃً ہلاک ہو جائیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان کی گردنوں میں دفعتاً کوئی طاعونی کیڑا پیدا ہوگا جس سے سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور ایک ہی رات میں مر جائیں گے اور تمام دنیا متعفن اور بدبودار ہو جائے گی، اس وقت اللہ تعالیٰ بڑی بڑی گردن والے پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور بعد ازاں ایک بارش ہوگی جس سے زمین دھل جائے گی یہ مضمون بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے۔

مرزائی بتلائیں کہ اگر یاجوج ماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور مرزا صاحب مسیح موعود ہیں تو مرزا صاحب نے انگریز اور روس کے لیے کب بددعا کی اور کس شہر کے انگریز اور روسی لوگ مرزا صاحب کی بددعا سے ایک رات میں ہلاک ہوئے اور صبح ہوتے ہی سب کے سب مردہ پائے گئے اور کس مہینہ اور کس سال میں لمبی گردن والے پرندوں نے ان کی لاشوں کو کون سے سمندر میں لے جا کر ڈالا۔

مرزائے قادیان تو یاجوج ماجوج (عیسائی اقوام) کی عروج اور ترقی کے لیے دعا ہی کرتا ہوا مر گیا اور اپنے مریدوں کو ان کی وفاداری اور دعا کی وصیت کر گیا۔

---

[1] علامہ آلوسیؒ روح المعانی ص ۴۴ جلد ۱۶ میں لکھتے ہیں۔ ویعلم مما تقدم ومما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ بطلان ما یزعمہ بعض الناس من انھم التاتار الذین اکثروا الفساد فی البلاد وقتلوا الاخیار والاشرار، ولعمری ان ذلک الزعم من الضلالۃ بمکان، وان کان بین یاجوج وماجوج والتاتار مشابھۃ تامۃ لا تخفی علی الواقفین علی اخبارھما یکون ومما کان ابطال ما یزعمہ بعض الناس من انھم التاتار۔ انتہی۔

کیا کسی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مسیح زمان اور مہدی دوران یاجوج و ماجوج کے خروج اور بقا کیلئے دعا کرے گا اور اپنی اُمت کو ان کے لیے دعا کا حکم دے گا نیز مرزا قادیان کے نزدیک دجال سے اقبال قومیں مراد ہیں تو سوال یہ ہے کہ مرزائے قادیان جو مدعی مسیحیت ہے یہ بتلائے کہ اس نے اقبال قوموں میں سے کس دجال کو قتل کیا نزول مسیح کا اہم مقصد قتل دجال ہے۔ خود مرزا ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۰۰ میں لکھتا ہے قتل دجال عیسیٰ (دیکھو افادۃ الافہام ص ۵ جلد ۲) حیرت کا مقام ہے کہ مرزا اقبال قوموں کو دجال بتاتا ہے اور پھر انکے اقبال اور بقا کیلئے دعا کرتا ہے اور خوشامد میں مصروف ہے۔

تتمہ قصہ ذوالقرنین

وذکر انہدام دیوار ذوالقرنین وخروج یاجوج وماجوج ونفخ صور

قال اللہ تعالیٰ۔ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ ۔۔۔ الی ۔۔۔ لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۔

ارتباط: گذشتہ آیات میں ذوالقرنین کا یہ قول نقل فرمایا تھا۔ هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي ۖ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ کہ یہ دیوار اللہ کی رحمت اور اس کی نعمت ہے جو مدت دراز تک باقی رہے گی مگر جب خروج یاجوج و ماجوج کے وعدہ کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ یاجوج و ماجوج کی قوم جو اب اس سد کے پیچھے بند ہے نکل پڑے گی۔

اب آئندہ آیات میں خروج یاجوج و ماجوج کے وعدہ کا وقت ذکر فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت کے قریب پورا ہوگا اور اس کے چند روز بعد صور پھونک دیا جائے گا اور بساط عالم لپیٹ دی جائے گی۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیات میں ذوالقرنین کا قول نقل کیا کہ یہ دیوار اگرچہ کتنی ہی مضبوط اور مستحکم کیوں نہ ہو مگر فنا سے کوئی چیز محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اب حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نے جو کہا وہ ٹھیک کہا اور واقعی ایک روز ہم اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دیں گے اور یاجوج و ماجوج کا منہ کھول دیں گے اس روز جو حالت پیش آئے گی آئندہ آیت میں اس کا ذکر ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب اس آہنی دیوار کا انہدام اور یاجوج و ماجوج کے خروج کا وقت موعود آئے گا اور حسب وعدہ یہ مفسد قوم اس دیوار کو توڑ کر نکل پڑے گی تو اس روز ہم اس مفسد قوم کو ایسی حالت میں کر چھوڑ دیں گے کہ وہ کثرت ازدحام سے ایک دوسرے میں خلط ملط اور گڈمڈ ہو جائیں گے۔

یعنی اس دیوار کے منہدم ہوتے ہی اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور ٹڈی دل کی طرح امنڈ پڑیں گے اور ایک دوسرے میں گھس پڑیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت ہے کہ یہ دیوار بن گئی اور یہ روک قائم ہو گئی۔ اسی کی رحمت سے یہ دیوار اور روک ایک میعاد معین تک قائم رہے گی۔

البتہ قیامت کے قریب جب خروج یاجوج و ماجوج کے مقدر کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ روک ہٹا دی جائے گی اور یاجوج و ماجوج دنیا میں پھیل پڑیں گے اور قتل و غارت کریں گے اور دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی۔

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں دست دعا دراز کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو ایک وبا سے ہلاک کردے گا جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے اور ان کے اس خروج اور اضطراب کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا۔

حتیٰ کہ اول بار صور پھونکا جائے گا جس سے سارا عالم فنا ہو جائے گا پھر چالیس سال بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے پھر ہم سب کو یک ایک کر کے میدان حشر میں حساب کتاب کے لیے جمع کریں گے کہ کوئی باقی نہ رہے گا اور اس روز حساب و کتاب اور فیصلے سے پہلے دوزخ کو کافروں کے روبرو کر دیں گے۔ تاکہ داخل ہونے سے پہلے اس کو دیکھ لیں کہ وہ کیسی ہے اور جان لیں کہ یہی وہ جہنم ہے جس کو ہم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اور اب ان کو اسی میں داخل ہونا ہے اور یہ کافر جن کی آنکھوں کے سامنے دوزخ کر دی جائے گی وہ لوگ ہیں کہ جن کی آنکھیں دنیا میں ہماری یاد سے پردہ میں تھیں یعنی ہماری آیات قدرت کے دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے تھے کہ حق کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور بہرے بھی بنے ہوئے تھے کہ بغض اور عداوت کی وجہ سے حق کو سن بھی نہ سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسا گروہ سوائے جہنم کے اور کس لائق ہے اور آیت میں آنکھ اور کان سے عقل کی آنکھ اور کان مراد ہیں یعنی آنکھ اور کان دل کے ہیں اور سر کے آنکھ اور کان اس کے تابع ہیں۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي

اب کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو

مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

میرے سوا حمایتی۔ ہم نے رکھی ہے دوزخ

لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾

منکروں کی مہمانی۔ تو کہہ ہم بتائیں تم کو کن کے کیے بہت اکارت۔

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ

جن کی دوڑ بھٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں کہ

أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ

خوب بناتے ہیں کام۔ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے

رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ

رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے سو اکارت گئے ان کے کیے، پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان

الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَ

کے واسطے قیامت کے دن تول۔ یہ بدلہ ہے ان کا دوزخ اس پر کہ منکر ہوئے

اتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

اور ٹھہرائیں میری باتیں اور میرے رسول ٹھٹھا۔ جو لوگ یقین لائے ہیں

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

اور کیے ہیں بھلے کام ان کو ہیں ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی۔

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَوْ كَانَ

سدا رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی۔ تو کہہ اگر دریا

الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ

سیاہی ہو کر لکھے میرے رب کی باتیں بیشک دریا خرچ ہو چکے ابھی

تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ

نہ پوری ہوں میرے رب کی باتیں، اور اگر دوسرا بھی لائیں ہم ویسا اس کی مدد کو۔ تو کہہ

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ

میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ تمہارا حاکم ایک حاکم

وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا

ہے۔ پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے، سو کرے کچھ کام

صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝۱۱۰

نیک اور ساجھا نہ رکھے اپنے رب کی بندگی میں کسی کا۔

خاتمۂ سورت بر توحید و رسالت و تذکیر آخرت

قال اللہ تعالیٰ: اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔

(ربط) سورت کا آغاز توحید اور رسالت اور تذکیر آخرت سے ہوا تھا اب سورت کو انہی مضامین پر ختم کرتے ہیں اور جن لوگوں نے از راہ تمرد و سرکشی احکام خداوندی کے قبول کرنے سے اعراض کیا تھا ان پر تہدید فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدا کے بیشمار علوم پر مشتمل ہے اور اخیر میں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مجھے خدا نہ سمجھ لینا میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں خدا اور فرشتہ نہیں مگر خدا تعالیٰ کا رسول برحق ہوں۔ صاحب وحی ہوں احکام شریعت میں میری اطاعت کرو مگر خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں ظاہراً اور باطناً ذرہ برابر کسی کو شریک نہ کرو اس لیے کہ اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے سمندروں کی بھی ایک حد ہے مگر اللہ کے کلمات اور اس کے علوم کی کوئی حد نہیں اور بندوں کو جو علم دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل ہے۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ لہٰذا کسی توریت اور انجیل کے عالم کو اپنے علم پر غرہ اور ناز کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا پھر ان کافروں نے یہ گمان کیا ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنا لیں مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے فرشتوں کو اور مسیح اور عزیر کو اپنا کارساز ٹھہرا لیا ہے۔ کیا ان کا گمان یہ ہے کہ ان کو کچھ نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت اور شفاعت کریں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ قیامت کے دن تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے خوب سمجھ لیں کہ تحقیق ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لیے تیار کیا ہے وہاں پہنچتے ہی طرح طرح کے عذاب سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو خبر دوں ان لوگوں کی جو باعتبار اعمال کے خسارہ اور گھاٹے میں ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی میں تمام کی کرائی محنت اور جد و جہد بیکار گئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافر بہت سے اعمال اپنے گمان میں اچھے سمجھ کر کرتے رہے ہیں اور یہ سمجھتے رہے کہ ہم کو ہمارے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔ مگر ان کا یہ گمان غلط ہے کفر کی نحوست سے وہاں سب اعمال بے کار ثابت ہوں گے اور ان کی دنیاوی زندگی کی تمام محنت اکارت جائے گی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔ یعنی دلائل توحید کا انکار کیا اور قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا یعنی قیامت اور دار آخرت کا انکار کیا اور اگر کچھ مانا بھی تو شریعت کی ہدایت اور منشاء کے مطابق نہ مانا۔ اور اپنے زعم اور خیال کے مطابق

تحقیق جو لوگ ہماری آیتوں اور ہمارے رسولوں پر ایمان لائے اور شریعت کے مطابق انہوں نے نیک کام کیے تو ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی ان کو نکالے گا اور نہ وہاں سے اکتا کر جگہ بدلنا چاہیں گے۔ بعض مرتبہ انسان ایک جگہ طویل قیام سے اکتا جاتا ہے ان لوگوں کو ہر دم تازہ نعمتیں ملیں گی اس لیے کبھی اس بات کی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے علوم کا غیر محدود اور لامتناہی ہونا بیان کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے اگر سمندر میرے پروردگار کے علم و حکمت کی باتوں کے لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو میرے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ یعنی خدا تعالیٰ کے کلمات حکمت لکھنے کے لیے سمندر بھی کافی نہیں۔ اگرچہ ہم ویسا ہی سمندر اور اس کی مدد کے لیے اور لے آئیں۔ سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں گے مگر حق تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات حکمت غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کو نہیں لکھ سکتا۔

شان نزول

یہود نے ایک مرتبہ مسلمانوں سے کہا کہ تم قرآن میں پڑھتے ہو وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو حکمت دی گئی تو اس کو خیر کثیر دی گئی پھر تم یہ بھی پڑھتے ہو وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا یعنی تم کو جو علم دیا گیا وہ قلیل ہے یہ دونوں باتیں جمع کیسے ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ خود اس بات کے مقر ہیں کہ ہم کو توریت دی گئی جو کتاب حکمت ہے اور حکمت خیر کثیر ہے تو پھر یہ کیسے کہا گیا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ توریت اگرچہ خیر کثیر ہے لیکن اللہ کے کلمات حکمت کے مقابلہ میں قلیل ہے تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کے سامنے ایک قطرہ ہے بلکہ یہ بھی نہیں اللہ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے اور مخلوق کا علم حادث اور متناہی ہے۔

علم ہا از بحر علمش قطرہ　　ایں چوں خورشید است وآنہا ذرہ
گر کسے در علم صد لقمان بود　　پیش علم کاملش نادان بود

اور سنئے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا آدمی ہوں فرشتہ نہیں اور غیب سے واقف نہیں البتہ اللہ کا نبی ہوں اللہ کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے اور تمہارے سوال پر جو میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بیان کیا سو اللہ نے مجھ کو بذریعہ وحی کے اس پر مطلع کیا منجملہ دلائل نبوت۔ یہ بھی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ اور شرک سے توبہ کرو اللہ کی طرف سے میرے پاس یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں جس طرح تم اس کے بندے ہو میں بھی اس کا بندہ ہوں۔ عبدیت اور بشریت میں تمہارے ساتھ شریک ہوں مگر نبوت اور رسالت کے اعتبار سے سب سے بلند اور برتر ہوں حتیٰ کہ جبرائیل اور میکائیل بھی میرے وزیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا ہے ظاہری طور پر میں تمہاری طرح بشر ہوں اور مخلوق ہوں مگر باطنی طور پر متخلق باخلاق الٰہی ہوں اور اعلائے بشری سے

خارج ہوں۔ نصاریٰ کی طرح میری توصیف میں مبالغہ مت کرو کہ مقام نبوت کو مقام الوہیت کے ساتھ ملادو خدا خدا ہے میں اس کا بندہ ہوں خدا تم صرف اسی کو پوجو اور مجھ کو صرف اس کا نبی مانو میں تم کو اس کا حکم سناتا ہوں سو جس شخص کو اپنے پروردگار سے ملنے کی توقع اور امید ہو اور اس کی رضا اور خوشنودی اس کو مقصود ہو تو اس کو چاہئے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور اس کی شریعت کے مطابق کچھ نیک کام کرے جن سے صرف خدا تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے خواہ وہ شرک کتنا ہی صغیر اور خفی کیوں نہ ہو۔ حتی الوسع ہر قسم کے شرک سے بچتا رہے ظاہراً اور باطناً کسی درجہ میں بھی کسی کو اللہ کی عبادت میں شریک نہ کرے اور کوئی عمل کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے نمائش سے نہ کرے اس لیے کہ ریا چھوٹا شرک ہے اور عمل کو غارت اور تباہ کرنے والا ہے۔

کلید در دوزخ است آں نماز ۔۔۔ کہ در چشم مردم گذاری دراز

شرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرک جلی اور ایک شرک خفی۔ شرک جلی یہ ہے کہ کوئی خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات اور عبادت میں کسی کو شریک کرے اور شرک خفی یہ ہے کہ ریا اور شہرت کے لیے کام کرے اور بعض مرتبہ وہ شرک اس قدر خفی ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں کرہ صفا پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے اور جو کام خالص اللہ کے لیے ہو اور غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو وہ اخلاص ہے۔

چیست اخلاص آنکہ از غیر خدا ۔۔۔ فرد آئی در عبادت در دعا

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

عبادت باخلاص نیت نکوست ۔۔۔ وگرنہ چہ آید زبے مغز پوست
چہ زنار مغ در میانت چہ دلق ۔۔۔ کہ در پوشی از بہر پندار خلق
بروئے ریا خرقہ سہل است دوخت ۔۔۔ گرش باخدا در توانی فروخت

اللّٰھم انی اعوذبک من ان اشرک بک شیئا وانا اعلم بہ واستغفرک
ولاحول ولاقوۃ الا باللہ ——— نعوذ باللہ من الریاء فی العمل
ونعتصم بہ من وقوع الزلل ——— آمین یا رب العلمین

الحمد للہ آج بتاریخ ۹ ذوالحجہ الحرام ۱۳۸۹ھ یوم پنجشنبہ قبل از مغرب سورۂ کہف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فللہ الحمد اولاً و آخراً ظاہراً و باطناً وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معہم یا ارحم الراحمین ویا اکرم الاکرمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ مریم (علیہا السلام)

یہ سورۃ مکی ہے اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں اور اس سورۃ کا نام سورۃ مریم ہے چونکہ اس سورۃ میں حضرت مریم صدیقہؑ کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس لیے یہ سورت انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب صحابہ ہجرت کر کے حبشہ گئے اور شاہ نجاشی سے ملے تو بادشاہ نے جعفرؓ بن ابی طالب سے کہا کہ تمہارا رسول جو کچھ لایا ہے اس میں سے جو تمہارے پاس ہے مجھے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے اس سورت کی شروع کی آیتیں پڑھیں نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی اور اساقفہ یعنی علماء اہل کتاب اس قدر روئے کہ ان کے سامنے جو کتابیں تھیں وہ بھیگ گئیں، نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ پیغام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک ہی مشکوٰۃ کے نور ہیں۔

(رواہ احمد والبیہقی وابن ابی حاتم)

نجاشی صدق دل سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور جب اس کا انتقال ہو گیا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور بعض روایات میں ہے کہ عرصہ تک اس کی قبر پر نور دیکھا گیا۔

فائدہ متعلقہ بہ نماز جنازہ غائبانہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے سوائے نجاشی کے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہو۔ یہ نجاشی کی خصوصیت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بطور معجزہ نجاشی کا جنازہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ عمرانؓ بن حصینؓ کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔[1]

---

[1] عن عمران بن حصینؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا صلوا علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفوا خلفہ فکبر اربعا وھم لا یظنون الا ان جنازتہ بین یدیہ رواہ ابن حبان کذا فی نصب الرایۃ وفی روایۃ فصلینا خلفہ ونحن لا نری الا ان الجنازۃ قدامنا۔ کذا فی فتح الباری صفحہ ۱۸۸ ج ۳

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔

ارتباط: گزشتہ سورت میں عجیب عجیب واقعات کا ذکر تھا اس سورت میں بھی عجیب عجیب واقعات کا ذکر ہے۔ اس سورت میں سب سے پہلے حضرت زکریاؑ کی دعا اور حضرت یحییٰؑ کی ولادت کا قصہ ذکر فرمایا اس کے بعد دیگر انبیاء کرامؑ کے واقعات ذکر کیے جن سے توحید اور رسالت اور معاد کا اثبات مقصود ہے اور یہ بتانا ہے کہ دیکھو کہ خدا پرستوں پر دنیا میں کیسی کیسی رحمتیں اور کیسی کیسی نعمتیں مبذول ہوئیں اور کس طرح حق تعالیٰ نے اپنے فضل اور وعدہ اور بندوں کی دستگیری فرمائی اور آخرت کی نعمتیں تو وہم و گمان اور تصور سے بالا اور برتر ہیں، دیکھو کہ خدا کے مخلص بندے کیسے ہوتے ہیں ان کے نقش قدم پر چلو۔

اٰیَاتُهَا ۹۸ ۔ ۱۹ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۴۴ ۔ رُكُوْعَاتُهَا ۶

سورۃ مریم مکی ہے اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝١ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢ اِذْ

یہ مذکور ہے تیرے رب کی مہر کا اپنے بندے زکریا پر۔ جب

نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ

پکارا اپنے رب کو چھپی پکار۔ بولا اے رب میرے! بوڑھی ہو گئیں

مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ

ہڈیاں اور شعلہ نکلا سر سے بڑھاپے کا اور تجھ سے مانگ کر اے رب!

شَقِيًّا ۝٤ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ

میں محروم نہیں رہا۔ اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے اور عورت

امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝٥ يَّرِثُنِيْ وَ

میری بانجھ ہے! سو بخش مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانے والا۔ جو میری جگہ

يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾

بیٹے اور یعقوب کی اولاد کے اور کر اس کو اے رب ! من مانتا ۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ

اے زکریا ہم تجھ کو خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ۔ نہیں کیا ہم نے

لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ

پہلے اس نام کا کوئی ! بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا

وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ

اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا یہاں تک کہ

عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ

اکڑ گیا ۔ کہا یوں ہی ! فرمایا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور

خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ

تجھ کو بنایا میں نے پہلے سے ، اور تو نہ تھا کچھ چیز ۔ بولا اے رب

اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ

ٹھہرا دے مجھ کو کچھ نشانی ، فرمایا تیری نشانی یہ کہ بات نہ کرے تو لوگوں سے تین

لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى

رات تک چنگا بھلا ۔ پھر نکلا اپنے لوگوں پاس حجرے سے تو اشارہ سے

اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِـيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ

کہا ان کو کہ یاد کرو صبح و شام ۔ اے یحییٰ اٹھا لے

الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا

کتاب زور سے ، اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکپن میں ۔ اور شوق دیا

مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ

اپنی طرف سے اور ستھرائی۔ اور تھا پرہیزگار۔ اور نیکی کرتا اپنے ماں باپ

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ

سے اور نہ تھا زبردست بے حکم۔ اور سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا

وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝

اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو جی کر۔

قصۂ اول حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہما السلام

قال تعالیٰ: كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ... الیٰ ... وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝

(ربط) حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ نجار (بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر کھاتے تھے ان کے کوئی فرزند نہ تھا اور اعزہ و اقارب کی طرف سے یہ کھٹکا تھا کہ میرے بعد دین حق میں تغیر و تبدل کر ڈالیں گے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوتا رہا۔ اس لیے انہوں نے پچھلی رات میں نہایت عجز و زاری کے ساتھ ایک فرزند کی دعا مانگی کہ جو میرے بعد تیرے دین کی حفاظت کرسکے اور دعا کا آغاز اپنے ضعف اور ناتوانی سے کیا۔ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ: اے میرے پروردگار میں بوڑھا ہوگیا۔ ہڈیاں کمزور ہو گئیں۔ اور سر کے بال سپید ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ کیونکہ بارگاہ خداوندی میں ضعف اور لاچارگی کا اظہار اجابت دعا کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ كٓهٰيٰعٓصٓ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کے معنی معلوم ہیں۔ یہ تذکرہ ہے تیرے پروردگار کی خاص رحمت و عنایت کا اپنے خاص بندے زکریا پر جس وقت کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آواز کے ساتھ پکارا۔ جو دردمندی اور نیاز مندی اور اخلاص سے معمور تھی۔ اس وقت جو اللہ کی خاص رحمت اور عنایت ان پر مبذول ہوئی ان آیات میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور پست آواز سے دعا اس لیے فرمائی کہ دعا کا ادب یہی ہے کہ وہ پست آواز سے ہو۔

كما قال تعالیٰ: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک جہر اور اخفاء سب برابر ہیں۔ كما قال تعالیٰ: وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى اور شاید لوگوں سے اس دعا کو چھپانا مقصود ہو کہ لوگ یہ دعا سن کر مجھ کو احمق نہ بتلائیں کہ بڑھاپے میں کیا ہوگیا کہ اولاد کی دعا مانگ رہے ہیں اور وہ دعا یہ کی کہ اے میرے پروردگار بڑھاپے کی وجہ سے میری ہڈیاں کمزور اور سست

ہو گئیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے آگ کی طرح چمک رہا اور میری یہ حالت اگرچہ اولاد کی دعا سے مانع ہے مگر اے پروردگار آپ سے دعا مانگنے میں کبھی محروم اور بے بہرہ نہیں رہا۔ آپ کی یہ گزشتہ الطاف و عنایات باوجود ظاہری اسباب کے فقدان کے مجھے دعا پر آمادہ کرتی ہیں اور میری یہ دعا کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں جس میں یہ امکان اور احتمال ہو کہ انبیاء اور اصفیاء کی جو دعا کسی دنیاوی غرض کے لیے ہو وہ بعض مرتبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ میری یہ دعا خالص دینی غرض کے لیے ہے اور اس درخواست کی اصل وجہ یہ ہے کہ تحقیق میں اپنے مرنے کے بعد اپنے وارثوں اور رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں کہ وہ دین کی حفاظت میں اور اس کے قائم رکھنے میں سستی کریں یا دنیا میں پھنس کر دین کو خراب کریں اور تیری مرضی کے مطابق دین کی خدمت بجا لا سکیں اے پروردگار تیرے دین کی خدمت اور حفاظت کا خیال مجھے اسی دعا پر آمادہ کر رہا ہے اور میری بیوی تو شروع جوانی ہی سے بانجھ ہے اور اب تو نناوے برس کی بڑھیا ہے لہٰذا اسباب میں اولاد کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ پس اے پروردگار ایسی حالت میں تو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے بلا اسباب عادیہ کے ایک ایسا وارث یعنی ایسا بیٹا عطا کر جو علم و حکمت میں میرا بھی وارث ہو اور مرنے کے بعد میرا قائم مقام ہو اور میرے طریقہ ہدایت و ارشاد کو جاری رکھ سکے اور اولاد یعقوب کا بھی وارث ہو یعنی خاندان یعقوب کا سچا جانشین ہو اور تیرے دین کا پاسبان اور نگہبان ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار ایسا فرزند عطا فرما جو میرے علم کا اور آباء و اجداد کے علم کا وارث ہو اور اے پروردگار میرے اس فرزند کو مقبول اور پسندیدہ بنالے۔ جس سے تو بھی راضی ہو اور مخلوق بھی اس سے راضی ہو یعنی ایسا فرزند عطا فرما کہ جو علم و حکمت کے ساتھ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کے ساتھ بھی موصوف ہو تاکہ وہ تیرے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہو سکے۔ اور اولاد یعقوب کیلئے تو نے جس کرامت اور برکت کا وعدہ کیا ہے وہ اس کا وارث ہو سکے۔ اے پروردگار اہل دنیا کی طرح مطلق فرزند کا طلب گار نہیں بلکہ ایسے وارث کا آرزومند ہوں جو تیرے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ ہو اور تیرے دین کی حفاظت کرے۔

شیعہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری ہوتی ہے مگر ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں بلکہ علم و حکمت کی وراثت مراد ہے۔

۱۔ کیونکہ اس وقت یعقوب علیہ السلام کی اولاد لاکھوں کی تعداد میں موجود تھی۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت زکریا کے ایک فرزند تن تنہا تمام اولاد یعقوب کے اموال و املاک کے وارث بن جائیں۔ حضرت یعقوب کو انتقال کیے ہوئے دو ہزار برس سے زیادہ گزر چکے تھے۔ کیا وہ مال اب تک بجنسہ غیر منقسم رکھا ہوا تھا۔

۲۔ نیز مال کی وراثت کی دعا کرنا فضول ہے ہر لڑکا اپنے باپ کے مال کا وارث ہوتا ہی ہے لہٰذا

یَرِثُنِیْ کہنا بے کار اور لغو ہو، معلوم ہوا کہ مال کی وراثت مراد نہیں۔

۳۔ نیز حضرت زکریاؑ تو نجار تھے جیسا کہ حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ وہ بڑھئی کا کام کرتے تھے جس سے وہ محنت کرکے روزانہ اپنی قوت لایموت حاصل کرتے تھے۔ ان کے پاس کون سا مال و دولت رکھا تھا جس کی وہ فکر میں تھے کہ میرے بعد اس دولت کا کون وارث ہوگا۔ یہ فکر تو دنیاداروں کو ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد میرے مال کا کیا ہوگا۔

۴۔ مال کے وارث ہونے کے لیے اللہ سے بیٹا مانگنا شانِ نبوت کے بالکل منافی ہے مالی وراثت کی فکر تو دنیاداروں کو ہوتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارا مال و دولت فرزند کو مل جائے۔ اور اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ کمال بیقراری و بے تابی پر دلالت کرتا ہے کہ تولدِ فرزند کے لیے اس لیے بیتاب ہیں کہ کہیں اعمام ان کے مال کے وارث نہ ہو جائیں یہ شان تو دنیاداروں کی ہے نہ کہ انبیاء کی۔

۵۔ نیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ انبیاء کرام جو چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ اور وقف ہوتا ہے اور اس قسم کی روایت شیعوں کی کتب میں بھی موجود ہے۔

پس معلوم ہوا کہ آیت میں میراثِ نبوت مراد ہے مال کی وراثت مراد نہیں جیسا کہ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ میں میراث سے میراثِ نبوت مراد ہے کہ داؤد کی اولاد میں سے صرف سلیمان علیہ السلام کو ملی کیونکہ اگر میراث مالی مراد ہوتی تو تمام اولاد میں سے سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت تھی۔ نیز اس خبر دینے سے کوئی فائدہ نہ ہوتا اس لیے کہ تمام مذہبوں اور شریعتوں میں یہ بات معلوم اور مقرر ہے کہ مال میں بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہے پس اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو اس خبر دینے کی ضرورت نہ تھی اس کی خبر دینا لغو ہے اور کلام الٰہی لغو سے پاک ہے۔

وراثتِ انبیاء کے مسئلہ کی تفصیل سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے اور لفظ وراثت اور میراث، مالی وراثت کے ساتھ مخصوص نہیں، کتاب و سنت میں میراث علمی پر بھی اس لفظ کا اطلاق بکثرت آیا ہے۔ جیسے آیت فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ اور آیت ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا میں وراثتِ علمی مراد ہے۔ وراثت کے اصلی معنی قائم مقام اور قبضہ ہونے کے ہیں اور اس کے لیے مال لازم نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۔ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ۔ اس آیت میں میراث مالی کا مراد لینا ناممکن اور محال ہے بلکہ تسلط اور تصرف کے معنی مراد ہیں۔

حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا جس کا مطلب یہ ہے کہ پھر ہم نے وارث بنایا اپنی کتاب کا ان بندوں کو جن کو ہم نے چھانٹ لیا۔ اس جگہ وراثت مالی کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یہاں بھی وراثتِ کتاب سے علم کتاب کی وراثت مراد ہے۔ نیز اول آیت میں بعد عبادنا کے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۱۲

وارد ہے اور دوسری آیت میں بعد کتاب کے یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنٰی وارد ہوا ہے۔ سو فَمِنْهُمْ کی تفریع سے ظاہر ہے کہ عطائے کتاب کے بعد لوگ تین حال پر ہوگئے کوئی ظالم رہا اور کوئی مقتصد اور کوئی "سابق" بالخیر۔

سو یہ تفرقہ کتاب کی وراثت میں ہے نہ کہ اوراق کتاب اور اس کی قیمت پر۔ شیعوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ لفظ "وراثت" دراصل وراثت مال کے لیے وضع ہوا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ وراثت کا اطلاق وراثت علم اور وراثت منصب اور وراثت قوت اور وراثت خلافت یعنی قائم مقامی و تسلط سب پر شائع اور ذائع ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا اس کتاب میں بنی اسرائیل کا قوم فرعون کا وارث ہونا یعنی ان کے ہلاک اور غرقابی کے بعد ان کا قائم مقام ہونا مراد ہے۔ مال وراثت مراد نہیں مسلمان کو کافر کا وارث نہیں ہوتا اور علی ہذا القیاس اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ یہاں وراثت ارض سے ان کا قائم مقام بنانا مراد ہے اور تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا سو اس آیت میں جنت کی وراثت سے قائم مقام ہونے کے معنی مراد نہیں بلکہ اہل ایمان کو حاوی اور مسلط کر دینے کے معنی مراد ہیں۔ اور حدیث العلماء ورثة الانبياء شیعوں کے نزدیک بھی مسلم ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وراثت سے علم اور حکمت کی وراثت مراد ہے اور علی ہذا وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ میں۔ علم و نبوت اور کمالات نفسانی کی وراثت مراد ہے۔

وراثت مالی مراد نہیں کیونکہ باجماع اہل تاریخ داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے۔ سب کے سب باپ کے وارث ہوتے۔ سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت کہ جو خاص ان کی وراثت کا ذکر فرمایا۔ وہ وراثت علم و نبوت ہے جس میں ان کے دوسرے بھائی شریک نہ تھے۔

حق تعالیٰ نے بواسطہ فرشتہ کے فرمایا اے زکریا ہم نے تمہاری دعا قبول کی ہم تم کو ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے کوئی ان کا ہمنام یا ہم صفت نہیں پیدا کیا۔ یعنی اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی کا نہیں رکھا یا یہ معنی ہیں کہ اس سے پہلے ہم نے اس صفت اور شان کا نہیں بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ صفت عفت اور پاکدامنی اور نزاہت میں ان کا مثل نہیں بنایا یعنی ان کی طبیعت کو عورتوں کی طرف نفسانی اور طبعی میلان سے پاک کر دیا۔

زکریا علیہ السلام نے جب یہ عظیم بشارت سنی تو فرط مسرت سے بطور تعجب عرض کیا اے میرے پروردگار میرے کہاں سے لڑکا پیدا ہوگا۔ کیا میں جوان بنا دیا جاؤں گا۔ یا اسی بڑھاپے کی حالت میں بچہ ہوگا۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے جب یہ عظیم بشارت ملی تو فرط مسرت سے مزید طمانیت کے لیے اور استلذاذ کے طور پر اس کے متعلق سوالات شروع کیے کہ کیسے ہوگا۔ اور کس طرح ہوگا۔ اور میری عورت تو شروع ہی سے بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ معلوم نہیں کہ بحالت موجودہ کس

نے آپ کو کھیلنے کے لئے بلایا، تو آپ نے یہ کہا کہ ہم کھیل کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حکم سے علم اور وقار اور سکون کے معنی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو ہم نے بچپن ہی سے علم و حکمت عطا کیا تھا، تاکہ وہ احکام شریعت کو خوب سمجھیں، یہ ایک صفت ہوئی۔ اور دوسری صفت یحییٰؑ کو یہ عطا ہوئی کہ ہم نے اپنے پاس سے ان کو شفقت اور نرم دلی عطا کی تھی یعنی خلق اللہ پر رقیق القلب تھے، لوگوں پر شفقت فرماتے اور جب نماز پڑھتے تو زار و قطار روتے اور تیسری صفت ان کو یہ عطا کی کہ ان کو پاکیزگی اور پاک دلی عطا کی۔ زکوٰۃ سے طہارت قلب مراد ہے کہ دل گناہوں کے میلان سے پاک ہو جائے اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے عمل صالح مراد ہے۔ اور چوتھی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ طبعی اور جبلی طور پر پرہیزگار تھے خوف خداوندی کبھی ان کے دل سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اور پانچویں صفت ان کی یہ تھی کہ وہ اپنے والدین کے بڑے خدمت گزار تھے۔ اللہ پاک کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی طاعت نہیں کما قال تعالیٰ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور چھٹی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ یعنی تکبر اور نافرمانی کے شائبہ سے بھی پاک تھے۔ اور ساتویں صفت جو ان کو عطا ہوئی وہ یہ تھی کہ ان پر اللہ کا سلام ہے۔ اور اس کی سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن اٹھایا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں حالتوں میں اللہ کی حفاظت میں محفوظ و مامون رہیں گے۔ اللہ کا سلام حضرت یحییٰؑ کے تینوں حالات حیات کو محیط ہے۔ جو ان کی فضیلت کی خاص دلیل ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ پر تین سلام ذکر فرمائے، پہلا سلام تو سلام تہنیت ہے اور دوسرا سلام، سلام عصمت ہے۔ اور تیسرا سلام، سلام فضل و مشاہدہ ہے۔

تتمہ یحییٰ علیہ السلام بالاتفاق شہید ہوئے۔ یہود نے ان کو قتل کیا اور زکریا علیہ السلام کی وفات کے بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ طبعی موت سے مرے، یا وہ بھی شہید ہوئے۔ وہبؒ کی ایک روایت میں ہے کہ یہود نے جب یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو زکریا علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی قتل کریں۔ زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو بھاگے۔ اور ایک درخت کے شگاف میں داخل ہو گئے۔ یہود نے آکر اس درخت پر آرا چلا دیا اور درخت کے ساتھ ان کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ زکریا علیہ السلام نے صبر کیا اور اُف تک نہ کی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲/۵۱)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ

اور ذکر کر کتاب میں مریم کا، جب کنارے ہوئی اپنے

اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ

لوگوں سے ایک شرقی مکان میں۔ پھر پکڑ لیا ان سے

دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۪ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا

اور سے ایک پردہ - پھر بھیجا ہم نے اس پاس اپنا فرشتہ

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ

پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا - بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ

مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ

تجھ سے اگر تو ڈر رکھتا ہے - بولا میں تو بھیجا ہوں تیرے رب کا

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ

کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا - بولی کہاں سے ہو گا میرے لڑکا

وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ

اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہ تھی - بولا یونہی فرمایا

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ

تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور اس کو ہم کیا چاہیں لوگوں کو نشانی اور

رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ

مہر اپنی طرف سے - اور ہے یہ کام ٹھہر چکا - پھر پیٹ میں لیا اس کو پھر کنارہ ہوئی

بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ

ہوئی اس کو لے کر ایک پرے مکان میں - پھر لے آیا اس کو جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ

النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا

میں - بولی کسی طرح میں مر چکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی

مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ

بھولی بسری - پھر آواز دی اس کو اس کے نیچے سے کہ غم نہ کھا کر دیا تیرے رب نے

رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ

رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ ۔ اور ہلا اپنی طرف سے کھجور کی جڑ اس

تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي

سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں ۔ اب کھا اور پی اور آنکھ

عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ

ٹھنڈی رکھ ۔ سو کبھی تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو میں نے مانا ہے

لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَأَتَتْ

رحمٰن کا ایک روزہ سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے ۔ پھر لائی

بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا

اس کو اپنے لوگوں پاس گود میں ۔ بولے، اے مریم! تو نے کی یہ چیز

فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَ

طوفان ۔ اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور

مَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ

نہ تھی تیری ماں بدکار ۔ پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو، بولے ہم کیونکر

نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ

بات کریں اس شخص سے کہ وہ ہے گود میں لڑکا ۔ وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا

آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ

مجھ کو اس نے کتاب دی اور مجھ کو نبی کیا ۔ اور بنایا مجھ کو برکت والا جس

مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ

جگہ میں ہوں ۔ اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں

حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾

جیتا۔ اور سلوک والا اپنی ماں سے اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بدبخت۔

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ

اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن

اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾

کھڑا ہو کر جی کر۔

قصۂ دوم حضرت عیسٰی و مریم علیہما السلام

قال تعالیٰ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ... الیٰ ... وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا۔

ربط: حق تعالیٰ نے گزشتہ رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ بحالت پیری ایک پیر فرتوت اور ایک بانجھ اور بوڑھی بیوی سے بطور عجیب خارق عادت ایک مبارک فرزند یعنی یحییٰ علیہ السلام کا تولد ہوا۔ اب اس سے زیادہ عجیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ اس لیے کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونا اگرچہ عجیب ہے مگر والدین سے بچہ کا پیدا ہونا عادۃً قریب الی العقل ہے اور بغیر باپ کے محض ماں سے بچہ پیدا ہونا بہت ہی عجیب و غریب ہے جو اللہ کی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے کہ حق تعالیٰ بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا کرنے پر قادر ہے ولادت خواہ کسی طرح ہو وہ کسی مادہ اور طبیعت کے اقتضاء پر موقوف نہیں صرف اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے جس طرح چاہے پیدا کرے اور کوئی مولود معبود نہیں ہو سکتا۔ حق جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کی تردید اور اصلاح کے لیے بیان فرمایا اس لیے کہ یہود تو حضرت مسیح ابن مریم کو معاذ اللہ ولد الزنا سمجھتے تھے اور نصاریٰ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ولادت کی مفصل کیفیت بیان کی تاکہ خوب واضح ہو جائے کہ یہ مولود مسعود اللہ کی قدرت اور اس کی رحمت کی نشانی ہے۔ معاذ اللہ ولد الزنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مولود مسعود کو خلاف عادت محض اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مبارک مولود قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے معبود نہیں چنانچہ اس مولود مسعود نے پیدا ہونے کے بعد جو پہلا کلام کیا سب سے پہلے اپنی عبدیت کا اقرار کیا۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ اور اس کے بعد اپنی صفات بیان کیں جن میں اپنی نبوت کا اور اپنی برکت کا اور اپنی عبادت کا یعنی نماز اور زکوٰۃ کا اور اپنی تواضع اور اطاعت کا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوپر سلامتی کا ذکر فرمایا تاکہ سننے والے سن لیں کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور جو لوگ مجھے بے باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ سب غلط ہے، ولادت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ من جانب اللہ عزت اور کرامت کی دلیل ہے۔ اور پھر شیر خوارگی کی حالت میں اپنے معجزانہ کلام کو وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا پر ختم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام آفتوں اور عیبوں سے سلامتی عطا فرمائی ہے۔ یہی اس کی دلیل ہے کہ معاذ اللہ حضرت مسیح بن مریمؑ خدا نہیں کیونکہ خدا کو کسی کی سلامتی کی ضرورت نہیں بلکہ خدا ولادت اور موت اور بعث سے پاک اور منزہ ہے۔ اور ان تین وقتوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ یہ تین وقت انسان پر بہت سخت اور نازک ہیں۔ ان تین وقتوں میں انسان اللہ کی سلامتی کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب یعنی قرآن کے اس خاص حصہ یعنی اس سورت میں مریم کا قصہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیے۔ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے مکان میں گئیں جو مشرق کی جانب تھا غسل کے لیے گئیں۔ سو اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا تاکہ اس پردہ کی آڑ میں غسل کر سکیں اور کوئی اس پردہ کے اندر نہ آسکے۔ پس جب غسل کر چکیں اور کپڑے پہن لیے تو اس وقت ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ یعنی جبریل امینؑ کو بھیجا۔ پس وہ پورا آدمی بن کر مریم کے سامنے نمودار ہوا۔ یعنی حضرت جبریل ایک نہایت حسین وجمیل اور خوبصورت نوجوان کی صورت میں مریم کے سامنے ظاہر ہوئے آدمی کی صورت میں اس لیے نظر آئے تاکہ مریمؑ ان کو دیکھ کر ڈرے نہیں اور ان کا کلام سنیں اگر فرشتہ کی صورت میں نظر آتے تو مریمؑ ان کو دیکھ کر ڈر جاتیں اور بے ہوش ہو جاتیں۔ اور عجب نہیں کہ اس صورت میں مریم صدیقہؑ کی عفت اور پاکبازی کا امتحان بھی مقصود ہو غرض یہ کہ مریمؑ نے جب غسل خانے میں ایک اجنبی اور بیگانہ آدمی دیکھا تو گھبرا گئیں اور بولیں کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو مرد متقی ہے۔ تو میں تیرے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ مریمؑ اس کو بشر سمجھ کر گھبرا گئیں اور خدا کا واسطہ دیا کہ سامنے سے ہٹ جائے تو اس وقت جبریل امینؑ نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا۔ اور کہا کہ میں کوئی بشر اور آدمی نہیں اس سے تم ڈر رہی ہو۔ میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ (بھیجا ہوا) فرشتہ ہوں تاکہ تجھ کو خدا کے حکم سے پاک اور پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مجھ سے ڈرنے اور پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں میں ایسا نہیں جیسا کہ تیرا گمان ہے۔

مریمؑ کو اس کی نورانی صورت سے اور القاء ربانی سے یہ یقین ہو گیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے مگر تعجب سے کہا بغیر شوہر کے کیسے بچہ ہوگا اس لیے مریمؑ نے کہا میرے لڑکا کہاں سے ہوگا اور مجھ کو کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ یعنی میرا کسی سے نکاح نہیں ہوا اور نہ میں کبھی بدکار رہی۔ جبریلؑ نے کہا یونہی ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ

تجھے بغیر باپ کے ہی لڑکا عطا کرے گا۔ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ وہ یعنی بغیر باپ کے بیٹا عطا کرنا مجھ پر آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اپنی تخلیق و تکوین میں آلات اور مواد اور اسباب کا محتاج نہیں۔ اسے بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنادیں۔ کہ اس کے حال کو دیکھ کر لوگ ہماری قدرت کو پہچانیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنی جانب سے اسی بے باپ کے بچہ کو سامان رحمت بنائیں جو اس پر ایمان لائے وہ ہدایت پائے۔ اور قیامت کے دن شفاعت سے بہرہ یاب ہو یہ فائدہ خاص مومنین کے لیے ہے اور آیۃ للناس یعنی قدرت کی نشانی ہونا یہ سب لوگوں کے واسطے ہے۔ اور اس بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا علم الٰہی میں طے شدہ امر ہے۔ حضرت مریمؑ فرشتے کی بات سے مطمئن ہوگئیں پھر اس گفتگو کے بعد جبریل امینؑ مریمؑ کے قریب آئے اور ان کے منہ میں یا گریبان میں پھونک ماری پس اسی وقت مریمؑ حاملہ ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سات مہینے حمل رہا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قرار حمل اور ولادت سب ایک ہی ساعت میں واقع ہوئے۔

فرشتے عورت کو چھوتے نہیں اس لیے جبریل امینؑ نے مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری جس سے وہ اسی وقت حاملہ ہوگئیں۔ قرآن کریم میں نفخ روح کا ذکر ہے۔ مگر اس کی کیفیت کو بیان نہیں۔ اس لیے بیان کیفیت سے سکوت اولیٰ ہے۔ پس جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو شرم کے مارے اس محل کو چھوڑ کر کسی دور جگہ جنگل یا پہاڑ میں چلی گئیں۔ غالباً وہ جگہ بیت لحم ہے۔ یہ مقام بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

بیت المقدس میں حضرت مریمؑ کی طرح ایک اور مرد صالح مسجد کی خدمت کیا کرتا تھا جس کا نام یوسف نجار تھا۔ اور وہ حضرت مریمؑ کا چچازاد بھائی تھا۔ بڑا عابد و زاہد تھا۔ سب سے پہلے مریمؑ کے حمل کا حال یوسف نجار کو معلوم ہوا۔ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گیا کہ اس عفیفہ اور پاکدامن کو کیا ہوا۔ ایک طرف تو ان کی عفت و براءت و عبادت و نزاہت کا اور ان کی کرامتوں کا خیال آتا اور دوسری طرف آثار حمل کو دیکھتا تو متحیر ہوتا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ زبان سے چپ رہتا مگر اندر ہی اندر طرح طرح کے خیالات آتے یہاں تک کہ ایک دن حضرت مریمؑ سے تعریضاً اور کنایۃً یہ سوال کیا۔ اے مریم تیرے بارہ میں میرے دل میں خیال پیدا ہوا ہے میں نے اس کو بہت چھپانا چاہا مگر وہ مجھ پر غالب آ گیا میں اس کو تجھ پر ظاہر کرکے اپنے دل کو شفا دینا چاہتا ہوں۔ مریمؑ نے کہا کہو وہ کیا خیال ہے۔

قال هل يكون قط شجر	یوسف نجار نے کہا اے مریم کیا کوئی درخت
من غير حب وهل يكون زرع من	بغیر تخم کے اور کوئی کھیتی بغیر دانہ کے ہو سکتی
غير بذر وهل يكون ولد	ہے اور کیا کوئی فرزند بغیر باپ کے

اور نیچے جبرئیلؑ تھے وہاں ایک خشک نہر بھی تھی اللہ نے اپنی قدرت سے اس میں پانی جاری کر دیا اور سوکھے درخت کو ہرا اور سرسبز کر دیا اسی دم اس پر پھل لگ گئے اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ اے مریمؑ اس کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر پکی پکی تازہ کھجوریں گرائے گا۔ زچہ کے لیے سب سے زیادہ مفید تر کھجور ہے۔

اطباء نے لکھا ہے کہ عورت کے لیے ایام نفاس میں رُطَبًا تازہ کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں الغرض جبرئیلؑ نے حضرت مریمؑ کی تسلی اور تسکین کے بعد یہ کہا۔ پس اے مریمؑ! تو اس پھل کو کھا اور اس پانی کو پی اور اس فرزند دلبند سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر جو خدا بلا اسباب ظاہری خشک زمین سے پانی اور خشک درخت سے میوہ پیدا کر سکتا ہے وہ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے حق تعالیٰ کی ان کرامتوں اور عنایتوں پر نظر کرو اور پریشانی اور غم دل سے نکال دو یکایک پانی کا جاری ہونا یہ تو پینے کا سامان ہوا اور خشک درخت سے یکدم تازہ کھجوروں کا لگنا یہ کھانے کا سامان ہوا یہ تو لذت جسمانی ہوئی۔ اور چونکہ پانی اور پھل کا ظہور بطور خرق عادت ہوا۔ اس لیے یہ کرامت لذت روحانی کا سبب بھی۔

پس اے مریمؑ یہ تو تیری راحت کا سامان ہوا اور جس بدنامی سے تو ڈر رہی ہے اس کا انتظام یہ ہے کہ اگر تو اس کے بعد کسی آدمی کو دیکھے اور وہ تجھ سے تیرے بیٹے کا حال پوچھے کہ یہ لڑکا کہاں سے آیا تو تم زبان سے کچھ نہ بولنا بلکہ اشارہ سے یہ کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے واسطے ایسے روزہ کی نذر کی ہے۔ جس میں کلام کی ممانعت ہے۔ سو اس وجہ سے میں آج کسی آدمی سے زبان سے بات نہیں کروں گی۔

بنی اسرائیل میں روزہ کی حالت میں بولنا منع تھا ان لوگوں کا روزہ یہ تھا کہ کھانا اور پینا اور بات کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے فَقُوْلِيْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے کچھ نہ کہنا بلکہ لوگوں کو اشارہ سے یہ بات سمجھا دینا اھ

قول کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی اشارہ سے۔ غرض یہ کہ فرشتہ کے اس کلام سے حضرت مریمؑ کو تسلی ہو گئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ پھر جب مریمؑ کو ان بشارتوں اور کرامتوں سے سکون اور اطمینان ہو گیا تو مریمؑ اس بچہ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے بیت اللحم سے چلیں اور اپنی قوم کے پاس اس کو لے کر آئیں تو قوم پر یہ بات بہت گراں گذری کہ جب مریمؑ کی کہیں شادی نہیں ہوئی تو یہ بچہ کہاں سے لائی سو کہنے لگے کہ اے مریم یہ تو تو ایک عجیب اور انوکھی چیز لے کر آئی ہے۔ تیرے گھر والوں میں کبھی ایسا امر ہوا ہی نہ تھا۔ اس طرح بچہ کو یوں گود میں لے کر آنا بہت ہی شرم کا مقام ہے یہ تو کھلی بے باکی اور بے حیائی ہے۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ کوئی بُرا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی یہ اثر تجھ میں کہاں سے آیا۔ سچ بتا کہ کس کا ہے۔ مریمؑ کے باپ کا نام عمران تھا جو مسجد اقصیٰ کے امام تھے اور بڑے عابد و زاہد تھے اور ان کی ماں کا نام حنہ بنت فاقوذا تھا جن کا قصہ قرآن میں مذکور ہے پس جب تیرے ماں باپ بھائی بدکار نہ تھے تو تُو نے یہ نالائق حرکت کیسے کی۔ حدیث میں ہے کہ مریمؑ کے بھائی کا نام ہارون تھا جن کا زہد اور عبادت بنی اسرائیل میں ضرب المثل تھا۔ اور حضرت مریمؑ کا زہد اور عبادت بھی اپنے بھائی ہارون

جیسا تھا اس بناء پر ان کو اخت ہارون کہا گیا۔ اور ہارون نام حضرت ہارون پیغمبر کے نام پر رکھا گیا تھا۔ بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام پیغمبروں اور صالحین کے نام پر رکھتے تھے۔ جیسے اگر مسلمانوں میں ہزاروں آدمیوں کا نام محمد اور احمد رکھا گیا ہے اور اگر بالفرض ہارون سے مراد برادر موسیٰ علیہ السلام ہی ہوں تو بھی محاورہ عرب کے مطابق مریم کو اخت ہارون کہنا درست ہے۔ کیونکہ مریم حضرت ہارون کی نسل سے تھیں جیسے تمیمی کو یا اخا تمیم اور ہمدانی کو یا اخا ہمدان کہتے ہیں اور قرآن کریم میں ہے۔ وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ اسی طرح مریم کو يَا أُخْتَ هَارُونَ کہنا صحیح ہے۔

پس مریم علیہا السلام اپنی قوم کی طعن وتشنیع کی یہ باتیں سن کر حسب ہدایت خداوندی خاموش ہو گئیں اور کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ کہنا ہو وہ اس سے کہو یہ بچہ تمہیں جواب دے گا تو وہ لوگ برہم ہو کر بولے کہ ہم اس بچہ سے کیسے بات کریں جو ابھی ماں کی گود میں بچہ ہی ہے۔ جب حضرت مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم اس بچہ سے پوچھ لو تو وہ غضبناک ہوئے کہ بجائے شرم کے ہم سے تمسخر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس شیر خوار بچہ سے پوچھ لو اور کہا جاتا ہے[1] کہ زکریا علیہ السلام کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ بھی پیچھے ہوئے آئے اور بچہ سے کہا کہ اگر تو من جانب اللہ مامور ہے تو اپنی حجت اور حقیقت بیان کر۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بولا اِنّی اور کہا کہ میں عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ ہوں خدا اور خدا کا بیٹا نہیں۔ الغرض جب حضرت مریم بچہ کو لے کر اپنی قوم میں آئیں تو بنی اسرائیل جمع ہو گئے اور حضرت مریم پر طعن وتشنیع شروع کی اس وقت[2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کا دودھ پی رہے تھے اسی وقت دودھ پینا چھوڑ دیا اور بائیں پہلو پر تکیہ لگا کر انگشت شہادت سے ان کی طرف اشارہ کیا اور جواب دینا شروع کیا اور کہا کہ تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۲ ج ۱۱) اور اپنی ذات کے لیے آٹھ صفتیں بیان فرمائیں جن میں تمام خیالات فاسدہ کا رد ہو گیا۔

پہلی صفت — عبدیت

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ

یعنی میں اللہ کا خاص بندہ ہوں بطور خرق عادت کے بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں معاذ اللہ خدا نہیں

[1] قيل كان المستنطق لعيسى زكريا۔ (كذا في البحر المحيط صفحہ ۱۸۹ ج ۶) وقال الرازي وقيل ان زكريا عليه السلام اتاها عند مناظرة اليهود اياها فقال لعيسى عليه السلام انطق بحجتك ان كنت امرت بها فقال عيسى عليه السلام عند ذلك اني عبد الله (تفسير كبير ص ۲۱۶ ج ۵)

[2] فقيل كان عيسى عليه السلام يرضع فلما سمع كلامهم ترك الرضاع واقبل عليهم بوجهه واتكأ على يساره واشار اليهم بسبابته اليمنى وقال اني عبد الله (تفسير قرطبي ص ۱۰۲ ج ۱۱)

نہیں اور نہ معاذ اللہ میں عین خدا ہوں اور نہ خدا مجھ میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ خالق معبود کا ایک جسم مولود کے ساتھ متحد ہونا بداہۃً محال ہے اس لیے کہ معبود قدیم ہے اور جسم مولود حادث ہے۔ جو ابھی عدم سے وجود میں آیا ہے اور ظاہر ہے کہ قدیم نہ حادث کے ساتھ متحد ہو سکتا ہے اور نہ اس کا عین ہو سکتا ہے اور نہ اس میں حلول کر سکتا ہے۔

۱- کیونکہ محل، حال کو محیط ہوتا ہے۔ اور اپنے اندر اس کو سمو لیتا ہے۔

۲- نیز محل اور ظرف، حال اور مظروف سے مقدار میں زیادہ ہوتا ہے۔

۳- نیز حال محل کا محتاج بھی ہوتا ہے اور اللہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک جسم حادث اور متغیر، قدیم اور واجب الوجود کا محل اور ظرف بن سکے اور اس کو اپنے احاطہ میں لے سکے، یا اس کا جزء بن سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود اگرچہ اس کلام سے ماں سے تہمت دور کرنا تھا مگر عیسیٰ نے سب سے پہلے خدا تعالیٰ سے تہمت کو دور کیا کہ کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا اس کے لیے اولاد تجویز کرنا خدا تعالیٰ پر اتہام ہے، اور وہ اس تہمت سے پاک ہے اسی طرح میری ماں کا حال ہے لوگ اس پر زنا کی تہمت لگا رہے ہیں مگر وہ اس سے بالکل پاک ہے ایسا مبارک اور صاحب کمال بچہ کہیں زنا سے پیدا ہو سکتا ہے اور میری ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، معاذ اللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں اس لیے کہ مولود معبود نہیں ہو سکتا لا محالہ عبد ہی ہوگا۔ اور اگر بقول نصاریٰ بطور فرض محال اس بات کو مان لیا جائے کہ ذات خداوندی کے لاہوت کا عیسیٰ میں حلول جائز اور ممکن ہے تو پھر کلمۃ اللہ کا حلول اور دخول زید اور ذات عمر میں بھی جائز ہونا چاہیے۔ سب کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قدیم اور ازلی نہ تھے۔ بلکہ حادث تھے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ پس اگر ایک جسم حادث اور طفل مولود میں خداوند معبود کا حلول اور دخول ممکن ہے تو پھر جسم فرعون اور جسم نمرود میں اور جسم گوسالہ میں معبود کا حلول کیوں محال ہے۔

اور دوسری صفت

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے۔ یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ مجھ کو کتاب انجیل عطا کرے گا، جو میری نبوت کی دلیل ہوگی اور نبوت الوہیت کے منافی ہے۔

اور تیسری صفت

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ یعنی اللہ نے ازل میں فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ کو نبی بنائے گا۔ اور مجھ کو انجیل عطا کرے گا، اور چونکہ یہ فیصلہ قطعی ہے ضرور اپنے وقت پر واقع ہوگا۔ اس لیے اس آنے والے واقعہ کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا اور بعض کا قول یہ ہے کہ اسی وقت اللہ نے ان کو کتاب دے دی اور نبی

کر دیا۔ مگر یہ قول غایت درجہ بعید ہے۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی میں یہ حکم کر چکا ہے کہ آئندہ چل کر مجھ کو نبوت دے گی اور مجھ پر انجیل نازل ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی تھا۔ جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اور چوتھی صفت

یہ ہے وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے جس جگہ بھی ہوں جہاں بھی رہوں اور جاؤں میری برکت میرے ساتھ ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا مبارک بندہ ہوں۔

اور پانچویں صفت

یہ ہے وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں۔ اس لیے کہ آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد بندہ احکام شرعیہ کا مکلف نہیں رہتا البتہ قیامت کے قریب جب آسمان سے دوبارہ نازل ہوں گے تو پھر حسب دستور احکام شرعیہ کے مکلف ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جو اس کے حکم کے مطابق اس کے مقررہ وقت پر ادا کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اور عبادت دلیل عبدیت کی ہے۔ اور عبدیت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔

اور چھٹی صفت یہ ہے

وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ

اللہ تعالیٰ نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں اور میری یہ والدہ عفیفہ اور طاہرہ اور مطہرہ ہے مجھ پر اس کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ بالفرض اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی باپ ہوتے تو خدمت اور احسان میں والدہ کی تخصیص نہ ہوتی بلکہ باپ کا بھی ذکر ہوتا جیسا کہ حضرت یحییٰ کے قصہ میں فرمایا وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ یعنی یحییٰ علیہ السلام اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور اپنی والدہ کی خدمت اور اطاعت دلیل عبدیت کی ہے۔

اور ساتویں صفت یہ ہے

وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا

اللہ نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا کہ اللہ کا حکم نہ مانوں بلکہ متواضع اور نیک بخت بنایا۔

اس لیے کہ معصیت شقاوت کا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور زکوٰۃ نہیں دیتا یا اپنی ماں کا نافرمان ہے وہ متکبر اور بدبخت ہے اور متواضع اور نیک بخت ہونا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ خدا کے بندے تھے۔

اور آٹھویں صفت یہ ہے

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا

علامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ یہ صفت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ تھے کیونکہ خدا تو موت اور ولادت سے منزہ ہے اور کسی کی سلامتی اور حفاظت سے بے نیاز ہے۔

حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضۂ اقدس میں مدفون ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا کہ شیطان سے محفوظ رہا اور مرنے کے بعد سوال قبر وغیرہ سے محفوظ رہا اور قیامت کے دن قیامت کی ہولناک اور دہشت سے محفوظ رہوں گا۔ بچے کی پیدائش عرفاً رحم نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں یہ خارق عادت کلام کیا اور اپنی عبادات و خصائل کمال کو نہایت بلاغت کے ساتھ بیان کیا۔

جب لوگوں نے ان کا یہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس خارق عادت کلام کو سن کر لوگوں کو ان کی ماں کی براءت روز روشن کی طرح معلوم ہوگئی اور اسی وجہ سے لوگوں نے مریم پر زنا کی سزا قائم نہ کی اور مطمئن ہوگئے کہ یہ لڑکا معاذ اللہ ولد الزنا نہیں بلکہ قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے۔ اور خوب سمجھ گئے کہ یہ بچہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک ہے۔ اس لیے کہ اول تو ایک نومولود بچہ کا خارق عادت طریقہ پر اس طرح گفتگو کرنا اور نہایت فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ایسا موثر کلام کرنا جس سے دشمن حیران اور ششدر رہ جائیں۔ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نومولود نہایت مبارک اور مسعود ہے اور یہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر یہ کہ جو مولود ایسی پاکیزہ خصائل اور ایسی صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو وہ کیسے ولد الزنا ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ وہ ان کا اقرار ما کان ابوک امرأ سوء وما كانت امك بغيا سے کر رہے ہیں کہ اصل کے مطابق دیکھنا چاہیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ آخری کلام تھا یہ خارق عادت کلام سن کر لوگوں نے ان کی والدہ کی براءت معلوم کرلی اور خاموش ہوگئے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی یہ کلام کرکے شیر خوار بچوں کی طرح خاموش ہوگئے پھر انہوں نے کوئی بات نہیں کی یہاں تک کہ اس عمر کو پہنچے جس میں بچے عادتاً باتیں کیا کرتے

ہیں اس کلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بولنا کہیں ثابت نہیں ورنہ ضرور نقل ہوتا معلوم ہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کلام کے بعد شیرخوار بچوں کی طرح خاموش ہو گئے اور جب تک بولنے کی عمر تک نہ پہنچے اس وقت تک نہ بولے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۳ ج ۱۱)

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ

یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا ، سچی بات

الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ

جس میں جھگڑتے ہیں ۔ اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد وہ

وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ

پاک ذات ہے، جب ٹھہرا لیتا ہے کچھ کام تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو

فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا

وہ ہو جاتا ہے ۔ اور کہا بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اسی کی بندگی کرو، یہ

صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ

ہے راہ سیدھی ۔ پھر کئی راہ ہو گئے فرقے ان میں سے ۔

لہ قال الامام القرطبیؒ قد روی فی قصص ہذہ الآیۃ عن ابن زید وغیرہ انہم لما سمعوا کلام عیسیٰ اذعنوا وقالوا ان ہذا لامر عظیم وروی ان عیسیٰ علیہ السلام انما تکلم فی طفولیتہ بہذہ الآیۃ ثم عاد الی حالۃ الاطفال حتی مشی علی عادۃ البشر الی ان بلغ مبلغ الصبیان فکان نطقہ اظہار براءۃ امہ لا انہ کان ممن یعقل فی تلک الحالۃ وہو کما ینطق اللہ تعالیٰ الجوارح یوم القیامۃ ولم ینقل انہ دام نطقہ ولا انہ کان یصلی وہو ابن یوم او شہر ولو کان یدوم نطقہ و تسبیحہ ووعظہ وصلاتہ فی صغرہ من وقت الولادۃ لکان مثلہ مما لا ینکتم (صفحہ ۱۰۳ ج ۱۱)

وقال السیوطیؒ۔ ثم امسک عیسیٰ عن الکلام حتی بلغ مبلغ الناس۔ (تفسیر در منثور صفحہ ۲۷۰ ج ۴)

واخرج ابن ابی شیبۃ وابن ابی حاتم وابن عساکر من طریق مجاہد عن ابن عباسؓ قال تکلم عیسیٰ بعد الآیات التی تکلم بہا حتی بلغ مبلغ الصبیان۔ (تفسیر در منثور صفحہ ۲۷۰ ج ۴)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾ أَسْمِعْ

سو خرابی ہے منکروں کو جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا۔ کیا سنتے

بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي

دیکھتے ہوں گے، جس دن آویں گے ہمارے پاس، پر بے انصاف آج کے دن

ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ

صریح بہکتے ہیں۔ اور ڈر سنادے ان کو اس پچھتاوے کے دن کا جب فیصل

الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّا

ہو چکے گا کام، اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے۔ ہم

نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾

وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر، اور ہماری طرف پھر آویں گے۔

قول مبرم وفیصلہ محکم

دربارہ حقیقت عیسیٰ بن مریم صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا وعلیہما وبارک وسلم

قال اللہ تعالیٰ: ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ... الیٰ ... وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ۔

یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ تفصیل سے بیان فرمایا تاکہ اصل حقیقت واضح اور منکشف ہو جائے۔ اب آگے حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہود اور نصاریٰ کے اختلافات کا فیصلہ فرماتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں یہ ہیں عیسیٰ پسر مریم جو فقط عورت سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں یہ فقط مریم کے بیٹے ہیں ان کا کوئی باپ نہیں ان کی صحیح شان اور صفت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی عیسیٰ بن مریم وہ نہیں جن کو عیسائی خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نہ وہ ولد الزنا ہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں۔ یہی اصل حق

بات[1] بتلا رہا ہوں جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا اور جھوٹا اور جادوگر کہتے ہیں اور نصاریٰ میں کوئی ان کو اللہ اور کوئی ان کو ابن اللہ کہتا ہے مگر وہ حقیقت میں اللہ کا بندہ ہے اور اس کا نبی ہے اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے۔ یہی وہ حق بات ہے جو بتلا دی گئی۔ اور اس کے سوا سب جھوٹ ہے۔ گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو ثابت کیا اب آگے کی آیت میں نصاریٰ کے عقیدہ بنیت کا رد فرماتے ہیں۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی فرزند بنائے اللہ اس سے پاک ہے اس لیے کہ بیٹا اس کے لیے نقص اور عیب ہے خدا تعالیٰ سب حاجتوں اور خواہشوں سے پاک ہے اور بیٹا باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اور خدا بے مثل اور بے چون و چگون ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ کام ہو جاتا ہے۔ بھلا ایسے قادر مطلق کو بیٹے اور بیٹی کی کیا ضرورت ہے۔ اور اس کو بغیر باپ کے پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور منجملہ ان باتوں کے جو عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں لوگوں سے کہیں ایک بات یہ تھی کہ لوگوں کو اس بات کی خبر دی کہ تحقیق اللہ میرا پروردگار ہے اور تم سب کا پروردگار ہے پس تم سب اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے جو اس راہ پر چلے گا ہدایت پائے گا۔ پس اس حقیقت حال کے واضح ہو جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح حال ظاہر ہو چکا ہے جس میں اختلاف کی گنجائش نہیں اس لیے کہ شیر خوارگی کی حالت میں حضرت عیسیٰؑ کے خارق عادت کلام سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے۔ معاذ اللہ خدا یا خدا کا بیٹا نہ تھے خدا کا مولود اور شیر خوار ہونا عقلاً محال اور ناممکن ہے اور معاذ اللہ نہ وہ ولد الزنا تھے اور ان کی والدہ ماجدہ تہمت سے بالکل پاک اور بری تھیں مگر باوجود اس کے یہود تو یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ وہ ساحر اور ولد الزنا تھا اور کہتے ہیں کہ جو کلام کیا وہ سب جادو کا اثر تھا۔ اور دعویٰ نبوت کے بعد جس قدر معجزات دکھلائے وہ سب جادو تھے۔ اور

---

[1] قول الحق کے بارے میں دو قرأتیں ہیں عاصم اور ابن عامر کی قرأت میں قول الحق بفتح لام منصوب آیا ہے۔ ہم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ قرأت نصب کی بنا پر کیا ہے۔ کما قال الزجاج هو مصدر ای مفعول مطلق ای اقول قول الحق لان ما قبله يدل عليه وقيل مدح وقيل اغراء۔ اور باقی قراء نے قول الحق کو بضم لام مرفوع پڑھا ہے اور تقدیر کلام یہ ہے هذا الكلام قول الحق۔ اس قرأت پر ترجمہ یہ ہوگا یہ کلام حق ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۵ ج ۱۱)

[2] اشارہ اس طرف ہے کہ وان اللہ ربی و ربکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گزشتہ قول انی عبد اللہ پر [illegible] ہے اور کلام انی عبد اللہ سے حضرت عیسیٰ کے کلام کا تتمہ ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق ذٰلک عیسیٰ ابن مریم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ نبی کریم آپ لوگوں کو مریم کا حال سنا دیجئے اور یہ بھی سنا دیجئے کہ میرا اور تمہارا سب کا ایک ہی رب ہے۔ اسی کی بندگی کرو۔ (روح المعانی ص ۹۳ ج ۱۶)

نصاریٰ میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کے فرزند تھے اور بعض نصاریٰ اہل اسلام کی طرح ان کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں اور زیادہ تر نصاریٰ یہ تین فرقے ہیں نسطوریہ اور یعقوبیہ اور ملکانیہ۔

فرقہ نسطوریہ تو حضرت عیسیٰ ابن مریم کو خدا کا بیٹا بتاتا ہے کہ آسمان سے آیا تھا آپ نے اس کو پھر آسمان پر بلا لیا اور اوپر اٹھا لیا۔ اور فرقہ یعقوبیہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم بعینہٖ اللہ تعالیٰ تھا بعینہٖ خدا آسمان سے اترا اور پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ اور فرقہ ملکانیہ یہ کہتا ہے کہ مسیح ابن مریم تین خداؤں میں سے ایک خدا تھا اور نصاریٰ میں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا کے بندے اور اس کے رسول برحق تھے۔ اور صحیح نصرانی اور عیسائی یہی فرقہ ہے۔ اور یہی قول حق ہے جس کی قرآن اور حدیث نے مسلمانوں کو ہدایت کی اور یہی تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور نصاریٰ کا یہ فرقہ جو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بندہ اور رسول برحق مانتا تھا۔ نصاریٰ کے تمام فرقوں میں یہی فرقہ حق پر تھا جو توحید کا قائل تھا۔ اور تثلیث کا منکر تھا۔

پس ہلاکت اور بربادی ہے ان کافروں پر جو اللہ پر افترا کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں اور ایسے کافروں کے لیے شدید عذاب ہے۔ بڑے دن کی حاضری کے وقت یعنی قیامت کے دن اور یہ کافر جو آج دنیا میں حق سے اندھے اور بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں قیامت کے دن کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے۔ جس دن ہمارے پاس آئیں گے اس دن آنکھیں بھی کھل جائیں گی اور کان بھی خوب کھل جائیں گے۔ لیکن یہ ظالم لوگ آج تو کھلی گمراہی میں ہیں یعنی یہ کافر آج تو دنیا میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں۔ نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ حق کو دیکھتے ہیں مگر جب قیامت کے دن ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہوں گے لیکن اس وقت کا سننا اور دیکھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور اے نبی آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرائیے یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیے جس روز نیک و بد سب ہی پچھتائیں گے اور حسرت میں مبتلا ہوں گے برے آدمی تو اپنی برائیوں پر حسرت کریں گے کہ ہم نے یہ برے کام کیوں کیے اور نیک لوگ اس بات پر حسرت کریں گے کہ ہم نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں۔ لہذا آپ ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرائیے جب کہ موت کو سب کے سامنے ذبح کر کے اہل جنت اور اہل جہنم کے لیے خلود اور دوام کا اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ موت کو چت کبرے مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان میں سب کے سامنے ذبح کیا جائے گا۔ اور لوگ دیکھتے ہوں گے۔ اور فریقین یعنی اہل جنت اور اہل دوزخ کو خلود اور دوام کا حکم سنا دیا جائے گا۔ تاکہ اہل جنت کو معلوم ہو جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں خلود اور دوام ہے اور کافروں کو معلوم ہو

---

[1] تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۲۱ ج ۳ و تفسیر روح المعانی صفحہ ۸۵ ج ۱۶ دیکھیں۔

جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں خلود اور دوام ہے موت نہیں۔ اور امام بخاری و مسلم نے
سنن ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر
کھڑا کر کے اہل جنت اور اہل دوزخ کو آواز دی جائے گی تو اہل جنت ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر دیکھیں گے
ان کو ڈر ہوگا کہ کہیں جنت سے نکلنے کا حکم تو نہیں ہو رہا۔ اور اہل دوزخ خوش ہو کر دیکھیں گے کہ شاید ہم کو
اس جگہ سے نجات اور رہائی کا حکم ہو جائے تو پھر سب کے سامنے موت ذبح کی جائے گی اور یہ اعلان کر دیا
جائے گا۔ کلا هما خالدون فیما تجدون لا موت فیه ابداً۔ ہر ایک اپنے اپنے ٹھکانے میں
ہمیشہ رہے گا کسی کو کبھی بھی موت نہ آئے گی۔ (فتح الباری صفحہ ۳۲۲ ج ۱۱)

اور وہ لوگ آج دنیا میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یوم آخرت اور یوم حسرت پر یقین
نہیں رکھتے۔ لیکن جب وہ دن سامنے آئے گا تو سوائے حسرت کے کچھ نظر نہ آئے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں جب تک حشر کا دن ہے۔ مسلمان دوزخ سے نکل نکل کر بہشت
میں جا رہیں گے۔ تب تک کافر بھی توقع میں ہوں گے۔ پھر موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر بہشت اور
دوزخ کے بیچ سب کو دکھا کر ذبح کر دیں گے اور پکار دیں گے کہ جنتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں رہ
پڑے ہمیشہ کو وہ دن ہے کہ کافر نہایت پچھتاویں گے۔ (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اب تک کافروں کو بھی امید تھی کہ شاید گناہگار مسلمانوں کی طرح ہم بھی کسی وقت
دوزخ سے نکل جائیں لیکن جب موت کو سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت کافر بالکل
ناامید ہو جائیں گے اور حسرت سے ہاتھ ملیں گے لیکن اب پچھتائے سے کیا فائدہ۔ وقت گزر چکا۔ جمہور مفسرین
یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم الحسرۃ سے وہ وقت مراد ہے کہ جس وقت موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر
سب کے سامنے اس کو ذبح کیا جائے گا۔ صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن موت ایک چتکبرے مینڈھے کی صورت میں لائی جائے
گی۔ پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان اس کو کھڑا کیا جائے گا۔ پھر ایک منادی پکارے گا اے اہل جنت۔
اس کی یہ آواز سن کر جنتی اپنی گردن اونچا اور سر اٹھا کر دیکھیں گے وہ کہے گا کیا تم اس کو پہچانتے ہو جنتی
جواب دیں گے کہ ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے۔ یعنی سب پہچان لیں گے کہ یہ موت ہے۔ پھر
منادی پکارے گا کہ اے اہل نار یہ آواز سن کر دوزخی بھی گردن اٹھا کر دیکھیں گے۔ وہ منادی کہے گا کہ تم اس
کو پہچانتے ہو وہ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے پھر وہ مینڈھا جنت
اور دوزخ کے درمیان سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا پھر منادی ندا کرے گا کہ اے اہل جنت اب
ہمیشہ ہمیشہ رہو کبھی تم کو موت نہیں اور اے دوزخیو! ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہو کبھی تم کو موت نہیں۔ پھر
آپ نے یہ آیت پڑھی۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

پھر آپ نے اپنے دستِ مبارک سے دنیا کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور یہی مضمون صحیحین میں عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے، اس وقت جنتیوں کو خوشی پر خوشی ہو گی، اور دوزخیوں کو غم پر غم ہو گا۔

ترمذی کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اگر کوئی خوشی سے مرتا تو جنتی مر جاتے اور اگر کوئی غم سے مرتا تو دوزخی مر جاتے (مگر موت کے ذبح ہو جانے کے بعد تو کسی کو موت نہیں) اسی لئے ایک روایت میں ہے کہ موت کے ذبح ہو جانے کے بعد دوزخ اور جنت کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر یہ کہے گا۔

یا اھل الجنۃ ھو الخلود ابد الآبدین ویا اھل النار ھو الخلود ابد الآبدین (تفسیر ابن کثیر [illegible])

اے اہل جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خلود اور دوام ہے اور اے اہل دوزخ! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنا ہے۔

اہل ایمان ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، اب کبھی جنت سے نہ نکلیں گے، اور کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

غرض یہ کہ موت کے ذبح سے اہل جنت اور اہل نار کو یہ اطلاع دینی مقصود ہو گی کہ اب ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔ اس بات کو سن کر اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر کوئی خوشی سے مر جاتا تو وہ مر جاتے اور اہل دوزخ غم اور حسرت سے ایسی چیخ ماریں گے کہ اگر کوئی چیخ سے مر جاتا تو مر جاتے۔

اسی لئے تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی بھی جہنم سے نہیں نکلیں گے جیسا کہ اسی مسئلہ کی تفصیل پارۂ ہشتم میں اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

نیز سورۂ ہود میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ کی تفسیر میں بھی اس مسئلہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں ان احادیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

وقد ذکرنا ذلک فی کتاب التذکرۃ وبینا ان الکفار مخلدون بھذہ الاحادیث والآیات ردا علی من قال ان صفۃ الغضب تنقطع وان ابلیس ومن تبعہ من الکفرۃ کفرعون وھامان و

ہم نے تفصیل کے ساتھ اس قسم کی احادیث کو اپنی کتاب التذکرہ میں ذکر کر دیا ہے، اور آیات اور احادیث سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان آیات اور احادیث کو ہم نے ان لوگوں کے رد کے لئے ذکر کیا ہے جن کا یہ گمان ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت غضب منقطع اور ختم ہو جائے گی اور ابلیس اور

ہوں گے۔ اور وہ آخرت میں ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ پھر ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دیں گے۔

لطائف و معارف

۱۔ تمام اہل اسلام اور تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئے اور یہود یہ کہتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح مرد اور عورت سے پیدا ہوئے تھے مگر ان کا تولد نا جائز تھا اور یہود ان کو معاذ اللہ ولد الزنا اور ولد الحرام بتاتے ہیں۔ اور ملحد اور زندیق اور مرزائی اور قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عام انسانوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مرد کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریم کا یوسف نجار سے نکاح تو ہو گیا تھا مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ایسی حالت میں میاں بیوی کا جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا۔ ایسے وقت میں اگر اولاد پیدا ہو تو وہ جائز اولاد متصور ہوگی۔ مگر خلاف رسم ہونے کی وجہ سے یہ بات معیوب اور موجب خجالت و ندامت سمجھی جاتی تھی۔

حضرت مریم پر یہودیوں کا اتہام اسی وجہ سے تھا۔ ورنہ یوسف نجار شرعاً مریم کے شوہر تھے غرض یہ کہ ملاحدہ اور زنادقہ کے نزدیک حضرت مسیح یوسف نجار کے بیٹے تھے اور بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اناجیل مروجہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مریم کے ساتھ یوسف نجار کا تعلق زوجیت کا تھا اور اسی تعلق سے اور بھی ان سے اولاد ہوئی۔ اور یوسف نجار مریم صدیقہ کے شرعی شوہر تھے جیسا کہ اناجیل اور کتاب الاعمال کے مقامات ذیل میں صاف لکھا ہے کہ یسوع۔ یوسف کا بیٹا ہے۔ اور یوسف مریم کا شوہر ہے۔

دیکھو متی ۱/۱۶ لوقا ۳/۲۳ و ۴/۲۲ متی ۱۳/۵۵ یوحنا ۱/۴۵ و ۶/۴۲ اعمال ۱/۱۴ وغلاطیان ۱/۱۹۔

اس قسم کے تمام نیا دمسلمان جو خوارق عادات کے منکر ہیں۔ وہ بغیر باپ کے تولد کے قائل نہیں وہ اپنے مزعومات اور خیالات کے لیے انجیل کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

جواب یہ سب غلط ہے اور الحاد اور زندقہ ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مواضع میں حضرت مسیح ابن مریم کی ولادت کے قصہ کو اس درجہ تفصیل اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی احتمال کی گنجائش ہے۔

آیات قرآنیہ سے بصراحت و وضاحت یہ امر واضح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بلا باپ کے پیدا ہوئے۔

۱۔ اس لیے کہ اس قصہ کا آغاز فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا سے ہوا جو دور تک چلا گیا یہ تمام تفصیل اس بات کی صریح دلیل ہے کہ فرشتہ کی آمد محض اس لیے ہوئی تھی کہ وہ حضرت مریم

کو بلا سبب ظاہری، محض جانب اللہ ایک فرزند عطا کرے۔ یہ سنکر حضرت مریمؑ کو تعجب ہوا اور بولیں کہ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا یعنی میرا تو کسی مرد سے تعلق ہی نہیں، نہ حلال کا اور نہ حرام کا، نہ نکاح کا نہ زنا کا، مجھے آج تک کسی مرد نے ہاتھ بھی نہیں لگایا پھر میرے بچہ کیسے ہوگا۔ فرشتے نے جواب دیا کہ یوں ہی ہوگا۔ یعنی بغیر باپ کے تمہارے لڑکا پیدا ہوگا۔ بعد ازاں حضرت مریمؑ کی تسلی کے لیے فرشتے نے کہا کہ یہ بات تیرے پروردگار کے لیے کوئی مشکل نہیں تو تسلی رکھو۔ جب اگر واقع میں حضرت مریمؑ کا کوئی شرعی شوہر تھا تو ان کو اس قدر گھبرانے اور حیرت کرنے کی کیا ضرورت تھی، ورنہ منکوحہ عورت کو ولادت سے تہمت کا کیا ڈر۔

۲۔ نیز حضرت مریمؑ کے اضطراب میں فرشتے کا یہ کہنا۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ یعنی تاکہ ہم اس مولود مسعود کو اپنی قدرت کی نشانی بنادیں۔

اس امر پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ ولادت مسیح قدرت خداوندی کی ایک خاص نشانی ہوگی اور لفظ آیت عرف ایسے ہی موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جو چیز بطور خرق عادت بلا اسباب ظاہری ظہور میں آئے جیسے اصحاب کہف! اور ناقہ صالح علیہ السلام پر لفظ آیت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ولادت محض قدرت سے ہے جس میں اسباب ظاہری کو دخل نہیں۔

۳۔ آیت اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ میں حضرت مسیحؑ کی بلا باپ ولادت کو حضرت آدمؑ کی ولادت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل ان کی الوہیت کی نہیں اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں یہ آیت نصاریٰ کے اسی خیال کے رد کرنے کے لیے نازل ہوئی کہ جو مسیح کو بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ اس قصہ میں حضرت مریمؑ کی کرامتوں کا ذکر ہے، جیسے یکایک ایک خشک کھجور کا پھل دار ہو جانا اور یکدم اس کے قریب پانی کا چشمہ جاری ہو جانا اور حضرت مسیحؑ کا گہوارہ میں لوگوں سے خارق عادت طریقہ پر عجیب و غریب کلام کرنا وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ ولادت بطور خرق عادت بلا اسباب ظاہری قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ تھی لوگ ان کرامتوں کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اور سمجھ گئے کہ ایسا مبارک مولود معاذ اللہ کبھی بھی ولد الزنا نہیں ہو سکتا شیر خوار بچہ کی اس خارق عادت گفتگو نے تمام تہمتوں اور بدگمانیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بدزبانوں کی زبان بند کردی اور ملاحدہ اور زنادقہ نے جو اس طرح آیات کی تاویلات اور تحریفات کی ہیں اور انجیل کا سہارا پکڑا ہے سو ان کی تردید کے لیے (اول) تو یہی کہہ دینا کافی ہے کہ انجیل کا محرف ہونا قرآن اور حدیث اور تاریخ سے ثابت ہے اور علماء یہود و نصاریٰ کے اعتراف اور اقرار سے ثابت ہے۔ قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں محرف کتاب کو کیسے حجت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(دوم) یہ کہ انجیل متی کے باب اول اور لوقا کے دوسرے سے لے کر اخیر تک اس کی تصریح ہے کہ عیسیٰ بن مریمؑ ایک کنواری سے پیدا ہوئے جن میں کا ایک جملہ یہ ہے۔

جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئیں۔

پھر انجیل لوقا کے باب اول درس ۲۶ سے لے کر درس ۳۸ تک یہی کلام چلا گیا ہے جس کے کئی جملوں میں قرآن کے موافق مریمؑ کا فرشتہ سے ہمکلام ہونا اور مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ

"مریمؑ نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہوگا جس حال سے کہ مرد سے واقف بھی نہیں اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خدا کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی"

اور صحیفۂ یسعیاہ کے باب ۷ درس ۱۴ میں ہے۔

"ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی"

پھر نا معلوم کہ یہ ملاحدہ اور زنادقہ مسلمانوں جیسے نام رکھ کر کہاں سے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور صریح آیات قرآنیہ کا انکار کرتے ہیں اور اس قسم کی ولادت کو خلاف سنت الٰہیہ کہہ کر محال بتلاتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ اللہ کی سنت اور اس کا قانون انبیاء اور اولیاء کے ساتھ اور ہے اور عوام اور دشمنوں کے ساتھ اور ہے۔

۴۔ نیز آیات قرآنیہ کا از اول تا آخر تمام سیاق و سباق صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کا یہ کلام شیرخوارگی کی حالت میں تھا۔ اور ملاحدہ یہ کہتے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں تھا یا نبوت ملنے کے بعد تھا۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔

جس طرح لوگوں نے حضرت مسیحؑ کی ولادت میں اختلاف کیا اسی طرح لوگوں نے حضرت مسیحؑ کی وفات کے بارے میں بھی اختلاف کیا۔

یہود بے بہبود کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب ہی پر مر گئے اور دفن ہوئے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب پر مرے اور تین دن کے واسطے تمام انسانوں کے گناہوں کا عذاب اٹھایا تاکہ سب کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور اس کے بعد وہ زندہ ہوئے اور پھر اٹھے اور آسمان پر چلے گئے۔ اور اپنے باپ کے پاس جا بیٹھے اور تمام اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور نہ وہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے اور جس جسم کو وہ قتل کرنا یا صلیب دینا چاہتے تھے اللہ نے اسی جسم کو زندہ اور صحیح سالم آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ایک شخص حضرت مسیحؑ کے مشابہ اور ہمشکل بنا دیا گیا۔ اور وہ ان کی جگہ ان کے شبہ میں مصلوب ہوا بعض فرقے بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور جو شخص حضرت مسیحؑ کی جگہ مصلوب ہوا، بعض کہتے ہیں اس کا نام یہودا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام شمعون تھا۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۂ نساء کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو تو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ اور حضرت مسیح جو کلمۃ اللہ اور کلمہ صدق تھے۔ ان کو گویا کر دیا تاکہ اظہار کی اصلیت اور اپنی عبدیت اور ماں کی طہارت و نزاہت ایسے خارق عادت طریقہ سے ظہور میں آئے کہ کسی کو مجال انکار کی نہ رہے اور چونکہ اللہ پاک کے علم میں تھا کہ حضرت مسیح کے بارے میں طرح طرح سے الفاظ کفریہ کہے جائیں گے لہٰذا اول گویائی میں ان کی زبان سے وہ باتیں ظاہر ہوئیں جو ہر قسم کفر کے رد کے لیے کافی ہوں۔

۴- حدیث ذبح موت امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر ذبح کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کا فدیہ اور بدل ہے۔ جیسے اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں مینڈھا ذبح کیا گیا اور اس مینڈھے کے چت کبرے رنگ یعنی سیاہ و سفید ہونے میں بہشتیوں اور دوزخیوں کی صفت کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ سفیدی اہل جنت کا رنگ ہے اور سیاہی اہل دوزخ کا رنگ ہے۔ اور حدیث میں موت کے مینڈھے کی صفت املح مذکور ہے۔ املح وہ ہے کہ جس میں سیاہی اور سفیدی ملی ہوئی ہو۔ (دیکھو فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱ باب صفۃ الجنۃ والنار من کتاب الرقاق)

۵- امام قرطبیؒ نے بعض صوفیہ کرام سے نقل کیا ہے کہ اس موت کے مینڈھے کو یحییٰ بن زکریا علیہما السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کریں گے جس سے دوام حیات اور بقاء خداوندی کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام ذبح کریں گے۔ (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

۶- موت کے مینڈھے کے ذبح ہونے کے بعد ایک منادی ندا کرے گا۔ اے اہل جنت! اب تم کو موت نہیں۔ اور اے اہل دوزخ اب تم کو موت نہیں۔ موت کے ذبح کے بعد یہ منادی اس لیے ہوگی کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ موت اب مردہ اور معدوم اور فنا ہو گئی اس کے بعد موت پھر کبھی نہیں آئے گی اور ظاہر ہے کہ موت اور فنا کے ذبح ہو جانے کے بعد بقاء اور دوام کے اور کیا ہوگا۔ (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

۷- موت کا مینڈھا ذبح ہونے کے بعد فریقین کے لیے یہ اعلان،

کلاهما خالد فيما يجده لا موت فيه ابدا (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

اس امر کی صریح دلیل ہے کہ جس طرح اہل ایمان کا جنت میں خلود ابدی ہوگا اسی طرح کفار کا دوزخ میں خلود ابدی ہوگا اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے اس بارہ میں جمہور کا خلاف کیا اور یہ گمان کیا کہ کفار چند روز کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ یہ بالکل غلط ہے اور سیرۃ النبی کے مصنف نے بھی اس غلطی میں ابن تیمیہ کی تقلید کی اور علامہ شبلی کو اور ان کے پیروؤں کو اپنے زعم علم و درایت پر بڑا ناز ہے اور اسی لیے وہ اپنے تفرد اور شذوذ کو تحقیق سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا۔ بیشک تھا وہ سچا نبی۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا

جب کہا اپنے باپ کو اے باپ میرے کیوں پوجتا ہے جو چیز نہ سنے نہ

يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ﴿٤٢﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ

دیکھے، اور نہ کام آوے تیرے کچھ۔ اے باپ میرے مجھ کو

جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ

آئی ہے خبر ایک چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی سو میری راہ چل سمجھا دوں

صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ

تجھ کو راہ سیدھی۔ اے باپ میرے! مت پوج شیطان کو۔ بے شک

الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ

شیطان ہے رحمٰن کا بے حکم۔ اے باپ میرے میں ڈرتا ہوں

أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ

کہیں آ لگے تجھ کو ایک آفت رحمٰن سے، پھر تو ہو جاوے شیطان کا

وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِنْ

ساتھی۔ وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر تو

لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلَامٌ

نہ چھوڑے گا تو تجھ کو پتھراؤ سے ماروں گا اور مجھ سے دور جا ایک مدت۔ کہا تیری سلامتی

عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ﴿٤٧﴾

رہے میں گناہ بخشواؤں گا تیرا اپنے رب سے، بے شک وہ ہے مجھ پر مہربان۔

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي

اور کنارہ پکڑتا ہوں تم سے، اور جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا اور میں پکاروں گا اپنے رب کو

عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ

امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کو پکار کر محروم۔ پھر جب کنارہ کیا ان

وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ

سے اور جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بخشا ہم نے اس کو اسحٰق اور

يَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا

یعقوب۔ اور دونوں کو نبی کیا۔ اور دیا ہم نے ان کو اپنی مہر سے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع

اور رکھا ان کے واسطے سچا بول اونچا۔

قصہ سوم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ... الٰی ... وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔

ربط۔ اس سورۃ کا یہ تیسرا قصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدا پرستی کا ذکر ہے کہ وہ کیسے خدا پرست تھے اور کس طرح انہوں نے اپنے باپ کو توحید کی دعوت دی اور کس طرح شرک اور بت پرستی کا بطلان ظاہر کیا اور اس دعوت اور تبلیغ میں اپنے باپ کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھا اور پھر کس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے باپ کو چھوڑا اور اپنے آبائی وطن سے ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجے بلند کیے اور ان کو اولاد صالح عطا فرمائی اور تمام امتوں اور قوموں میں ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ علامہ سیوطی نے تحبیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سو پچھتر برس زندہ رہے اور ان کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے اور ان کے اور حضرت نوحؑ کے درمیان ایک ہزار برس کا فاصلہ ہے۔ نیز حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے قصہ میں ان مشرکین کا رد فرمایا جو کسی زندہ عاقل کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کر کے ان مشرکین کا رد فرماتے ہیں جو بے جان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اس قسم کے مشرک قیامت کے دن اپنی حماقت پر بہت پچھتائیں گے اور حسرت کریں گے۱؎ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب

۱؎ گزشتہ آیت وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

یعنی قرآن میں لوگوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجئے کہ یہ عرب کے مشرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور ان کے طریقہ کے خلاف شرک میں مبتلا ہیں بیشک ابراہیم نہایت راستباز تھے، صدق و راستی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے، صدق و راستی کے کل اجزاء میں پوری طرح مزاحمت کیے ہوئے تھے اور پیغمبر تھے خدا کی طرف سے خبر دینے والے تھے یا یہ معنی ہیں کہ وہ عالی قدر اور بلند مرتبہ تھے مطلب یہ ہے کہ نبوت اور صدیقیت کے جامع تھے جب کہ انہوں نے اپنے باپ آذر سے جو بت پرست تھے، یہ کہا کہ اے میرے باپ کیوں پوجتا ہے اس چیز کو جو نہیں سنتی اور نہیں دیکھتی اور نہ کسی ضرورت میں تیری کفایت کر سکے۔ یعنی جس چیز میں یہ صلاحیت نہیں کہ تیری خدمت اور عبادت کو سن سکے، اور نہ تیری فریاد سن سکے اور نہ کسی نفع اور ضرر میں تیری کفایت کر سکے تو ایسی چیز کی عبادت سے کیا فائدہ کہ جس سے نہ نفع کی امید ہو اور نہ ضرر کا ڈر ہو اور یہ باتیں انتہائی ذلت کی ہیں اور معبود کے لیے نہایت عظمت چاہیے لہٰذا جب یہ بت نہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں اور نہ ان کو یہ تمیز کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا اور نہ یہ کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں تو ان کی عبادت سے کیا فائدہ ان بتوں سے تو ان کی عبادت کرنے والے ہی بہتر ہیں کہ جو سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں ایسی ذلیل اور خوار اور بے کار چیز کو اپنا معبود بنانا انتہائی حماقت ہے۔

ایک بات تو یہ ہوئی دوسری بات حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کی خیر خواہی کے لیے یہ کہی اے میرے باپ بلاشبہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم پہنچا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔ لہٰذا غیر عالم کو چاہیے کہ وہ عالم کا اتباع کرے۔ پس آپ میرا اتباع کیجئے میں آپ کو سیدھی راہ بتلاؤں گا جو چلنے والے کو منزل مقصود پر پہنچا دے۔ اتباع کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے میرے باپ میرے پیچھے پیچھے چلو انشاء اللہ تعالیٰ میں تم کو خدا تک پہنچا دوں گا۔ حق پدری و مقتضائے محبت فرزندی میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میرا اتباع کیجئے۔ مجھے اللہ کی طرف سے جو علم پہنچا ہے اس میں غلطی کا احتمال نہیں تو ایسے علم صحیح والے کا اتباع تو عقلاً ضروری ہے۔

تیسری بات یہ کہی کہ اے میرے باپ تم شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ بتوں کی عبادت درحقیقت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ بتوں میں یہ صلاحیت اور لیاقت نہیں کہ وہ اپنی عبادت کی دعوت دے سکیں اور انبیاء اور اولیاء تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے چلے آئے۔ لہٰذا بتوں کی عبادت کا داعی سوائے شیطان کے کون ہو سکتا ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ بلاشبہ شیطان اللہ کا انتہائی نافرمان ہے جس کو ارحم الراحمین نے اپنی رحمت سے ملعون اور مطرود کر دیا ہے پس جو اس ملعون اور مطرود کی تابعداری کرے گا، اس کو بھی لعنت اور غضب سے حصہ ملے گا۔ خدا کا سب سے پہلا نافرمان یہی شیطان ہے جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

چوتھی بات یہ کہی کہ اے میرے باپ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ اگر تم اسی کفر و شرک کی حالت میں

ڈر لگتا ہے کہ تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا۔ اور پھر تو دوزخ میں شیطان کا ساتھی بنے یعنی عذاب میں اس کا شریک بنے۔

حضرت ابراہیمؑ جب باپ کو نہایت نرمی اور لطف کے ساتھ یہ نصیحت فرما چکے تو باپ نے اس کے برعکس درشتی سے یہ جواب دیا۔ اے ابراہیمؑ کیا تو میرے معبودوں سے منحرف اور برگشتہ ہے اگر تو میرے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو ضرور سنگسار کر دوں گا۔ اور ایک مدت دراز تک یعنی عمر بھر کے لیے تو مجھ سے دور ہو جا۔ تاکہ میں تیری شکل نہ دیکھوں۔ ورنہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا اچھا تم پر سلام ہو۔ یعنی میں جاتا ہوں اور تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہر ظاہری اور باطنی آفت سے سلامتی عطا فرمائے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ سلام تحیۃ اکرام نہ تھا۔ بلکہ سلام رخصت تھا اور باپ کے لیے دعا کو متضمن تھا۔ البتہ میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگتا رہوں گا بلاشبہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ یعنی میں آپ سے جدا ہوتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کی توفیق دے جو ذریعہ مغفرت ہے چلتے وقت باپ سے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا۔ شاید باپ نرم پڑ جائے۔ ابراہیم علیہ السلام برابر اپنے باپ کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہے۔ جب ان کے باپ کا خاتمہ کفر پر ہوگیا تو ان سے بیزار ہوگئے جیسا کہ سورۂ توبہ کے اخیر میں گزرا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۔

حضرت ابراہیمؑ کو پہلے سے علم نہ تھا کہ باپ کفر پر مرے گا ورنہ استغفار نہ کرتے۔ اور چھوڑ دوں گا میں تم سب کو یعنی باپ کو اور تمام خویش و اقارب کو اور سب اہل وطن کو اور چھوڑ دوں گا ان چیزوں کو یعنی ان بتوں کو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یعنی کہ میں تم سب کو چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کرتا ہوں اور صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں گا۔ جو مجھے دیکھتا ہے۔ اور میری دعا کو سنتا ہے۔

امید ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے میں محروم نہ رہوں گا۔ جیسا کہ تم اپنے بتوں کے پکارنے میں محروم اور ناکام ہو۔ پس جب ابراہیمؑ ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ پرستش کرتے تھے علیحدہ ہوگئے اور سب کو چھوڑ دیا۔ اور ملک شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ تو ہم نے ان کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا بخشا۔ یعنی ان کو نیک اولاد عطا کی اگر ان کی وحشت دور ہو خدا کے لیے خویش و اقارب کو چھوڑا اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر عطا کر دیا۔ ایمان کے بعد سب سے زیادہ قابل قدر فرزند صالح ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

نیارد بدر ہیچ بایستہ تر ز فرزند شائستہ شائستہ تر

اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا اور ان تینوں کو ہم نے اپنی رحمت اور برکت سے خاص حصہ دیا۔ جو ان کی پشتہا پشت میں جاری و ساری رہی۔ اور اس دنیا میں ہم نے ان کا نیک نام بلند کیا۔ کہ ہر کوئی ان کا ذکر خیر اور بھلائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اور تمام اہل ملت و دین ان کی مدح و ثنا کرتے ہیں لسان صدق سے ثناء حسن مراد ہے۔ کیونکہ ثنا اور تعریف زبان سے ہوتی ہے اور

بخشش اللہ سے ہوتی ہے اور درود میں حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا ذکر یہی لسان صدق میں داخل ہے اور اس جملہ یعنی وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو یہ دعا مانگی تھی۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ وہ دعا قبول ہوئی شاید حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر اس جگہ اس لیے نہیں کیا کہ وہ اس سے پہلے جدا ہو چکے تھے۔ اور بحکم الٰہی ان کو اور ان کی والدہ ہاجرہ کو خانہ کعبہ کے قریب لا کر چھوڑ گئے تھے اس جگہ اس اولاد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزیز و اقارب کو چھوڑنے کے صلہ میں عطا کی تھی اور حضرت اسمٰعیل شروع ہی سے ان کے پاس نہیں رہے تھے۔ بچپن ہی میں ان سے جدا ہو گئے تھے۔ نیز حضرت اسمٰعیل کا مستقل طور پر آئندہ ذکر آنے والا ہے۔

نکتہ سلاطین اور ملوک کی اگر تعریف کی جائے تو اس تعریف سے لوگوں کی نظر میں سلاطین کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ بخلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ ان کی ثنا جس سے ثنا کرنے والوں کا رتبہ بلند ہوگا کیونکہ ابراہیم کی تعریف سراپا صدق اور حق ہوگی۔ اس لیے ان کی تعریف لوگوں کے حق میں موجب صد خیر و برکت ہوگی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ

اور مذکور کر کتاب میں موسیٰ کا وہ تھا چنا ہوا اور تھا

رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

رسول نبی۔ اور پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے طور

الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ

پہاڑ کے۔ اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو۔ اور بخشا ہم نے اس کو اپنی مہر سے

اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

بھائی اس کا ہارون نبی۔

قصۂ چہارم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ... الیٰ ..... اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا۔

یہ چوتھا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ خلیل اللہ کے قصے کے بعد کلیم اللہ کا قصہ ذکر فرماتے ہیں

اس قصہ میں اللہ تعالٰے نے موسیٰ علیہ السلام کی پانچ صفتیں ذکر فرمائیں۔

(۱) مخلص یعنی خدا کے منتخب اور برگزیدہ بندے تھے۔ (۲) رسول اور نبی تھے۔ (۳) ان سے اللہ تعالٰے نے کلام فرمایا۔ (۴) ان کو اپنا مقرب بنایا۔ (۵) ان کی فرمائش سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور اے نبی اس کتاب یعنی قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر لوگوں کو سنائیے۔ بیشک وہ خدا کے چیدہ اور برگزیدہ خالص اللہ کے لیے چنے ہوئے تھے۔ جن کی ذات وصفات میں اور اعمال ودیانات میں غیر اللہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اور تھے وہ رسول اور نبی رسول کے معنی یہ ہیں کہ وہ فرستادۂ خداوندی تھے اور نبی کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق کو احکام خداوندی سے آگاہ کرنے والے اور خبر دینے والے تھے۔ معتزلہ کے نزدیک ہر نبی رسول ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک دونوں متلازم ہیں اور جمہور اہل سنت کے نزدیک نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ رسول وہ ہے جس کو اللہ تعالٰے کی طرف سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو یعنی کوئی مستقل کتاب یا کوئی مستقل شریعت عطا ہوئی ہو یا کفار اور معاندین کے مقابلہ میں معجزات قاہرہ دے کر بھیجے گئے ہوں۔

اور نبی وہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے خبر دے مگر اس کے ساتھ کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ ہو۔ بہرحال نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ بظاہر مناسب یہ تھا کہ پہلے عام کو ذکر کرتے اور پھر خاص کو ذکر کرتے لیکن فاصلہ یعنی قافیہ کی رعایت سے خاص کو عام یعنی نبی پر مقدم کیا جیسا کہ طٰہٰ میں رَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى میں فاصلہ کی رعایت سے ہارون کو موسیٰ علیہ السلام پر مقدم کیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو کوہ طور کے دائیں جانب سے آواز دی اور یہ ابتداء رسالت تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کو واپس آرہے تھے۔ اور ہم نے ان کو قریب کرلیا راز کی باتیں سنانے کے لیے۔ اور بلا واسطہ ان سے کلام کرنے کے لیے۔ زجاج کہتے ہیں کہ آیت میں قرب سے قرب مسافت اور قرب مکانی مراد نہیں بلکہ قرب منزلت اور قرب مرتبہ مراد ہے اور ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر عطا کیا۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ قبول کی اور ان کی دعا کے مطابق ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنادیا۔ پس اصل ہبہ اور اصل عطیہ نبوت ہارونؑ کا تھا کہ ان کی دعا سے ہارونؑ کو نبوت ملی نہ کہ ذات ہارونؑ کا کیونکہ ہارون علیہ السلام تو پہلے سے موجود تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ

اور مذکور کر کتاب میں اسماعیل کو۔ وہ تھا وعدے کا سچا اور

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ

تھا رسول نبی۔ اور حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز

وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اور زکوٰۃ کو اور تھا اپنے رب کے ہاں پسندیدہ ۔

قصۂ پنجم حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيْلَ ..... الیٰ ..... وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۔

حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوّل فرزند ہیں اور عرب حجاز کے جد اعلیٰ ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ان کے صلب سے ہوا اور ان کی شریعت بھی مستقل تھی اور مشق اور مقامیت ہیں ان کی خاص شان ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قصہ کو ان کے باپ کے قصہ کے ذیل میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ جدا گانہ طریقہ سے ان کا ذکر فرمایا اور اس سلسلہ میں ان کی چار صفتیں ذکر کریں ۔

(۱) صادق الوعد تھے (۲) رسول اور نبی تھے ۔ (۳) اہل و عیال کو جانی اور مالی عبادت کا حکم دیتے تھے اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال اور اہل خانہ سے اس کا آغاز کرے ۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۔

(۴) وہ مرضی یعنی خداوند تعالیٰ کے پسندیدہ تھے ۔ یہ انتہائی مدح ہے کہ حق جل شانہ ان سے من کل الوجوہ راضی تھے اور وہ ہر اعتبار سے خدا کے پسندیدہ تھے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ذکر کر قرآن میں قصہ اسمٰعیل کا تحقیق وہ وعدے کے بڑے سچے تھے ۔ لوگوں سے جو وعدے کرتے اسے پورا کرتے ۔ ایک شخص سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک تو واپس آئے تیرے انتظار میں ٹھہرا رہوں گا وہ شخص تین دن کے بعد واپس آیا آپ برابر تین دن اسی جگہ ٹھہرے رہے سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنے باپ سے ذبح پر صبر کرنے کا وعدہ کیا ۔ اس کو پورا کر کے دکھلایا اور تھے وہ رسول اور نبی ۔ قبیلہ جرہم کی طرف مبعوث ہوئے تھے عجب نہیں کہ مناسک اور وادی غیر ذی زرع کے متعلق کچھ خاص احکام اور خاص شریعت دی گئی ہو جن سے وادی غیر ذی زرع کے رہنے والوں کو آگاہ اور خبردار کرتے ہوں ۔ اور تھے اسمٰعیل کہ خاص طور پر حکم کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا یعنی اوّل اپنے اہل و عیال کو عبادت کا حکم کرتے تھے ۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ ۔ قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا ۔ اور تھے اسمٰعیل اپنے پروردگار کے نزدیک نہایت پسندیدہ قضاء الٰہی پر راضی تھے اور بلا میں صبر کرتے تھے ۔ اور عبادت میں کامل تھے ۔ اور وعدہ کے سچے تھے ۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾

اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا۔ وہ تھا سچا نبی۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

اور اٹھا لیا ہم نے اس کو ایک اونچے مکان پر۔

قصۂ ششم حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ ... الی ... وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

(ربط) یہ چھٹا قصہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جدامجد تھے۔ آپ کا اصل نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب ہے۔ چونکہ آپ کتابوں کو بکثرت پڑھتے تھے۔ اس لیے آپ کو یہ لقب ہوا۔ آپ درزی کا کام کرتے تھے سب سے پہلے آپ ہی نے کپڑا سیا ہے اور سلا ہوا کپڑا سب سے پہلے آپ ہی نے پہنا ہے۔ آپ سے پہلے لوگ حیوانات کی کھالیں پہنا کرتے تھے۔ کتابت اور علم حساب اور ترازو و پیمانہ اور اسلحہ کے موجد بھی آپ ہی ہیں۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تین صفتیں ذکر فرمائیں۔ ایک صدیقیت دوم نبوت سوم رفعت مکانی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب یعنی قرآن میں ادریس علیہ السلام کا ذکر پڑھ کر لوگوں کو سنائیے بلاشبہ وہ بڑے راست کردار تھے۔ سرتاپا صدق تھے کذب کا کہیں آس پاس بھی گذر نہ تھا۔ اور نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے اور اٹھا لیا ہم نے ان کو بلند مکان پر یعنی آسمان پر۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ ادریس علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اب بھی وہ آسمان میں زندہ ہیں۔ اور صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا اور وہاں ان سے ملاقات کی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں مگر وہ سب اسرائیلیات ہیں جن پر ابن کثیرؒ نے تنقید کی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا میں رفعت مکانی مراد نہیں بلکہ رفعت مکانت یعنی علو مرتبہ کے معنی مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو قرب اور معرفت کے بلند مقام پر پہنچایا تیس صحیفے ان پر نازل کیے اور بہت سے علوم اور صنعتیں ان کے ہاتھ سے ایجاد ہوئیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آیا ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔

جمہور علماء کے نزدیک صحیح اور مختار یہ ہے کہ آیت میں رفعت سے مکان حسی کی بلندی مراد ہے۔

بلندی مرتبہ مراد نہیں، کیونکہ ظاہر الفاظ قرآن سے یہی متبادر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند مکان یعنی آسمان پر اٹھایا، اور مرتبہ کی بلندی بھی اسی میں زیادہ ہے کہ ان کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ مقام مدح کے لئے یہی معنی مناسب ہیں۔ اس لئے کہ جو عظیم المرتبہ ہوتا ہے وہی آسمان پر اٹھایا جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ج ۱) اور امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کا میلان بھی اسی معنی کی طرف ہے کہ آیت میں رفع سے مکان بلند یعنی آسمان کی طرف اٹھایا جانا مراد ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنْ

وہ لوگ ہیں جن پر نعمت دی اللہ نے پیغمبروں میں

ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّیَّۃِ

آدم کی اولاد میں اور ان میں جن کو لاد لیا ہم نے نوح کے ساتھ اور ابراہیم

اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْرَآءِیْلَ وَمِمَّنْ ہَدَیْنَا وَاجْتَبَیْنَا ط اِذَا

کی اولاد میں اور اسرائیل کی اور ان میں جن کو ہم نے سوجھ دی اور پسند کیا، جب

تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا ﴿۵۸﴾

ان کو سنائے آیتیں رحمٰن کی گرتے ہیں سجدہ میں اور روتے۔

ذکر وصفِ عام جنس انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

کہ ہمہ اہل ہدایت واہل کرامت واہل نعمت واہل قرب ومنزلت بودند وبا ایں ہمہ در خشوع وخضوع بانتہا رسیدہ بودہ بودند۔

قال اللہ تعالیٰ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ ... الیٰ ... خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا۔

(ربط) شروع سورت سے یہاں تک خاص خاص انبیاء کے خاص خاص اوصاف بیان کیے گئے۔

اب تمام انبیاء کرام کا وصف عام بیان کرتے ہیں، جو تمام انبیاء میں مشترک ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ جتنے انبیاء کے تمام افراد اور تمام انسانوں میں اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ اور برگزیدہ بندے تھے جن کو حق تعالیٰ نے اپنی خاص ہدایت اور خاص نعمت اور کرامت اور قرب عزت سے سرفراز فرمایا۔ مگر باوجود اس قدر علو مقام اور رفعت شان کے غایت درجہ متواضع تھے اور عبودیت اور بندگی میں کامل تھے کہ خدا کی آیتوں کو سن کر خشوع وخضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ اور زار و قطار روتے تھے۔ پس قرآن کے طریقے پر چلو۔ اور اہل غفلت کے طریقہ پر نہ چلو چنانچہ فرماتے ہیں۔ یہ لوگ جن کا اس سورت میں زکریا علیہ السلام سے لے کر یہاں تک ذکر ہوا۔ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا۔ وہ جو نبیین ہیں ان میں سے بعض صرف نسل آدم سے ہیں۔ جیسے ادریس علیہ السلام اور بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کہ وہ سام بن نوح کے اولاد میں سے ہیں۔ جو کشتی میں سوار تھے اور بعض ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ جیسے اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور بعض اسرائیل یعنی یعقوب کی نسل سے ہیں۔ جیسے موسیٰ و ہارون و زکریا و یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور یہ سب حضرات ان لوگوں میں سے تھے۔ اور جن کو ہم نے ہدایت دی اور جن کو ہم نے برگزیدہ بنایا۔ یہ حضرات ایسے برگزیدہ بندے تھے کہ جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو خوف و خشیت اور غلبہ شوق و محبت سے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔ سماع قرآن کے وقت رونا اور خشوع وخضوع مستحب ہے یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا

پھر ان کی جگہ آئے ناخلف کھو دی نماز اور پیچھے

الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

پڑ گئے مزوں کے سو آگے ملے گی گمراہی۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین

وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

لایا اور کی نیکی، سو وہ لوگ جاویں گے بہشت میں اور ان کا حق نہ

شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

رہے گا کچھ۔ باغوں میں بسنے کے جن کا وعدہ دیا ہے رحمٰن نے اپنے بندوں

بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُونَ

کو بن دیکھے۔ بے شک ہے اس کے وعدہ پر پہنچنا۔ نہ سنیں گے وہاں

فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً

بک بک سوا سلام۔ اور ان کو ہے ان کی روزی وہاں صبح

وَعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ

اور شام۔ وہ بہشت ہے جو میراث دیں گے ہم اپنے بندوں میں

كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

جو کوئی ہوگا پرہیزگار۔

ذکر حال و مآل اہل سعادت و اہل شقاوت

قال اللہ تعالیٰ۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ ... الی ... مَنْ كَانَ تَقِيًّا

ربط: گزشتہ آیات میں سلف صالحین اور انبیاء کرام کا ذکر تھا۔ جو سب دین حق پر تھے، اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ اب ان آیات میں پچھلوں اور ان ناخلف لوگوں کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے انبیاء کرام کے اتباع سے انحراف کیا اور دنیاوی شہوات اور لذات کے پیچھے ہو لیے۔ اور خوش عیشیوں میں مبتلا ہو گئے اور نماز جیسی اہم العبادات کو ضائع کر دیا۔ سو ایسے لوگ حال اور مآل کے اعتبار سے تباہ و برباد ہوئے۔ البتہ جو لوگ اپنی جہالت اور ضلالت سے تائب ہوئے اور انبیاء کرام پر ایمان لائے اور ان کے طریقہ پر چلے وہ اہل سعادت ہیں ان کو بارگاہ خداوندی سے انعام ملے گا۔ اس لیے اب ان آیات میں متبعین اور منحرفین کے حال اور مآل کو اور ان کی سعادت اور شقاوت کو بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ سعادت انبیاء کرام کے اتباع میں ہے اور شقاوت ان کے اتباع سے اعراض و انحراف میں ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

پھر ان اہل سعادت کے بعد بعض کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے سو یہ لوگ عنقریب آخرت میں بدی اور خسارہ میں مبتلا ہوں گے یعنی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کیے سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے

اور ان کے حق میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی یعنی ان کے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی، باغات خلود اور دوام میں داخل ہوں گے۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے۔ برخلاف دنیاوی باغات کے کہ وہ فانی ہیں۔ یہ دائمی باغات ایسے ہیں جن کا رحمٰن نے غائبانہ وعدہ کیا ہے یعنی وہ باغ بندوں کی نظروں سے غائب ہیں کچھ شک نہیں کہ اس کا وعدہ اس کے دوستوں کو ضرور آ کر اور پہنچ کر رہے گا۔ ان باغوں میں سوائے سلام کے کوئی بیہودہ اور لغو بات نہیں سنیں گے۔ اللہ کا اور فرشتوں کا سلام سنیں گے۔ یا آپس کا سلام سنیں گے سلام سے وہ کلام مراد ہے جس سے سلامتی اور خوشی ظاہر ہو یعنی جنت میں عمدہ اور خوشگوار باتیں سنیں گے۔ اور ہر روز ان باغوں میں ان کے لیے صبح و شام ان کا رزق موجود اور حاضر ہوگا۔ جنت میں صبح و شام نہیں مگر جتنی مقدار صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہے اتنی مقدار میں جنت میں ان کو رزق ملے گا جیسا کہ دنیا میں ان کی عادت تھی ورنہ جنت میں دن رات نہیں وہاں ہر وقت نور ہی نور ہوگا۔ شاید وہ روشنی بدلتی رہے گی جس سے اوقات کا فرق معلوم ہوگا یا کوئی اور علامتیں ہوں گی۔ جن سے صبح و شام کی مقدار کو پہچانیں گے۔ جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے کہ پردے چھوڑنے اور دروازے بند کرنے سے رات کا وقت معلوم ہوگا۔ اور پردے اٹھنے سے اور دروازوں کے کھلنے سے دن معلوم ہوگا۔

(دیکھو روح المعانی ص ۱۲ ج ۱۶) واللہ اعلم

وہ جنت جس کا ذکر ہم نے کیا وہ ہے جس کا ہم وارث بنا دیں گے، اپنے بندوں میں سے اس شخص کو جو پرہیزگار ہوگا۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے۔ جو برخلاف سیرت انبیاء کے تھے۔ اس سے اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے جنہوں نے اپنے دین میں تحریف و تبدیلی کی۔ اور بداعمالیوں میں مبتلا ہوئے۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقت نزول سورۂ مریم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی موجود تھی جو اوصاف مذکورہ آیت یعنی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف تھی۔ اور شک نہیں کہ وہ جماعت مہاجرین اور انصار کی تھی۔ وہو المقصود۔ (ازالۃ الخفاء)

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا

اور ہم نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے، اسی کا ہے جو ہمارے آگے اور جو

خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ

ہمارے پیچھے اور جو اس کے بیچ — اور تیرا رب نہیں بھولنے والا — رب

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے سو اسی کی بندگی کر اور ٹھہرا رہ

لِعِبَادَتِهٖ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

اس کی بندگی پر۔ کوئی پہچانتا ہے تو اس کے نام کا۔

ذکر احاطۂ علم وقدرت و اثبات وحدانیت و بیان عبودیت ملائکہ برائے ترغیب عبادت و طاعت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ... الیٰ ... هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا۔

(ربط) اوپر کی آیتوں میں انبیاء کرام کی عبودیت اور بندگی کو بیان فرمایا تھا اب ان آیات میں ملائکہ کرام کی عبودیت اور بندگی کو بیان کرتے ہیں کہ فرشتے بھی اللہ کے حکم بردار بندے ہیں۔ ان کا آسمان سے زمین پر اترنا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ بخاری وغیرہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے کہا کہ تم ہمارے پاس جلد جلد کیوں نہیں آتے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم خدا کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور آپ ہمارے دیر سے آنے کا سبب یہ خیال نہ کریں کہ آپ کا پروردگار آپ کو بھول گیا ہے۔ خدا تعالیٰ بھول چوک اور نسیان اور غفلت سے پاک ہے اس کا علم اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے ہم اس کے حکم کے مطابق نازل ہوتے ہیں۔ تو جب فرشتے باوجود اس عظمت اور رفعت کے حکم الٰہی کے تابع ہیں، حکم الٰہی کے موافق وقت معین پر آتے ہیں تو ہم کو کیا ہوا کہ اس کی اطاعت نہ کریں۔ نیز یہ کہ گزشتہ آیت میں جنت اور عالم قدس کا بیان تھا، اب اس آیت میں عالم قدس کے رہنے والے اور وہاں کی خبریں لانے والے کا بیان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور ہم یعنی فرشتے نہیں اترتے زمین پر مگر تیرے پروردگار کے حکم سے سب اسی کی ملک ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا زمین پر اترنا اور اتنا (رکنا) آپ کے پاس آنا اپنے اختیار سے نہیں۔ جب خدا حکم دیتا ہے تب ہی اترتے ہیں ہمارا ماضی و حال اور استقبال اور دنیا اور آخرت جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں وہ آپ کے حال سے آگاہ ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ہمیں آپ کے پاس بھیجتا ہے ہمارا نزول اور عدم نزول سب اس کے علم اور حکمت سے ہے اور اس کے علم اور حکم میں بھول اور نسیان کا احتمال نہیں وہ مربی اور مدبر ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں ان کا ہے۔ پس جب تمام عالم علوی اور سفلی اس کے قبضۂ قدرت اور دست تصرف میں ہے تو پھر وہاں بھول اور نسیان کیسے ممکن ہے پس جب اس کے مربی اور محسن ہونے کا اقتضاء یہ ہے تو تم اس کی عبادت کیا کرو اور اسی کی بندگی میں لگے رہو اور اس کی عبادت پر جمے رہو۔

یعنی جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ پروردگار آپ کو بھولا نہیں تو پھر صبر اور استقامت پر جمے رہئے اور وحی کی تاخیر سے اور کافروں کے طعن سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوجیئے وہ آپ کا رب ہے۔ جب مصلحت ہوتی ہے تب آپ پر وحی نازل کرتا ہے۔ وحی میں جو کبھی تاخیر ہوتی ہے وہ مصلحت کی بنا پر ہوتی ہے جو معبود نسیان کی بنا پر نہیں ہوتی کیا تو خدا کا کوئی ہمنام اور ہم صفت جانتا ہے۔ یعنی کوئی اس کا مثل نہیں وہ ذات و صفات میں یکتا ہے لہٰذا آپ صرف اسی کی عبادت میں لگے رہئے۔

نکتہ

اس آیت میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر اور استقامت کا حکم دیا۔ اس لیے کہ یہاں دو درجے ہیں ایک درجہ تو عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے اور دوسرا درجہ ہے عبودیت اور غلامی پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کی عبدیت اور عبادت پر مداومت ضروری ہے ایک لمحہ کے لیے بھی جادۂ عبودیت سے قدم نہ ہٹاؤ۔ نیز اس آیت میں عبادت کا حکم سے پہلے رب السموات والارض فرمایا جو ربوبیت کے تحقق کا بیان تھا کہ رب ہی مستحق عبادت ہے اور هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا میں رفع مانع کا بیان ہے۔ یعنی اگر کوئی اس کا مثل ہوتا تو یہ سوال ہو سکتا تھا کہ ہم اس دوسرے خدا کی کیوں نہ عبادت کریں۔ پس جب یہ مانع بھی موجود نہیں تو پھر اس کی عبادت سے کیوں اعراض کرتے ہو اور جب تم جانتے ہو کہ وہ بے مثل اور یکتا ہے تو اس کی عبادت پر جمے رہو۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مر گیا پھر نکلوں گا جی کر۔

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ

سو قسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر بلاویں گے ان کو اور شیطانوں کو پھر سامنے لا ڈالیں گے

حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ

گرد دوزخ کے گھٹنوں پر گرے۔ پھر جدا کر لیں گے ہم ہر فرقہ میں سے جونسا ان میں

أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ

سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہیں جو

معارف القرآن جلد ۵ ۹۲ مریم ۱۹

هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ

جو بہت قابل ہیں اس میں بیٹھنے کے (اس میں پہنچنے)، اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا

عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّ

تیرے رب پر لازم مقرر ۔ پھر بچا دیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور

نَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا

چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اس میں اوندھے گرے۔ اور جب سنائے ان کو ہماری آیتیں کھلی

بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ

کہتے ہیں جو لوگ منکر ہیں ایمان والوں کو دونوں فرقوں میں

خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم

کس کا مکان بہتر ہے اور اچھی لگتی ہے مجلس۔ اور کتنی کھپا چکے ہم پہلے ان سے

مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَن كَانَ

سنگتیں وہ ان سے بہتر تھے اسباب میں اور نمود میں ۔ تو کہہ جو کوئی رہا

فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا

بھٹکتا سو چاہئے اس کو کھینچ لے جاوے رحمن لمبا ۔ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے

مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ

جو وعدہ پاتے ہیں یا آفت اور یا قیامت ۔ سو تب معلوم کر لیں گے

مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيدُ اللَّهُ

کس کا برا درجہ ہے اور کس کی فوج کمزور ہے ۔ اور بڑھاتا جاوے اللہ

الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ

سوجھے ہوؤں کو سوجھ ۔ اور رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ

تیرے رب کے ہاں بدلہ اور بہتر پھر جانے کو جگہ ۔ بھلا تو نے دیکھا وہ جو منکر

بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ

ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو ملنا ہے مال اور اولاد ۔ کیا جھانک آیا ہے غیب

اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ

کو یا لے رکھا ہے رحمٰن کے ہاں اقرار ؟ یوں نہیں، ہم لکھ رکھیں گے جو کہتا

وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَ

ہے اور بڑھاتے جاویں گے اس کو عذاب میں لمبا ۔ اور ہم لے لیں گے اس کے مرنے پر جو بتلا رہا

يَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

ہے اور آویگا ہم پاس اکیلا۔

اثبات معاد و بیان حال و مآل اہل طاعت و اہل معصیت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۔

ربط: گزشتہ رکوع میں اہل طاعت اور اہل معصیت یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام ذکر فرمایا کہ مرنے کے بعد ان کا یہ حال ہوگا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کے شبہات کا جواب دیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں۔

اہل غفلت اور ارباب شہوت کا عموماً یہ طریقہ ہے کہ وہ حشر و نشر کے منکر ہوتے ہیں۔ اور تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے۔ یہ لوگ دوبارہ زندہ ہونے کو محال اور خدا کی قدرت سے خارج سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس نادان انسان کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ وہ پہلے نیست اور نابود تھا۔ ہم نے ہی اس کو پیدا کیا تو پھر ہم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز گزشتہ آیات میں صبر اور عبادت کا حکم تھا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ صبر اور عبادت کا پھل قیامت کے دن ملے گا۔

کہ ہر شخص کو دوزخ کے اوپر سے یعنی پل صراط سے ضرور بالضرور گزرنا ہے جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے اہل ایمان اور اہل تقویٰ اس پر سے صحیح وسالم گزر جائیں گے اور کافر سر اور گھٹنوں کے بل اس میں اوندھے جا گریں گے۔ اور گنہگار مسلمان بھی اسی طرح دوزخ میں جا گر پڑیں گے۔ لیکن کچھ مدت بعد اپنے اعمال صالحہ کی برکت سے اور انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ پھر آخر میں بلاواسطہ ارحم الراحمین اپنے دست رحمت سے ان گنہگاروں کو نکالے گا جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تھا۔ اب اس کے بعد جہنم میں صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا جیسا کہ فرماتے ہیں پھر اس ورود اور مرور وعبور کے بعد ہم نجات دیں گے۔ ان لوگوں کو جو خدا سے ڈرتے تھے یعنی ہم اہل تقویٰ کو بقدر تقویٰ نجات دیں گے اور ان کو بچا لیں گے۔ اور ان کو صحیح سالم نکال کر لے جائیں گے اور جو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں گر پڑا ہے اس کو بعد میں دوزخ سے نکال لیں گے۔ اور ظالموں کو ہم اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے ______ اور اگر وہ ظالم کافر و مشرک ہے اور ظلم عظیم کا مرتکب ہے تو اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں گے اور اگر گنہگار مسلمان ہے تو چند روز کے لیے چھوڑ دیں گے اور پھر اس کو نکال لیں گے۔

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ وَإِن مِّنكُمْ کا خطاب عام ہے جس کے مخاطب سارے عالم کے لوگ ہیں جس میں مومن اور کافر اور صالح اور طالح سب ہی داخل ہیں اور ورود کے معنی عبور اور مرور کے ہیں، یعنی کسی چیز کے پاس پہنچنے کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ۔ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۔ اور ورود سے پل صراط پر سے گزرنا مراد ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مومن اور کافر سب کو پل صراط پر سے ہو کر گزرنا ہے۔ جو جہنم کی پشت پر قائم کیا جائے گا۔ جنت میں جانے کا راستہ یہی پل صراط ہے۔ مومن تو اس پر سے صحیح و سالم گزر جائیں گے۔ اور کافر اس میں گر پڑیں گے جیسا کہ بعد والی آیت اس معنی پر دلالت کرتی ہے کہ ہم مومنوں کو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں گرا دیں گے۔ اور پل صراط پر سے گزرنے کی رفتار بقدر اعمال ہوگی۔ کوئی مثل برق (بجلی) کے گزرے گا۔ اور کوئی مثل تیز گھوڑے کے اور کوئی مثل شتر سوار کے اور کوئی مثل دوڑنے والے آدمی کے اور کوئی مثل معمولی رفتار کے۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ورود سے عبور اور مرور کے معنی مراد ہیں خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ دوزخ کی پشت پر جو پل قائم کیا جائے گا تم سب کو اس پر سے گزرنا ہے جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی پشت کو جنت میں جانے کا راستہ بنایا ہے۔ اہل ایمان اور خدا سے ڈرنے والے اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ کے موافق اس پر سے صحیح سالم گزر جائیں گے اور گنہگار اور بدکار الٹے منہ دوزخ میں گر پڑیں گے۔ پھر کچھ عرصہ بعد گنہگار اہل ایمان انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ اور پھر اخیر میں بلاواسطہ ارحم الراحمین کے دست رحمت سے وہ لوگ بھی دوزخ سے نکال لیے جائیں گے کہ جن میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اور صرف کافر جہنم میں باقی رہ جائیں گے جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ۔

غلامی بخشی اور اس نعمت عظمیٰ پر اللہ کا شکر کریں۔

دوم یہ کہ کافروں کے غم اور حسرت میں اضافہ ہو کہ جن کو ہم نے دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھا تھا وہ تو آج عیش و عشرت میں ہیں اور ہم عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہیں۔

سوم یہ کہ مسلمانوں کے دشمن ان کے روبرو فضیحت ہوں۔

چہارم یہ کہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ جس حشر و نشر کی ہم تکذیب کرتے تھے وہ ہی حق نکلا۔

پنجم یہ کہ مسلمانوں کو جنت کی نعمت کی قدر معلوم اور اس کی لذت محسوس ہو اس لیے کہ کسی نعمت کی قدر و قیمت مقابلہ سے ہوتی ہے۔ وبضدها تتبين الاشياء (تفسیر کبیر صفحہ ۵۰۲/۵)

اور علماء تفسیر کے اس گروہ کے نزدیک جو ورود کو بمعنی دخول لیتے ہیں آیت اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ سے نفس جہنم سے بعد اور دوری مراد نہیں۔ بلکہ اس کے عذاب سے دوری مراد ہے برگزیدہ حضرات کے حق میں تھوڑی دیر کے لیے بطور معائنہ جہنم کے علاقہ میں داخل ہونا موجب رحمت و کرامت ہوگا۔ جیل خانہ میں مجرموں کا داخل ہونا اور نوع کا ہے اور حکام کا بطور معائنہ اس میں داخل ہونا یہ اور نوع کا ہے دونوں دخول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

کفار کے ایک مغالطہ کا جواب

گزشتہ آیات میں منکرین حشر کے ذلت آمیز عذاب کا ذکر فرمایا کہ ان ظالموں کو ذلت و خواری کے ساتھ ہم اسی جہنم میں گرا دیں گے یہ ظالم جب اس قسم کی آیتیں سنتے جن میں ان کے ذلت آمیز انجام کا ذکر ہوتا تو بطور استہزاء و تفاخر غریب مسلمانوں سے یہ کہتے کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی تم سے اچھے رہیں گے جس طرح دنیا میں ہم تم سے مال و دولت اور عزت و وجاہت کے اعتبار سے بہتر ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطہ کا جواب دیتے ہیں اور ان ظالموں کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور قیامت کے دلائل ان کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں۔ اور وہ ان کے جواب سے عاجز آ جاتے ہیں تو ازراہ جہالت کافر ایمان والوں سے یہ کہتے ہیں کہ بتلاؤ تو سہی کہ ہم دونوں فریق میں سے کون سا فریق مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے اور کون سا باعتبار مجلس کے عمدہ ہے منکرین حشر جب دلائل حشر کے جواب سے عاجز آ گئے تو یہ کہنے لگے کہ بتلاؤ دنیا میں کون زیادہ معزز ہے اور کس کی مجلس اور سوسائٹی بہتر ہے اور کون عمدہ مکانات اور موٹروں اور بنگلوں کا مالک ہے اور کون ٹھاٹھ سے زندگی گزار رہا ہے پس جس طرح ہم یہاں راحت و عزت میں ہیں اور تم ذلت اور مصیبت میں اسی طرح ہم عالم آخرت میں معزز اور سربلند ہوں گے اور تم اسی طرح پستی میں ہو گے اگر تم حق پر ہوتے اور ہم باطل پر ہوتے تو تمہارا حال ہم سے بہتر ہوتا اللہ تعالیٰ آئندہ آیت میں اس بات کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ان کفار سے پہلے کتنی ہی امتیں اور جماعتیں ہلاک کر چکے ہیں۔ جو سامان زندگی یعنی مال و متاع میں اور مال و دولت اور عزت و شوکت میں اور نمود اور منظر میں ان سے بہت بڑھے تھے۔ جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اللہ نے ان کو تباہ

اور برباد کر دیا معلوم ہوا کہ دنیا کی چند روزہ خوشحالی اور مال و دولت کی فراوانی مقبولیت اور محبوبیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان مغرور متکبر دولت مندوں اور عیش پرستوں کو دنیا میں تباہ و برباد اور ذلیل و خوار نہ کرتا ان کا مال و سامان اور ان کی عزت و وجاہت ان کی ہلاکت اور ذلت کو دفع نہ کر سکی۔

ف اثاث کے معنی ساز و سامان کے ہیں جو تمام اقسام کے اموال کو اور اونٹ اور گھوڑے اور حشم و خدم کو اور اسباب خانہ کو شامل ہے اور رئیاً کے معنی یہ ہیں کہ جو منظر اور ظاہری ہیئت میں خوبصورت ہو۔ اور دیکھنے میں اچھی معلوم ہوتی ہو جیسے آج کل بنگلوں کا سامان آرائش و زیبائش جسے نادان اور فرعون بھی دیکھ کر دنگ رہ جائے۔ ان کافروں کی نظر صرف دنیا پر تھی ایسی کہ جو کچھ عزت و وجاہت ملی اور کچھ مال و دولت ملا مست ہو گئے۔ اور اترانے لگے اور غریب اور نادار مسلمانوں کو حقیر سمجھنے لگے اپنی فراخی اور مسلمانوں کی تنگدستی کو اس بات کی دلیل قرار دینے لگے کہ ہم حق پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں قریش مکہ کو یہ ہوش نہ آیا کہ نصاریٰ روم بھی ہمارے مخالف ہیں اور ایران کے مجوسی بھی ہمارے مخالف ہیں اور دونوں گروہ مال و دولت اور عزت و وجاہت میں مکہ کے بت پرستوں سے ہزار درجہ بڑھ کر تھے۔ تو کیا قریش مکہ کے نزدیک نصاریٰ اور مجوس کی یہ ہوش ربا مالداری ان کے حق ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے۔

جواب دیگر اب آئندہ آیت میں اسی شبہ کا دوسرا جواب دیتے ہیں۔ اور اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ کہہ دیجئے اے نبی آپ ان کافروں سے یہ کہہ دیجئے کہ اللہ کی عادت یوں جاری ہے کہ جو شخص گمراہی میں غرق ہے۔ تو رحمٰن اس کو ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے۔ خوب ڈھیل دیتا۔ یعنی اس کو رحمٰن کی رحمت اور اس کے علم سے مہلت مل رہی ہے ورنہ اس کے جرم کا مقتضاء تھا کہ فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ گمراہوں کو فوراً پکڑے وہ حلیم و کریم ہے۔ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو مہلت دیتا ہے اور اس کی عمر کو دراز کرتا ہے اور پے درپے تنبیہیں بھیجتا رہتا ہے تاکہ اس پر حجت پوری ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ وقال تعالیٰ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا یعنی ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ کھل کر گناہ کر لیں اور دل کی حسرتیں نکال لیں اس لیے دنیا ان پر خوب کشادہ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جس کا اللہ کی طرف سے وعدہ[۲] یا وعید کی گئی ہے۔ خواہ دنیاوی عذاب کو دیکھیں اور خواہ قیامت کو دیکھیں جو عذاب کی انواع و اقسام کا مجموعہ

۱؎ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا کا ترجمہ ہے۔ یہ صیغہ امر کا ہے مگر معنی اس کے خبر کے ہیں۔ معنی مرادی کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا اور لفظی ترجمہ یہ ہے کہ چاہیے کہ دراز کرے رحمٰن اس کے لیے خوب دراز کرنا۔ اور خبر کو صیغہ امر سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ اشارہ اس طرف ہے کہ مقتضائے حکمت اس مہلت کا واقع ہونا ضروری ہے۔

۲؎ اس تردید میں اشارہ اس طرف ہے کہ یوعدون، وعد یا وعدہ سے مشتق ہے یا وعید سے دونوں کی گنجائش ہے۔

ہے۔ تو اس وقت ان پر حقیقت حال کھل جائے گی، اور اس وقت جان لیں گے کہ کون بدتر ہے باعتبار جگہ اور ٹھکانے کے یا باعتبار مقام[1] اور مرتبہ کے اور کس کے مددگاروں کی فوج کمزور ہے۔ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے کہ دونوں فریقوں میں سے کس کے مکانات عمدہ اور کس کی مجلسیں شاندار ہیں، اور کس کے یار مددگار زور دار ہیں وہاں ان کے لیے نہ کوئی ٹھکانا ہوگا اور نہ کوئی یار مددگار ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم آپ ان گمراہوں سے جو اپنی مال و دولت کے نشہ میں مسلمانوں کو حقیر سمجھ رہے ہیں ان سے یہ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ حلیم اور کریم ہے۔ سرکشوں کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ضلالت کو مہلت دیتا ہے کہ اپنے غرور اور جہالت کی امنگیں پوری کر لیں جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو یکایک ان کو دنیاوی یا اخروی عذاب میں پکڑتا ہے اس وقت وہ جان لیتے ہیں کہ کون صاحب عزت اور صاحب عزت کون ہے اور کون ذلیل و خوار ہے معلوم ہوا کہ حسب و نسب اور مال و دولت مدار فضیلت نہیں بلکہ عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ مدار فضیلت ہیں۔ کافر دنیا میں غرور اور فخر سے یہ کہتا تھا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا۔ قیامت کے دن اس کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مقام بڑا ہے اور کس کی مجلس بڑی ہے اللہ تعالیٰ کے حلم نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے

ایں مشو مغرور بر حلم خدا — دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

خلاصۂ کلام یہ کہ آیات بینات کی تلاوت سے گمراہوں کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان آیات بینات سے راہ راست اختیار کرنے والوں کے لیے ہدایت بڑھاتا ہے۔ جس قدر آیات بینات کو سنتے ہیں اسی قدر ان کے ایمان اور ہدایت میں زیادتی ہوتی ہے۔ آیات بینات سے مومنین کے ایمان اور ایقان میں زیادتی ہوتی ہے اور کافروں کی گمراہی میں زیادتی ہوتی ہے۔

جواب دیگر اور اہل دنیا جو بطور تمسخر اور استہزاء غریب مسلمانوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ جس طرح ہم دنیا میں باعتبار مال و دولت کے تم سے بہتر ہیں۔ اسی طرح ہم آخرت میں بھی تم سے اچھے رہیں گے۔ ان کی اس بات کے دو جواب پہلے گزر گئے۔ اب آگے ایک اور جواب دیتے ہیں۔

اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی اعمال صالحہ اور اعتقادات حقہ تیرے پروردگار کے نزدیک باعتبار جزاء کے بھی بہتر ہیں اور باعتبار انجام اور ثمرہ کے بھی بہتر ہیں۔ "باقیات صالحات" سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو مرنے کے بعد انسان کے کام آویں حدیث میں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا ہے۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے ورنہ تمام اعمال صالحہ اس میں داخل ہیں۔ سورۂ کہف کے چھٹے رکوع میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے اور

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا میں دو احتمال ہیں کہ مکان سے جگہ اور ٹھکانے کے معنی مراد ہوں یا مقام اور مرتبہ کے معنی مراد ہوں۔ واللہ اعلم۔

اس پر عذاب پر عذاب ہوگا۔ اور جس مال اور اولاد کا وہ ذکر کرتا ہے اس کے ہم وارث ہوں گے اس کے مرتے ہی وہ سب اس سے چھن جائے گا اور وہ قیامت کے دن ہمارے پاس تن تنہا آئے گا۔ نہ اس کے ساتھ اس کا مال ہوگا، اور نہ اس کی اولاد ہوگی، قیامت کے دن کافر کو نہ مال کام آئے گا، اور نہ اولاد ساتھ دے گی۔ بخلاف مسلمان کے کہ وہاں اس کو مال بھی کام آئے گا اور اولاد بھی کام آئے گی۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا

اور پکڑا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو پوجنا کہ وہ ہوں

لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ

ان کی مدد۔ ہرگز نہیں! وہ منکر ہوں گے ان کی بندگی سے اور ہو جاویں گے ان

ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

کے مخالف۔ تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر؟

تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

اچھالتے ہیں ان کو ابھار کر۔ سو تو جلدی نہ کر ان پر، ہم تو پوری کرتے ہیں ان کی

عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾

گنتی۔ جس دن ہم اکٹھا کر لاویں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بلائے۔

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ

اور ہانک لے جاویں گے گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے۔ نہیں اختیار رکھتے

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَ

لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا رحمٰن سے اقرار۔ اور

قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـــًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾

لوگ کہتے ہیں رحمٰن رکھتا ہے اولاد۔ تم آگئے ہو بھاری چیز میں۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ

ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں

الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا

پہاڑ ڈھے کر ۔ اس پر کہ پکارتے ہیں رحمٰن کے نام پر اولاد ۔ اور نہیں

يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي

بن آتا رحمٰن کو کہ رکھے اولاد ۔ کوئی نہیں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ

آسمان و زمین میں جو نہ آوے رحمٰن کا بندہ ہو کر ۔ اس پاس

أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ان کا شمار ہے اور گن رکھی ہے ان کی گنتی ۔ اور ہر کوئی ان میں آوے گا اس پاس قیامت

فَرْدًا ﴿۹۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ

کے دن اکیلا ۔ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں نیکیاں ان کو دے گا

لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ

رحمٰن محبت ۔ سو ہم نے آسان کیا یہ قرآن تیری زبان میں اسی واسطے

الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ

کہ تو خوشی سناوے ڈرنے والوں کو اور ڈراوے جھگڑالو لوگوں کو ۔ اور کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے

قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ

سنگتیں ۔ آہٹ پاتا ہے تو ان میں کسی کی یا سنتا ہے

لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

ان کی بھنک

ابطال عقیدۂ ابنیت

دربیان ضلال و وبال منکرین وحدانیت و منکرین قیامت برائے تسلیۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا

ربط: شروع سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبودیت اور بلا باپ کے ان کی ولادت کا ذکر فرمایا تاکہ ان کی والدہ ماجدہ کی عصمت و نزاہت ثابت ہو جائے اور یہود بے بہبود کا رد ہو۔ جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کو ولد الزنا سمجھتے تھے اب ان آیات میں ان لوگوں کے زعم فاسد کا رد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتلاتے ہیں۔ اور ان کی پرستش کرتے ہیں۔

نیز گزشتہ آیات میں قیامت اور خدا پرستوں کا حال اور مآل بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی جہالت اور ضلالت اور سوء عاقبت کو بیان کرتے ہیں جو مشرک ہیں اور خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسے نصاریٰ اور یہ بتلاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ایسا جرم عظیم ہے کہ اندیشہ ہے کہ آسمان اور زمین شق ہو جائیں اگر اللہ تعالیٰ کا حلم نہ ہوتا تو یہ گستاخ کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے۔

اور جب دنیا میں کفار اور مشرکین کی جہالت اور آخرت میں ان کی فضیحت بیان کر چکے تو سورت کو جوابِ مؤمنین صالحین پر ختم فرمایا اور یہ بتلایا کہ ایمان اور عمل صالح کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ من جانب اللہ لوگوں کے دلوں میں مؤمن کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ جس سے وہ محبوب خلائق ہو جاتا ہے اور سورت کو ایک موعظت عظیمہ پر ختم فرمایا۔ یعنی وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ پر سورت کو ختم فرمایا کہ یہ دنیا فانی اور آنی جانی ہے اپنے انجام کو سوچو اور مال و دولت کے غرہ میں نہ رہو۔ اس سورت کو رحمت کے ذکر سے شروع فرمایا اور عذاب اور تہدید پر اس کو ختم فرمایا یہ انداز کلام خاص طور پر موجب لطف ہے۔

نیز گزشتہ آیتوں میں ناخلف لوگوں کا حال اور مآل بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں دوسرے ناخلف لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں جو خدا کے لیے بیٹا ثابت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت پر تو فخر کرتے ہیں اور اپنی جہالت اور ضلالت کو نہیں دیکھتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان نادانوں نے بنا لیے اللہ کے سوا اور معبود جن کی یہ عبادت کرتے ہیں۔ تاکہ وہ معبود ان کے لیے اللہ کے یہاں عزت اور نصرت کا سبب بنیں اور خدا کے یہاں ان کی شفاعت کریں اور ان کی شفاعت کی بدولت خدا کے یہاں عزت پائیں ہرگز نہیں یعنی کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ان نادانوں کا محض سودائے خام ہے۔ جن کو انہوں نے اپنے گمان سے عز

دعوت دیتے ہیں۔ جو عقل والے ہیں وہ انبیاء کرام کی دعوت کو قبول کرتے ہیں اور جو شہوت پرست نفس کے بندے ہیں وہ شیطان کی دعوت کو قبول کرتے ہیں جو مخلوق اللہ کی نافرمانی اور اس کے مقابلہ پر تل جاتے ہیں اور مستحق سزا کے ہو جاتے ہیں۔

پس اے نبی آپ ان بدبختوں کے لیے عذاب اور سزا کی جلدی نہ کیجئے۔ ہم ان کے جرم سے غافل نہیں ہم نے ان کی سزا کے لیے ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ جز این نیست کہ ہم ان کی مدت کو شمار کر رہے ہیں آپ شمار کرنا جب وہ شمار پوری ہو جائے گی اسی وقت ان پر عذاب آئے گا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے عذاب میں جلدی نہ کیجئے ہم نے ان کو جو مہلت دے رکھی ہے اور ان کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی ہے اور ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور ان کی میعاد کے دن ہم گن رہے ہیں جب دن پورے ہو جائیں گے تو ضرور عذاب آئے گا اور کسی طرح نہیں بچیں گے اور ان مجرموں کو سزا اس دن ملے گی کہ جس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی بارگاہ کی طرف اعزاز و اکرام کے ساتھ وفد بنا کر سواریوں پر لے جائیں گے۔ جیسے معزز وفد کو شہنشاہ کی بارگاہ میں سوار کر کے لے جاتے ہیں۔ اور مجرموں کو جانوروں کی طرح جہنم کی طرف پا پیادہ اور پیاسا ہنکا کر لے جائیں گے جس طرح پیاسے جانوروں کو گھاٹ کی طرف ہنکا کر لے جاتے ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو پا پیادہ اور پیاسا ہنکا کر دوزخ کے گھاٹ پر جا کر اتار دیں گے۔

بے شمار روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ متقین اعزاز و اکرام کے ساتھ سواریوں پر سوار کر کے جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ اور مجرم لوگ پا پیادہ اور پیاسے جانوروں کی طرح ذلت اور خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ اور اس روز لوگ شفاعت کے مالک اور مختار نہ ہوں گے مگر جس نے رحمٰن سے کوئی پروانہ لیا۔ یعنی اس روز کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ مگر جس کو اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو جیسے انبیاء و اولیاء اور جن کے لیے اجازت ہو بغیر اس کی اجازت کے کوئی زبان نہیں ہلا سکے گا۔ اور سفارش انہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے لیے سفارش کی اجازت ہوگی جیسے مسلمان اور کافروں کے لیے سفارش کی اجازت نہ ہوگی۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کا رد فرمایا اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں جو خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنے لیے اولاد بنائی یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ تم نہایت بڑی بھاری بات لاتے ہو اور جرم عظیم کے مرتکب ہوتے ہو قریب ہے کہ تمہاری اس گستاخی سے آسمان پھٹ پڑیں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اور زمین پھٹ جائے اور یہ اس میں دھنس جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں اور وہ ریزے اڑ کر ان کو لگ جائیں۔ جس سے یہ ہلاک یا زخمی ہو جائیں اس لیے کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لیے اولاد ٹھہرائی ہے۔ یہ ایسی بھاری بات ہے کہ اگر اس سے سارا عالم تہ و بالا ہو جائے تو کچھ تعجب کی بات

نہیں۔ مگر وہ رحمٰن حلیم اور بردبار ہے۔ گستاخی اور نالائقی پر فوراً سزا نہیں دیتا۔ كما قال الله تعالى إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا۔ غرض یہ کہ یہ کلمہ نہایت درجہ خراب اور بُرا ہے اور جس سے اللہ کا غضب اور قہر جوش میں آجاتا ہے اور زمین اور آسمان اس سے تھرا جاتے ہیں اور اندیشہ ہوتا ہے کہ دنیا تباہ نہ ہو جائے۔ رحمٰن کی شان کے شایان نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔ بیٹا باپ کا شبیہ اور نظیر ہوتا ہے۔ اور کسی درجہ میں باپ کا مددگار بھی ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ شبیہ اور نظیر سے پاک ہے اور کسی کی مدد سے بے نیاز ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے وہ اس کے روبرو ضرور بندہ اور غلام بن کر حاضر ہونے والا ہے تو اس کے بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے۔ بیٹا اور غلام ہونے میں تو منافات ہے۔

البتہ تحقیق اللہ نے سب کو اپنے علم اور قدرت کے احاطہ میں گھیر رکھا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور ہر ایک ان میں قیامت کے دن اس کے پاس تنہا حاضر ہونے والا ہے۔ نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اولاد ہوگی۔ غرض یہ کہ کل عالم اس کے سامنے مجبور اور مقہور ہے اور عاجز اور لاچار ہے اور اس کے علم اور قدرت کے احاطہ میں گھرا ہوا ہے پھر وہ خدا کا شریک یا اس کا فرزند کیسے ہو سکتا ہے۔

خاتمۂ سورت

مشتمل بر بشارت اہل ایمان و طاعت و نذارت اہل طغیان و خصومت و بودن آں از اعظم مقاصد نزول کتاب ہدایت و اغراض بعثت

(ربط) اوپر کی آیتوں میں متقین کے اعزاز و اکرام اور مجرمین کی ذلت و خواری کا ذکر تھا۔ اب اس سورت کو اہل ایمان کی بشارت اور اشرار کی نذارت پر ختم فرماتے ہیں جو کہ تنزیل قرآن اور بعثت نبوی کا عظیم ترین مقصد ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ بالتحقیق جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اخروی نعمتوں کے علاوہ دنیا ہی میں ان کو یہ نعمت عطا کرے گا کہ نیک بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا اور بدوں کے دل میں ان کی ہیبت ڈال دے گا۔ یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظر میں محبوب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بدون سبب ظاہری لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کافروں کے دل میں رعب ڈال دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبد القادرؒ لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت کرے گا یا ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے گا یا مخلوق کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا۔ (کذا فی موضح القرآن)

فائدہ: جاننا چاہیے کہ مقبولیت و محبوبیت اور چیز ہے اور شہرت اور چیز ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔ مقبولیت اور محبوبیت کی علامت نیک بندوں اور خدا پرستوں سے تعلق ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو قبول عام ہو جاتا ہے باقی محض ظاہری شہرت یا کسی غلط فہمی کی بنا پر عوام الناس کا کسی بندہ کی طرف جھک جانا یہ مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

پس اے نبی آپ لوگوں کو یہ بشارت دیجئے۔ کیونکہ اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان پر اسی لیے آسان اور سہل کر دیا ہے کہ آپ اس کے ذریعے بشارت سنائیں پرہیزگاروں کو جنہوں نے کفر اور شرک سے کنارہ کیا۔ اور ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے۔ اور تاکہ آپ اس قرآن کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈرائیں جھگڑالو قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق اور اہل حق سے جھگڑتے ہیں اور اہل باطل کا ساتھ دیتے ہیں جن کو حق سے عداوت ہے اور حق سے عداوت اور نفرت تمام اقسام کفر و معصیت کی جڑ ہے۔ لہٰذا آپ اللہ کے عذاب سے اس جھگڑالو قوم کو ڈرائیے اور بتلا دیجئے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی جھگڑالو قوموں کو ہلاک کر دیا۔ جو حق سے نفرت اور عداوت رکھتے تھے اور اہل حق سے جھگڑتے تھے۔ کیا تو پاتا ہے اور دیکھتا ان ہلاک ہونے والوں میں سے کسی کو یعنی کیا ان میں سے کوئی تجھے دکھائی دیتا ہے یا ان میں سے کسی کی بھنک اور جھنک سنتا ہے۔ رکز کے معنی لغت میں آہستہ آواز کے ہیں۔ حاصل یہ کہ ان ہلاک شدگان میں سے تجھے کسی کا جسم نظر آتا ہے یا کسی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ سب ہی ہلاک ہو گئے کسی کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

لہٰذا عرب کے کافروں کو اپنے انجام کو سوچ لینا چاہیے اور پہلی قوموں کی تباہی اور بربادی سے عبرت پکڑیں اور برے انجام سے ڈریں۔ اور آخرت کی فکر کریں اور قہر الٰہی سے ڈریں اور اللہ کی عادت یہ ہے کہ نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ یہ صفت اور عادت تو کفار کی تھی۔ مگر اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں کا یہی اور عملی طور پر یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے اور ہم کو حسن اعمال کی توفیق دے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے آمین یا رب العالمین۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ آج بتاریخ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ یوم چہار شنبہ بوقت تہجد سورۂ مریم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معہم یا ارحم الراحمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سُورۃ طٰہٰ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں چونکہ اس سورت کے شروع میں طٰہٰ کا لفظ آیا ہے اس لئے یہ سورۃ اسی نام سے موسوم ہوئی اور اس سورت کا ایک نام کلیم بھی ہے۔ سورۂ مریم میں حق تعالیٰ نے متعدد انبیاء کرام کے واقعات اور قصے ذکر کئے بعض تفصیل کے ساتھ جیسے زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور بعض اجمال اور اختصار کے ساتھ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور باقی انبیاء کرام کے قصوں کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا جیسا قال اللہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ۔ الآیات۔ اب اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور پھر آخر سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی قدرے تفصیل کرتے ہیں جن کا سورۂ مریم میں محض نام ذکر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ اور اس سورت کے بعد سورۂ انبیاء میں ان انبیاء کرام کے قصے ذکر فرمائے جن کے قصے سورۂ مریم میں ذکر نہیں فرمائے تھے۔ جیسے حضرت نوح اور لوط اور داؤد اور سلیمان اور ایوب اور الیسع اور ذوالکفل اور ذوالنون علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور جن انبیاء کرام کے قصے سورۂ مریم میں ذکر ہو چکے تھے سورۂ انبیاء میں ان کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ کا قصہ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا لیکن سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صرف اتنا قصہ ذکر فرمایا جو قوم سے متعلق تھا اور جتنا قصہ ان کے باپ آزر سے متعلق تھا چونکہ اس کا ذکر سورۂ مریم میں ہو چکا تھا اس لئے سورۂ انبیاء میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً

طٰہٰ۔ اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے مگر نصیحت کے واسطے

لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ

جس کو ڈر ہے ۔ اتارا ہوا اس شخص کا جس نے بنائی زمین اور آسمان

الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اونچے ۔ وہ بڑی مہر والا تخت کے اوپر قائم ہوا ۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَ

اور زمین میں ہے اور ان دونوں کے بیچ اور نیچے گیلی زمین کے ۔ اور

اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ

اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو خبر ہے چھپے کی اور اس سے چھپے کی ۔ اللہ ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝۸

جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی ۔ اس کے ہیں سب نام خاصے ۔

تقریرِ رسالت و وحدانیت

قال اللہ تعالیٰ: طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ... اللّٰهُ ... لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝

ربط: گزشتہ سورت کے ختم پر نزولِ قرآن کا ذکر تھا۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ ، یعنی ہم نے قرآن آپ کی زبان یعنی عربی میں اس لئے نازل کیا کہ آپ کو متقین کی تبشیر اور معاندین کا انذار آسان ہو جائے۔ اب اس سورت کے شروع میں انزالِ قرآن کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اس قرآن کے نازل کرنے سے ہمارا مقصود نصیحت اور عظمت اور وحدت کی ہدایت ہے کہ ان کو زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے کی معرفت حاصل ہو اور سمجھیں کہ لائقِ عبادت وہی معبودِ برحق ہے جس کی قدرت اور جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔

ابتداء میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا تو آپ نماز تہجد میں اس قدر طویل قیام فرماتے کہ قدم مبارک ورم کر جاتے۔ بدبخت کافروں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ اس شخص پر قرآن کیا نازل ہوا یہ تو اور مشقت میں پڑ گیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

طٰہٰ واللہ اعلم بمرادہ بہ الاالف لے نہیں ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ایسی مشقت اور تعب میں پڑ جائیں لیکن یہ قرآن تو ہم نے اس شخص کی نصیحت کے لیے نازل کیا ہے جو خدا سے ڈرتا ہو۔ لہٰذا آپ کسی کے کہنے سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں جس کی قسمت میں ڈرنا اور ماننا ہے وہ مانے گا۔ جس قدر آپ کو آسان ہو اتنا پڑھ لیا کیجئے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ اور اس قدر تعب اور مشقت میں نہ پڑیے۔ مشرکین یہ خیال نہ کریں کہ اللہ نے آپ پر کوئی مشقت اور تعب کی چیز نازل کی ہے بلکہ وہ ایک خیر کثیر اور کتاب حکمت اور موعظت ہے۔ اور مشعل ہدایت اور ابر رحمت اور سامان سعادت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن رحمت کے لیے نازل کیا ہے نہ کہ زحمت کے لیے۔

یا یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن ہم نے آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ان سرکشوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رنج اور حسرت میں پڑ جائیں بلکہ اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ ان کو نصیحت کریں اور ان منکرین اور معاندین کی باتوں سے ملول اور تنگ دل نہ ہوں آپ ان کو تبلیغ اور نصیحت کر چکے۔ اب ان کو اختیار ہے کہ چاہیں ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ اور یہ مضمون اس قسم کا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ۔

مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی دعوت اور نصیحت میں جس قدر مشقت اٹھا سکتے تھے وہ آپ نے اٹھا لی۔ آپ ان کے رنج و غم میں اپنی جان ہلاک نہ کیجئے اور یہ قرآن آپ پر اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ وہ رحمٰن ہے جو عرش پر قائم اور جلوہ فرما ہے بمقتضائے رحمانیت اس نے بندوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے اور آپ کے قلب مبارک کو اس ارشاد و ہدایت کے لیے کوہ طور سے بڑھ کر مضبوط اور محکم بنایا ہے ہر شخص کا دل ان انوار و تجلیات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ استواء علی العرش کی مفصل تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان اور بلا جہت کے اور بلا حد اور بلا کیفیت کے عرش پر قائم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش عظیم باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہے۔ عرش اس کا مستقر اور جائے قرار نہیں اس لیے کہ وہ نہ مکان کا محتاج ہے اور نہ کسی تخت اور جہت کا محتاج ہے اور نہ عرش اس کو اٹھانے ہوئے ہے اور نہ تھامے ہوئے ہے بلکہ اللہ کی قدرت عرش عظیم کو تھامے اور اٹھائے ہوئے ہے عرش اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے جو محدود اور متناہی ہے اور یہ ناممکن اور محال ہے کہ کوئی شے خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے۔ عرش اور مکان بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ جس شان سے تھا عرش اور مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا کوئی جسم نہیں۔ جو کسی دوسرے جسم پر مستقر اور متمکن ہو سکے۔ (تفسیر)

نے مکاں رہ یافت عرشش نے زماں نے خیال وارد خبر زد نے عیاں

ایں ہمہ مخلوق حکم وارد اسست خالق عالم زعالم برتر اسست

اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ یعنی جو چیز زمین کی تہہ میں ہے وہ بھی اسی کی ملک ہے۔ گیلی مٹی ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بلندی و پستی سب اسی کے قبضۂ تصرف میں ہے اور سب پر اسی کی نظر رحمت ہے۔

یہ تو اللہ کی قدرت ہوئی اور اللہ کے علم کی شان یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو کوئی بات پکار کر کہے تو اس کے سننے میں تو کیا شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سننے میں کسی جہر کا اور کسی آواز کا محتاج نہیں وہ تو ایسا ہے کہ اس کو پوشیدہ بات کا اور پوشیدہ سے زیادہ پوشیدہ بات کا بھی علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر تو دل کے خطرات بھی پوشیدہ نہیں۔ سر کے معنی آہستہ اور پوشیدہ بات کے ہیں جو دوسروں سے چھپا کر کرے اور اخفیٰ وہ بات ہے جو اپنی دل میں رکھے اور کسی سے بھی ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمام اچھے نام اور تمام عمدہ صفات اور کمالات اسی کے لیے ہیں۔ ربوبیت اور خالقیت اور رزاقیت اور مالکیت اور تمام صفات فاضلہ اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ اور کسی میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں۔ اور یہ قرآن اسی ذات مقدس کی نازل کردہ کتاب ہے کہ جو تمام چیزوں کی مالک ہے اور تمام ظاہر و باطن کی عالم ہے۔ اور تمام کائنات کی مربی ہے۔ پس جس پر ایسی مقدس اور مبارک کتاب نازل ہوگی۔ وہ مشقت اور مصیبت میں نہیں پڑ سکتا۔ اسی کتاب کو رحمٰن نے عرش عظیم سے نازل فرمایا ہے۔ اس کتاب کا نزول رحمت کی دلیل ہے نہ کہ زحمت اور مشقت کی علامت ہے۔

وَهَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۞ إِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی ؟ جب اس نے دیکھی ایک آگ تو کہا

لِأَهْلِهِ امْكُثُوْا إِنِّيْ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا

اپنے گھر والوں کو ٹھہرو ! میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تم پاس اس میں

بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۞ فَلَمَّا أَتٰىهَا

سے سلگا کر یا پاؤں اس آگ پر راہ کا پتہ ۔ پھر جب پہنچا

نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۞ إِنِّيْ أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ

آگ پاس آواز آئی اے موسیٰ ! میں ہوں تیرا رب سو اتار اپنی پاپوشیں ۔

إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ

تو ہے پاک میدان طویٰ میں ۔ اور میں نے تجھ کو پسند کیا

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا

سو تو سنتا رہ جو حکم ہو ۔ میں جو ہوں میں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے

فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ

میرے سو میری بندگی کر اور نماز قائم رکھ میری یاد کو ۔ قیامت مقرر آنی ہے میں

أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا

چھپا رکھتا ہوں اس کو کہ بدلا ملے ہر جی کو جو وہ کماتا ہے ۔ سو کہیں

يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ

تجھ کو نہ روک دے اس سے وہ جو یقین نہیں رکھتا اس کا اور پیچھے پڑا ہے

هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾

اپنے مزوں کے پھر تو پڑا جاوے ۔

تفصیل قصۂ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ۔

ربط : اوپر کی آیتوں میں اللہ کی توحید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا بیان تھا۔ اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کو ثابت کیا۔ اور دلیل نبوت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لیے گئے اللہ کے فضل سے ان کو نبوت مل گئی اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا ہوا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کردے تو کیا بعید ہے۔

نیز اس قصہ کے بیان سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی مقصود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام
کی طرح آپ کو بھی دعوت اور تبلیغ میں طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں پیش آئیں گی۔ آپ بھی ان کی طرح
صبر کیجئے بالآخر اللہ تعالیٰ آپ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور فرعون کی طرح
ان منکرین کی ظاہری شان وشوکت سب خاک میں مل جائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور اے نبی بھلا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی خبر بھی پہنچی ہے کہ کس طرح انہوں نے مشقتوں پر صبر کیا۔
آپ بھی تحمل شدائد میں ان کی اقتدا کیجئے۔ کیونکہ توریت میں آپ کو موسیٰؑ کے مانند کہا گیا ہے۔ جس کو
علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے آگاہ
کیا تھا کہ میں بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسمٰعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا پس اسی
مماثلت اور مشابہت کے ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم میں جا بجا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔
تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے توریت میں موسیٰؑ کے مانند کہا
ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک آگ دیکھی جب حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنے ماں باپ اور بھائی کو دیکھنے کے لیے مصر جانے کی اجازت
چاہی تو شعیب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی اور ان کی بیوی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ سردی کا
موسم تھا اور اندھیری رات تھی راستہ بھول گئے اسی پریشانی میں تھے کہ کوہ طور پر دور سے ایک آگ دیکھی
تو اپنی بیوی سے جن کا نام صفورا، یا صفوریا، یا صفورہ تھا یا گھر والوں کا شاید بیوی کے علاوہ کوئی خادم وغیرہ
بھی ساتھ ہو یہ کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میرے پیچھے پیچھے مت آنا۔ میں نے ایک آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں
شاید میں تمہارے واسطے اس آگ میں سے ایک شعلہ لاؤں یا شاید پاؤں آگ کے پاس راستہ کا پتہ یعنی شاید
وہاں کوئی شخص ایسا مل جائے جو مجھے راستہ بتا دے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی
صفورا دختر شعیب علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیے مدین سے مصر کو واپس آرہے تھے جاڑوں کا موسم اور رات کا
وقت تھا بیوی کو حمل تھا۔ آج کل میں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسرے راستہ
پر پڑ گئے۔ کوہ طور کے قریب جا پہنچے۔ سردی کی وجہ سے بے قرار تھے یکایک دور سے ایک آگ نظر آئی حقیقت
میں وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ نور الٰہی تھا جو آگ کی صورت میں نظر آیا اور موسیٰ علیہ السلام اس کو آگ سمجھے۔

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ دراصل نار نہ تھی بلکہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام
نار (آگ) کی تلاش میں نکلے تھے اور آگ ہی ان کا مطلوب اور مقصود تھا اس لیے نور الٰہی بصورت نار
متجلی اور نمودار ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس نور الٰہی کو نار سمجھے اس لیے اس نور کو نار سے تعبیر کیا گیا۔ اور بعض
علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقۃً آگ تھی اور بارگاہ خداوندی کے حجابات میں سے ایک حجاب تھی جیسا کہ صحیح مسلم
کی ایک حدیث میں ہے کہ نور جلال حجابات خداوندی۔ اللہ کا ایک حجاب آگ ہے۔ اگر اللہ اس حجاب کو اٹھا لے
تو اس بے چون وچگون ذات کے تجلیات جلال یعنی انوار وتجلیات جہاں تک نگاہیں پہنچیں سب کو جلا کر بھسم

کر دیا۔ (رواہ مسلم)

نکتہ

موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ اور اہل کو خطاب اُمْكُثُوٓا بصیغہ جمع مذکر خطاب کرنا طریق تکریم تھا۔ جیسے رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ میں بصیغہ جمع مذکر خطاب تکریم ہے۔ اور جیسے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا میں ازواج مطہرات کو بصیغہ جمع مذکر بغرض تکریم خطاب کیا گیا ہے۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو منجانب اللہ آواز دی گئی اے موسیٰ بلا شبہ میں تیرا رب ہوں جو تجھ سے کلام کر رہا ہوں اور دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اس مبارک وادی میں درخت کے قریب پہنچے تو یہ آواز سنی کہ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں گویا کہ یہ درخت بلا تشبیہ و تمثیل ایک قسم کا ٹیلیفون تھا۔ جس میں سے یہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز سنی يٰمُوْسٰى اے موسیٰ تو فوراً لبیک کہا گئی بار یہ آواز سنی اور ہر بار یہی جواب دیا لبیک لیکن ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لیے بولے کہ اے پکارنے والے میں آواز سنتا ہوں اور تیری جگہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے اور کدھر ہے پکارنے والے نے جواب دیا کہ میں تیرے اوپر اور تیرے ساتھ اور تیرے آگے اور تیرے پیچھے اور تیرے تجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا۔ اور یقین کر لیا کہ یہ پکارنے والا اللہ عزوجل ہے کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں۔

نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزاء بدن سے سنا گویا کہ تمام اعضاء بدن کان ہی کان تھے۔ اس لیے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ کے کلام کی ہی ہو سکتی ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۱۳ ج ۶ و روح المعانی ص ۱۵۳ ج ۱۶)

پس جو تجھ میں تیرا رب ہوں اور تجھ سے کلام کر رہا ہوں۔ اس لیے ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ تو اپنی دونوں جوتیاں نکال دے کیونکہ تو ایک پاک وادی میں ہے۔ جس کا نام طویٰ ہے۔ اس لیے سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ برہنہ پا خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تواضع اور ادب کا طریقہ یہی ہے کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتے پہن کر نہیں جاتے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوتیاں مردار گدھے کے چمڑے کی تھیں یا ان میں کوئی ناپاکی لگی ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے نکالنے کا حکم ہوا اس حکم کا منشا بھی وہی ادب اور احترام ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ جوتیاں اتارنے کا حکم ادب اور احترام کی بنا پر دیا گیا ہے کہ مقامات متبرکہ و مقدسہ کا ادب یہی ہے کہ آدمی ننگے پاؤں ہو تاکہ وہاں کی مٹی کی برکت پاؤں کو پہنچے جیسا کہ خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ اس میں برہنہ پا داخل ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر بن خصاصیہؓ کو دیکھا کہ جوتے پہنے ہوئے قبروں کے درمیان سے گزر رہے ہیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا کنت فی مثل ھذا المکان فاخلع نعلیک قال فخلعتھما۔	اے بشیر جب تو ایسی جگہ میں ہو تو جوتے اتار دیا کر بشیر کہتے ہیں کہ میں نے جوتے اتار دیئے۔

حضرت علیؓ اور سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ اور ابن جریجؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ ادب اور تواضع کا تقاضا یہی ہے کہ دعا اور مناجات کے وقت جوتے اتار دینے چاہئیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی صفحہ ۲۰ ۱۱ دیکھیں۔

عطائے خلعت نبوت و رسالت

یہ ابتدائی وحی اور آغاز تکلیم خداوندی کا بیان تھا، اب آگے خلعت نبوت و رسالت سے عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا برگزیدہ بنایا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ یعنی اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنی رسالت اور کلام کے لیے چھانٹ لیا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اول موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسی وقت اور اسی مکان میں ان کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا فرما دیا کہ ہم نے تم کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور اسی وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ پس اے موسیٰ خوب غور سے سنو اس وحی کو جو تمہاری طرف کی جاتی ہے اس کے سننے کے لیے ہمہ تن گوش بن جاؤ۔ اور وحی یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کو قائم و دائم رکھو۔ اس لیے کہ تحقیق قیامت اپنے مقرر وقت پر ضرور آنے والی ہے۔ اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر ملے گا۔ اس کے لیے تیار رہو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے وقت کو تمام خلائق سے مخفی اور پوشیدہ رکھوں اور کسی کو اس پر مطلع نہ کروں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ موت قیامت صغریٰ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے اور قیامت قائم کرنے اور اس کے وقت کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی سعی اور جد و جہد کا صلہ اور بدلہ وقت مقررہ پر مل جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی جزاء و سزا کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تاکہ لوگ اس دن کے لیے تیاری کر لیں مگر اس کا وقت کسی کو نہیں بتایا۔ اس لیے کہ جب انسان کو اپنی موت کا یا قیامت کا وقت معلوم ہو جائے گا تو بے فکری کے ساتھ معاصی میں مشغول رہے گا اور یہ سمجھے گا کہ جب موت کا وقت قریب آئے گا اس وقت توبہ کر لوں گا اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ توبہ بھی اس کے اختیار میں نہیں۔ جب بے باکی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب کرے گا تو دل سیاہ ہو جائے گا اور ایمان اور عمل صالح سے متنفر ہو جائے گا تو توبہ کیسے کرے گا۔

إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿۲۲﴾

بازو سے کہ نکلے چمکتا ہوا بغیر کسی برائی کے ایک نشانی اور

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿۲۳﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ

کہ دکھائیں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی۔ جا طرف فرعون کے بے شک وہ

طَغَىٰ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِي

سرکش ہو گیا۔ کہا اے رب کشادہ کر میرا سینہ۔ اور آسان کر

أَمْرِي ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿۲۸﴾

میرا کام۔ اور کھول گرہ میری زبان سے۔ کہ سمجھیں میری بات۔

وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي ﴿۲۹﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ

اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا۔ ہارون میرا بھائی۔ مضبوط کر

بِهِ أَزْرِي ﴿۳۱﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿۳۳﴾

اس سے میری کمر۔ اور شریک کر اس کو میرے کام کا۔ کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم

وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿۳۴﴾ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ

بہت سا۔ اور یاد کریں تجھ کو بہت سا۔ بے شک تو ہے ہم کو خوب دیکھتا۔ فرمایا

أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۳۶﴾

دی گئی تجھ کو تیری مانگ اے موسیٰ۔

عطائے معجزہ

قال اللہ تعالیٰ: یا موسیٰ ... قد اوتیت سؤلک یموسیٰ۔

ربط: گزشتہ آیات میں کلام خداوندی اور منصب نبوت و رسالت کے دیئے جانے کا ذکر تھا۔

جس سے موسیٰ علیہ السلام پر دہشت اور ہیبت طاری ہوگئی۔ اب آئندہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی دہشت اور حیرت دور کرنے کے لیے عطائے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں جو آپ کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث سکینت و طمانیت ہیں، ایک معجزہ عصا کا عطا فرمایا کہ اس کے ڈالنے سے ایک ثعبان، سانپ بن جاتا تھا۔ اور دوسرا معجزہ ید بیضا کا عطا کیا کہ جس سے ایک جسم کثیف ایک جسم لطیف اور نورانی بن جاتا تھا۔ نیز پہلی آیت میں تکلم وغیرہ کا جو تذکرہ ذکر فرمایا اس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات خاص سے تھا اور اس آیت میں جن دلائل نبوت اور براہین رسالت کا ذکر کیا ان کا تعلق امت اور عام خلائق سے ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خلعت نبوت و رسالت عطا فرما دیا تو یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو اس زمانے کے مناسب حال ہوں اور وہ خارق عادت امور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل و برہان ہوں اس لیے عطاء معجزات کا آغاز سوال بحث و موانست سے فرمایا کہ مبادا دفعۃً ان خوارق عادات اور ان عجیب و غریب امور کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرا جائیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب بنا کر یہ سوال کیا اے موسیٰ یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس لاٹھی کا جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی سانپ بنانا منظور تھا۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے ان سے سوال کیا اور یہ سوال، سوال انبساط تھا۔ کہ اے موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے تاکہ وہ اس کو اچھی طرح دیکھ بھال لیں اور ان کو اس کے لاٹھی ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے اور دل سے رعب اور ہیبت جاتی رہے پھر جب وہ سانپ بن جائے تو جان لیں کہ یہ معجزہ ہے اور کرشمۂ قدرت ہے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میرا عصا ہے جس پر کبھی میں سہارا لیتا ہوں اور کبھی اس کو درخت پر مار کر اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس کے علاوہ اس میں اور بھی ضروریات کے منافع ہیں۔ حق جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کے انس کے لیے سوال کیا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى تاکہ وہ مانوس ہو جائیں اور ان کی ہیبت و دہشت دور ہو۔ اور خوب جان لیں کہ کلام کرنے والے حق جل شانہ ہیں اور اس استفہام اور سوال سے مقصود تنبیہ ہے کہ ہوشیار رہیں اور دیئے جانے والے عجائب قدرت کو دیکھ کر گھبرائیں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں چار پانچ باتیں ذکر کیں۔ تین چیزیں تو تفصیل کے ساتھ بیان کیں اور چوتھی چیز یعنی وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى کو اجمالاً ذکر کیا۔ اصل جواب تو ہِيَ عَصَايَ پر پورا ہوگیا تھا۔ لیکن اس شوق میں کہ اللہ رب العزت کے ساتھ کلام میں طول ہو جائے تو جواب میں طول دیا۔

پہلا معجزہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اچھا اپنے اس عصا کو زمین پر ڈال دو اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے

کیا چیز نمودار ہوتی ہے۔ اور یہ عصا کس طرح معجزہ بن جاتا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو زمین پر ڈال دیا یکایک وہ ڈالتے ہی قدرتِ خداوندی سے ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ ابتداء میں وہ سانپ تھا بعد میں وہ اژدھا ہو گیا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ۔ موسیٰ علیہ السلام پر چونکہ ابھی تک حقیقتِ حال منکشف نہ ہوئی تھی۔ اس لیے یکایک اس ہولناک منظر کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ دم کے دم میں ایک عصا سانپ اور اژدہا بن کر دوڑنے لگا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ ڈرو مت تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ اور بطور لطف و عنایت خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا۔ اے موسیٰ اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لو اور اس کی ظاہری صورت سے تم کسی قسم کا کوئی خوف نہ کرو۔ ہم اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ یعنی جب تم اس کو پکڑ لوگے تو ہم اس کو اسی وقت پہلے کی طرح عصا کر دیں گے۔ عصا کی یہ ظاہری صورت تمہارے ڈرانے کے لیے نہیں بلکہ کسی اور کام کے لیے ہے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بدن پر صوف یعنی اون کا قمیص تھا۔ اپنے ہاتھ پر اس کو لپیٹا اس پر فرشتہ نے کہا کہ اے موسیٰ اگر اللہ اسی چیز کو جس سے تو ڈرتا ہے اس کی اجازت دے کہ وہ تیرے ڈنک مارے تو کیا یہ تیرا صوف کا کرتہ اس کو دفع کر سکے گا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کچھ نہیں لیکن میں ضعیف ہوں اور ضعف سے پیدا ہوا ہوں اس پر اپنا ہاتھ کھول دیا۔ پھر اس سانپ کے منہ پر رکھا تو اس کے ڈاڑھوں اور دانتوں کی آواز سنی پھر اس کو پکڑا تو وہی عصا تھا جو ہمیشہ ہاتھ میں رہتا تھا۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کا یہ خوف طبعی اور بشری تھا۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے کبھی ایسا حال مشاہدہ نہ کیا تھا۔ اس لیے ڈر گئے اور ان کا یہ خوف اس بات کی دلیل تھی کہ وہ ساحر اور جادوگر نہیں۔ اس لیے کہ ساحر اپنے سحر سے نہیں ڈرتا۔

نکتہ: شیخ جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے دکھلایا تاکہ جب یہ عصا فرعون کے روبرو سانپ اور اژدہا بن جائے تو موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر گھبرا نہ جائیں یعنی ایسا نہ کریں کہ اس کو نہ پکڑیں تو مخلوق تباہ ہو جائے۔

دوسرا معجزہ

یہاں تک پہلے معجزہ یعنی معجزۂ عصا کا ذکر تھا جو ان کی نبوت و رسالت کی ایک برہان تھی اب آیندہ آیت میں رسالت کی دوسری برہان عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ تاکہ پہلے معجزہ کے ساتھ مل کر آپ کی نبوت و رسالت کے دو گواہ ہو جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اپنے داہنے ہاتھ کو اپنی بغل یا بائیں بازو کے ساتھ ملا دو اور پھر اس کو نکالو تو وہ چاند کی طرح سفید ہو کر بلا کسی عیب کے نکل آئے گا۔

یعنی یہ سفیدی کسی مرض اور عیب کی بنا پر نہ ہوگی جیسا کہ برص ایک مرض ہے جس سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں یعنی جب وہ ہاتھ بغل میں سے نکلے گا تو سفید اور روشن ہوگا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تو وہ مثل آفتاب اور ماہتاب کے چمکتا ہوا نکلتا اور اے موسیٰ ہم نے تم کو نبوت ورسالت کی یہ دوسری نشانی عطا کی جو علاوہ معجزۂ عصا کے ہے۔ جب ایک مرتبہ اپنا ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر اپنی بغل کے نیچے لے جاتے اور نکالتے تو مثل آفتاب و ماہتاب چمکتا ہوا نکلتا اور پھر جب اس کا اعادہ کرتے تو ہاتھ کا رنگ حسب سابق پہلے جیسا ہو جاتا اور یہ دو عظیم الشان نشانیاں ہم نے آپ کو اس لیے عطا کیں تاکہ ہم تجھ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ چنانچہ ہم نے آپ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے اس وقت دو بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ ایک عصا اور ایک ید بیضاء اور یہ دونوں نشانیاں آپ کی نبوت کی بڑی نشانیاں ہیں لہٰذا اے موسیٰ تم یہ نشانیاں لے کر فرعون کی طرف جاؤ تحقیق وہ حد سے گزر گیا ہے۔ اور ایسا سرکش اور مغرور ہو گیا ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ جا کر اسے تبلیغ کرو اور توحید کی دعوت دو اور اگر وہ تمہاری نبوت ورسالت میں شبہ کرے تو اس کو اپنی نبوت کی یہ دو روشن نشانیاں دکھلاؤ اور میری عبادت کی طرف اس کو بلاؤ اور میرے عذاب سے اس کو ڈراؤ اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کے طغیان اور سرکشی کو واضح کرو اس وقت روئے زمین پر فرعون سے بڑھ کر کوئی کافر نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ کا یہ حکم پہنچا تو ڈرے اور یہ خیال کیا کہ اس سرکش جبار اور ظالم کا مقابلہ تو بہت سخت ہے تو عرض کیا کہ اے پروردگار میرا سینہ کھول دیجئے کہ اس بوجھ کو اٹھا سکوں اور کوئی خوف تیرے حکم کی تبلیغ اور دعوت سے مجھے نہ روک سکے اور میرا یہ کام تبلیغ و دعوت میرے لیے آسان فرما دیجئے بغیر آپ کے تیسیر اور تائید کے دشمنان حق سے مقابلہ اور مجادلہ بہت دشوار ہے اور میری زبان سے لکنت کی گرہ کھول دیجئے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی بچپن میں زبان جل گئی تھی جس کی وجہ سے صاف نہیں بول سکتے تھے۔ گرہ سے یہی لکنت مراد ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ لکنت پیدائشی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے [illegible]

ف۱ اشارہ اس طرف ہے کہ آیۃ اخریٰ فعل محذوف کا مفعول ہے جیسا کہ زجاج سے منقول ہے قال الزجاج المعنی اٰتیناک اٰیۃ اخریٰ او نؤتیک لانہ لما قال تخرج بیضاء من غیر سوء دل علی انہ قد اٰتاہ اٰیۃ اخریٰ (تفسیر قرطبی ص ۱۹۲ ج ۱۱)

ف۲ اس ترجمہ میں اشارہ ہے اس طرف کہ الکبریٰ آیاتنا کی صفت ہے اور من آیاتنا کا من تبعیضیہ ہے یعنی بعض ہے۔ جو لنریک کا مفعول ثانی ہے اور اس آیت میں اور بھی وجوہ اعراب ہیں (تفصیل کے لیے روح المعانی ص ۱۹۲ ج ۱۶ دیکھیں)

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿۳۷﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ

اور احسان کیا ہم نے تجھ پر ایک بار اور۔ جب حکم بھیجا ہم نے

أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿۳۸﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ

تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں، کہ ڈال اس کو صندوق میں، پھر اس کو ڈال دے

فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي

پانی میں، پھر پانی اس کو ڈالے کنارے پر، اٹھالے اس کو ایک دشمن میرا

وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً

اور دشمن اس کا۔ اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف

مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿۳۹﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ

سے۔ اور تاکہ تیار ہو تو میری آنکھ کے سامنے۔ جب چلنے لگی تیری بہن

فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ

اور کہنے لگی میں بتاؤں تم کو ایک شخص کہ اس کو پالے، پھر پہنچا دیا ہم نے تجھ کو

أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا

تیری ماں پاس کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھاوے۔ اور تو نے مار ڈالا ایک جان

فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي

پھر بچا دیا ہم نے تجھ کو اس غم سے اور جانچا تجھ کو ایک ذرا جانچنا۔ پھر ٹھہرا تو کئی برس

أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ﴿۴۰﴾ وَ

مدین والوں میں، پھر آیا تو تقدیر سے اے موسیٰ۔ اور

اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿۴۱﴾ اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي

بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے۔ جا تو اور تیرا بھائی لے کر میری نشانیاں

وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾

اور سستی نہ کرو میری یاد میں ۔ جاؤ طرف فرعون کے اس نے سر اٹھایا ۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ قَالَا

سو کہو اس سے بات نرم شاید وہ سوچ کرے یا ڈرے ۔ بولے

رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ

اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبک اٹھے ہم پر یا جوش میں آوے ۔ فرمایا

لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ

نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے سنتا ہوں اور دیکھتا ۔ سو جاؤ اس پاس اور کہو

اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا

ہم دونوں بھیجے ہیں تیرے رب کے سو بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل ۔ اور نہ

تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى

ستا ان کو ، ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے رب کی ۔ اور سلامتی ہو اس کی

مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِىَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ

جو مانے راہ کی بات ۔ ہم کو حکم ہوا ہے کہ عذاب اس پر ہے

عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾

جو جھٹلاوے اور منہ پھیرے ۔ بولا پھر کون ہے صاحب تم دونوں کا اے موسیٰ !

قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾

کہا صاحب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سوجھائی ۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ

بولا پھر کیا حقیقت ہے ان پہلی سنگتوں کی ۔ کہا ان کی خبر میرے رب کے

رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِيْ

پاس لکھی ہوئی ہے، نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے ۔ وہ ہے جس

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا

نے بنا دی تم کو زمین بچھونا، اور چلا دیں تم کو اس میں راہیں

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ

اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالی ہم نے اس سے بھانت

نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

بھانت سبزی ۔ کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو البتہ اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿٥٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ

پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر ڈالتے ہیں

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿٥٥﴾

اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار ۔

تذکیر انعامات و احسانات

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ... الیٰ ... وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۔

ربط: ان آیات میں حق تعالیٰ اپنے وہ انعامات اور احسانات موسیٰ علیہ السلام کو یاد دلاتے ہیں جو نبوت سے پہلے ان پر کیے تھے تاکہ ان کا دل مضبوط ہو جائے اور سمجھ لیں کہ جب نبوت سے پہلے حق تعالیٰ نے مجھ پر اتنے احسانات کیے اور طرح طرح کے مصائب سے مجھ کو بچایا تو اب یہ بدرجۂ اولیٰ میری حفاظت فرمائیں گے جیسا کہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اس واقعہ سے پہلے بھی ہم آپ پر آپ کے بلا سوال اور بلا درخواست کے بار بار احسان کر چکے ہیں تو اب تیرے سوال اور درخواست کے بعد کیسے محروم کریں گے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ احسان ذکر فرمائے۔

پہلا احسان

جب کہ ہم نے تیری ماں کی طرف وہ بات وحی بھیجی تھی جو اب تیری طرف بھیجی جاتی ہے جو اس لائق اور قابل ذکر ہے کہ آپ کی طرف بھیجی جائے اور آپ کو سنائی جائے اور وحی سے وحی الہام مراد ہے۔ وحی نبوت مراد نہیں جیسا کہ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ میں وحی سے الہام مراد ہے اور وہ وحی یہ تھی کہ اس موسیٰ کو جلادوں سے بچانے کے لیے صندوق میں بند کر کے اس صندوق کو دریائے نیل میں پھینک دے۔ پھر وہ دریا اس کو کنارہ پر لے جا کر ڈال دے۔ جس کی ایک شاخ فرعون کے محل تک پہنچتی ہے جب یہ صندوق وہاں پہنچ جائے تو اس کو ایسا شخص اٹھائے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے۔ یعنی فرعون اس کو اٹھائے گا، اس طرح وہ پکڑے جانے سے بچ جائے گا۔ اور بعد میں ہم تجھے واپس کر دیں گے۔

جس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کو اور اس کی سلطنت کو ہلاک کرے گا۔ اس لیے بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا فرعون اس کو قتل کرا دیتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ محترمہ کو (جن کا نام یوحانذ تھا)۔ خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی اگر خبر پا لیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے خدا تعالیٰ نے ان کو یہ الہام کیا کہ اس بچہ کو ایک صندوق میں بند کر کے اور اس کو مقفل کر کے دریائے نیل میں ڈال دے۔ ہم اس کو بچا لیں گے اور اس کے دشمن فرعون سے لوا دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا دریائے نیل کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں جاتی تھی وہ صندوق بہتا بہتا اس باغ میں پہنچ گیا۔ فرعون اپنی بیوی آسیہ سمیت نہر کے کنارے پر بیٹھا تھا جب وہ صندوق اس کی نظر پڑا تو اس کو نکلوایا کھول کر دیکھا تو اس میں ایک خوبصورت لڑکا پایا۔ فرعون کو اور اس کی بیوی کو دونوں کو اس سے محبت ہوگئی بیٹا بنا کر اس کو پالا جس سے خدا کی قدرت اور اس کی غیبی حفاظت کا کرشمہ ظاہر ہوا ؎

عدو بیست و دشمن اندر خانہ بود
قصۂ فرعون زیں افسانہ بود

دوسرا احسان

اور اے موسیٰ ایک احسان میں نے تجھ پر یہ کیا کہ اپنی جانب سے تجھ پر محبت ڈال دی جو تجھے دیکھے وہ تجھ پر ایسا فریفتہ ہو جائے کہ صبر بھی نہ کر سکے۔

تیسرا احسان

اور تاکہ تو میری آنکھ کے سامنے پرورش کیا جائے یعنی تاکہ تیری پرورش میری نگرانی اور نگہبانی میں ہو۔

چوتھا احسان

اس وقت ہوا کہ جب تیری بہن مریم بنت عمران تیری تلاش میں تیرا حال معلوم کرنے کے لیے فرعون کے گھر چلی جا رہی تھی پھر فرعون کے گھر پہنچ کر کہہ رہی تھی کہ کیا میں تم کو ایسی عورت بتلا دوں جو اس بچہ کی پرورش کی کفیل ہو جائے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بالہام خداوندی موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو دریا میں ڈال دیا تو بمقتضائے بشریت رنجیدہ اور غمگین ہوئیں کہ معلوم نہیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ ادھر یہ قصہ پیش آیا کہ وہ صندوق فرعون کے محل پر پہنچ گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس میں سے نکال لیے گئے اور یہ قرار پایا کہ ان کو بیٹا بنا لیا جائے تو حضرت آسیہ کی توجہ سے دودھ پلانے کے لیے دائیوں کی تلاش شروع ہوئی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی دایہ کا دودھ نہ پیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ یعنی ہم نے تمام دودھ پلانے والیوں کو ان پر حرام کر دیا۔ اب آسیہ کو یہ فکر ہوئی کہ اب اس لڑکے کو کس طرح پالیں اور ادھر یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کی تلاش میں وہاں جا پہنچیں جن کو ان کی تلاش تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا پستان منہ میں نہیں لیتے تو اس وقت ان کی بہن بولیں کہ کیا میں تم کو ایسے گھرانے کا پتہ نہ بتلا دوں کہ جو اس کی پرورش کی کفالت بھی کریں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔ فرعون کے گھر والوں نے کہا کہ لاؤ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ان کی والدہ کو لے جا کر حاضر کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی پستان کو قبول کر لیا۔ فرعون کے گھر والے

بہت خوش ہوئے۔ موسیٰ کی والدہ نے کہا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی اگر آپ اجازت دیں تو اپنے گھر رہ کر دودھ پلا سکتی ہوں۔ آسیہ نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ اچھا کبھی کبھی لا کر بچہ کو دکھلا دیا کرو۔ موسیٰ کی والدہ نے اس کو مان لیا اور آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کو انکی گود میں دے دیا اور وہ ان کو اپنی گود میں لے کر وہاں سے چلیں۔

پس اس تدبیر سے ہم نے اے موسیٰ تم کو تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا۔ تاکہ تیرے دیدار سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ اور تیرے فراق سے غمگین نہ ہو۔ اس طرح اولاد کو صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈال دینا کوئی معمولی چیز نہیں جس پر صدمہ اور غم نہ ہو۔

لہ کذا فی روح المعانی۔

پانچواں احسان

اور بڑے ہونے کے بعد ایک اور احسان کیا وہ یہ کہ تم نے ایک جان کو مار ڈالا یعنی ایک قبطی کو جب وہ اسرائیلی کو مارتا تھا تم نے اس کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ قبطی مر گیا پس ہم نے تم کو قصاص کے غم سے نجات دی اس طرح سے کہ تم کو مصر سے مدین پہنچا دیا۔

چھٹا احسان

اور طرح طرح سے تم کو قسم قسم کے فتنوں اور آزمائشوں میں ڈالا اور پھر سب سے تم کو خلاصی دی۔

ساتواں احسان

پھر جب تو قبطی کو قتل کر کے مصر سے مدین پہنچا تو کئی سال امن و امان کے ساتھ مدین والوں میں رہا مدین شعیب علیہ السلام کا شہر ہے۔ مصر سے آٹھ منزل پر ہے۔ جب قصاص کے ڈر سے مدین بھاگے تو وہاں شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا نصیب ہوا۔ شعیب علیہ السلام نے اس شرط پر کہ آٹھ یا دس سال تک ان کی بکریاں چرائیں۔ اپنی صاحبزادی صفوراء سے ان کا عقد کر دیا۔ پھر مصر واپس آئے۔ یہ سب حق تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام پر انعام تھا۔

آٹھواں احسان

پھر اے موسیٰ تو اللہ کی تقدیر اور اس کے اندازہ کے مطابق جو اللہ نے مقرر کیا تھا، ایک میدان میں پہنچا وہاں ہم نے تجھ سے کلام کیا اور تجھ کو اپنی ذات کے لیے خاص کر لیا۔ یعنی تجھ کو نبوت و رسالت اور کلام اور وحی کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا محب اور مخلص بنا لیا تاکہ تو میری مرضی کے مطابق میرا کام انجام دے۔ میں نے تجھ کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان اپنا سفیر اور ترجمان بنایا اور تجھ کو نشانات اور معجزات عطا کیے۔ لہٰذا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ اور ان کو دعوت و تبلیغ کرو اور میری یاد میں سستی نہ کرو۔ کسی وقت میری یاد سے غافل نہ ہو یعنی پوری مستعدی کے ساتھ تبلیغ کرو۔ اور اس میں سستی نہ کرو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ تحقیق وہ دعویٰ ربوبیت

گرکے حد سے گزر گیا ہے۔ پھر تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرو۔ اس کے ساتھ سختی کے ساتھ بات نہ کرو اور اس کے حق پرورش کی رعایت کرو۔ اور اس کی ظاہری بادشاہت کے ادب کو ملحوظ رکھو اور نرمی ہی نصیحت میں مفید ہوتی ہے۔ اور سختی سے دل پر اثر نہیں ہوتا۔ شاید وہ نصیحت پکڑے یعنی ایمان لے آئے یا کم از کم عذاب الٰہی سے ڈر جائے۔ یہ دعوت وتبلیغ کے دستور اصلی کی طرف اشارہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ‌ؕ

نکتہ خدا تعالیٰ کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا لعلہ یتذکر جس کے معنی شاید کے ہیں وہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی نسبت سے ہے ان کو معلوم نہ تھا ان کے اعتبار سے کلمۂ امید فرمایا اور خدا تعالیٰ نے باوجود علم ازلی کے کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا۔ پھر اس کو دعوت دینا اتمام حجت کے لیے تھا کہ قیامت کے دن یہ عذر نہ کر سکے کہ میرے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔

الغرض جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ تبلیغ و دعوت سے پہلے ہی عقوبت میں جلدی نہ کر بیٹھے کہ نہ تیرا پیغام سنا سکیں اور نہ کوئی معجزہ ہی دکھلا سکیں اس سے پہلے ہی وہ ہم کو ہلاک کر دے۔ یا تکلیف اور ایذا رسانی میں حد سے گزر جائے حتیٰ کہ تیری بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو تحقیق میں تمہارے ساتھ ہوں، یعنی میری حفاظت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہاری دعا سنتا ہوں۔ اور تمہارا حال دیکھتا ہوں۔ تم سے جدا اور غافل نہیں۔ تم بے فکر رہو کچھ غم نہ کرو۔ پس بے خوف وخطر اس کے پاس جاؤ پھر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کو پیغام اور حکم دے کر تیرے پاس آئے ہیں۔ پس اول تو ہم پر ایمان لا تاکہ تو اپنے رب کے غضب سے محفوظ ہو جائے۔ پھر تو اپنے ظلم وستم سے باز آ جا اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے رہا کرکے ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ان کو ان کے آبائی وطن ملک شام میں لے جائیں۔ اور ان کو مت ستا۔ فرعون بنی اسرائیل سے مشقت اور ذلت کا کام لیتا، جیسے نہر کھودنا اور گارا کوٹنا ان سے اٹھوانا اور طرح طرح سے ان سے بیگار لینا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ لوگ اس کی ربوبیت کو نہیں مانتے تھے اور اپنے ابا ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور یوسفؑ کے دین پر قائم تھے۔ اس عداوت میں بنی اسرائیل کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتا اور ذلیل وخوار کرتا اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ارض مقدس میں واپس چلے جائیں جو ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

الغرض ہم دونوں تیرے پروردگار کے رسول ہیں جن کا پہچاننا اور اتباع تجھ پر واجب ہے پس اولیٰ تو ہم پر ایمان لا اور ہم کو پروردگار کا رسول برحق مان اور پھر بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ تحقیق ہم اپنی نبوت ورسالت کے لیے تیرے پروردگار کے پاس سے ایک روشن نشان اور واضح

برہان لے کر آئے ہیں۔ یعنی ایک معجزہ لے کر آئے ہیں، جس کے مقابلہ سے تو عاجز ہوگا اور یہ معجزہ ہمارے دعوئ نبوت و رسالت کی نشانی ہوگی اور سلامتی ہے اس شخص پر کہ جس نے راہ ہدایت کی پیروی کی یعنی جو ایمان لایا اور حق کا پیرو بنا اور صراط مستقیم پر چلا۔ تحقیق ہم پر ہمارے پروردگار کی طرف سے یہ وحی بھیجی گئی کہ عذاب ہے اس شخص پر جس نے حق کو جھٹلایا اور حق سے منہ موڑا۔ القصہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔

ربوبیت خداوندی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مکالمہ

پس جب یہ دونوں حضرات حسب حکم خداوندی فرعون کے پاس پہنچے اور اس کو حق تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ تو اس پر فرعون بولا اے موسیٰ تم دونوں بھائیوں کا رب کون ہے جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام حق تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس گئے اور جا کر اس سے یہ کہا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ یعنی ہم دونوں تیرے رب کے رسول اور فرستادہ ہیں۔ تو فرعون نے یہ سوال کیا۔ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى یعنی اچھا تم دونوں یہ بتاؤ کہ تمہارا رب کون ہے جس کے تم فرستادہ اور پیغمبر ہو اور جس کے عذاب سے تم مجھ کو ڈراتے ہو کیونکہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (فرعون خالق اور معبود کے وجود کا منکر تھا۔ اور یہ کہتا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا اور اے موسیٰ تیرا رب بھی میں ہی ہوں۔ تو نے میرے گھر میں پرورش پائی ہے۔

فرعون دہری عقیدہ کا تھا، منکر خدا تھا۔ سرے سے خالق اور صانع عالم کا قائل نہ تھا۔ اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ کارخانہ عالم خود رو کارخانہ ہے۔ قدیم سے اسی طرح چل رہا ہے اور اسی طرح چلتا رہے گا۔ لوگ خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور پھر مر کر گل سڑ جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ سارے عالم کو خود رو گھاس کی طرح سمجھتا تھا کہ خود بخود موسم برسات میں اگا اور پھر چند روز بعد خشک ہو کر ختم ہوگیا۔

فرعون کا گمان یہ تھا کہ جو شخص بھی خطۂ زمین کا فرماں روا ہوگیا وہی اس کا رب ہے اسی لیے ازراہ تکبر و تجبر اپنی الوہیت اور ربوبیت کا مدعی تھا اسی لیے یہ بولا کہ میں اپنے سوا تمہارا کوئی رب نہیں جانتا پھر وہ کون رب ہے جس کا تم اپنے کو رسول بتاتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا جواب دیا اور دلائل اور براہین سے وجود صانع کو ثابت کیا اور کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کا وجود عطا کیا اور اس کو اس کی خاص صورت اور خاص شکل دی۔ جو اس کے علم ازلی میں اس کی جنسی اور

نوعی استعداد کے لائق اور مناسب تھی تاکہ ایک شئے دوسری شئے سے ممتیز ہو سکے۔ پھر وجود عطا کرنے کے بعد ہر شئے کو اس کے اسباب بقاء کی طرف رہنمائی کی۔ ہر چیز پیدا ہوتے ہی بقاء کا ذریعہ ڈھونڈنے لگتی ہے۔ مرغی کا بچہ زمین پر چونچ مارتا ہے اور انسان کا بچہ ماں کے پستان کو ڈھونڈنے لگتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی کھانے پینے کا ہوش آجاتا ہے۔ یہ ہوش کہاں سے آیا۔ اور کس نے سکھایا اور جانوروں کا تو یہ حال ہے کہ ہر جانور کو ابتداء پیدائش ہی سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ جنگل کا کون سا گھاس اور کس درخت کے پتے میرے لیے مفید ہیں اور کون سے مضر ہیں۔ مفید کو کھا جاتا ہے اور مضر سے بچتا ہے۔ اور جب بیمار ہوتا ہے تو خود ہی مختلف قسم کے نباتات کھا کر اپنا علاج کر لیتا ہے حالانکہ جانور کسی میڈیکل کالج کا تعلیم یافتہ نہیں ہوتا۔ پس خدا وہ ہے کہ جو ہر چیز کو اس کا خاص وجود اور اس کو خاص صورت اور خاص شکل عطا کرے پھر وجود عطا کرنے کے بعد اس کو اپنے منافع اور مضار کا القاء اور الہام کرے اور ظاہر ہے کہ فرعون نہ کسی کو وجود عطا کرنے پر قادر ہے اور نہ کسی کو خاص صورت اور خاص شکل دینے پر قادر ہے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سراپا صدق و صواب سنکر ایسا ششدر و حیران اور مبہوت رہ گیا کہ کچھ بول ہی نہ سکا۔ اور نہ اس استدلال پر کوئی اعتراض کر سکا اس لیے اس وقت اس کو یہ سوجھا کہ بات کا رُخ دوسری طرف پلٹ دیا جائے اس لیے اس نے رُخ بدل کر یہ سوال کیا فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی تحقیق اللہ کا عذاب ہے ہر اس شخص پر جو حق کو جھٹلا دے اور اس سے منہ پھیر لے۔

لہٰذا اگر تم پیغمبر خدا ہو تو یہ بتلاؤ کہ پہلی امتوں کا کیا حال ہے جو مر چکی ہیں اور جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کے روشن دلائل سے انحراف کیا وہ لوگ تو بت پرست تھے اور حشر و نشر اور جزاء و سزا کے منکر تھے اور ان باتوں کے قائل نہ تھے جن کی طرف تم دعوت دیتے ہو کیا وہ تمہارے ان دلائل سے غافل اور بے خبر تھے۔ تمہارے قول کے مطابق بتلاؤ کہ ان پر کیا عذاب آیا۔ اور بتلاؤ کہ ان کا حشر نشر کس طرح ہوگا اور ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اور اب تو ان کی ہڈیوں کا بھی نام و نشان نہیں رہا۔ ان کا حشر کس طرح ہوگا۔ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو تم کو ان کے تفصیلی حالات معلوم ہونے چاہئیں۔ لہٰذا بتلاؤ کہ گذشتہ قومیں اب کس حال میں ہیں جنت میں ہیں یا دوزخ میں ہیں۔

فرعون نے یہ فضول اور لایعنی باتیں اس لیے چھیڑیں کہ اصل مسئلہ (وجود صانع) کو ادھر ادھر کی باتوں میں رلا دے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ گذشتہ امتوں کے اعمال اور احوال اور ان کے انجام اور مآل کا تفصیلی علم تو میرے پروردگار کے پاس ایک کتاب میں لکھا ہوا محفوظ ہے جس میں ان کے کل اعمال و افعال درج ہیں قیامت کے دن ہر شخص کو خدا کے روبرو حاضر کیا جائے گا اور اس کے اعمال کے مطابق اس کو جزا ملے گی اور کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا نامہ اعمال ہے اور پیغمبر کو تمام چیزوں کا علم تفصیلی

ضروری نہیں غیب کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مجھے تو صرف اتنی چیز کا علم ہوتا ہے جتنا کہ حق تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی کے بتلا دے۔

مطلب یہ ہے کہ اجمالی طور پر تو میں نے پہلے ہی تجھ کو بتلا دیا تھا کہ جن گزشتہ امتوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ان پر دنیا میں عذاب آیا جیسا کہ میں نے پہلے ہی اِنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى میں اجمالی طور پر اشارہ کر دیا تھا کہ وہ لوگ عذاب میں ہلاک ہوئے تم بھی اپنا انجام سوچ لو باقی یہ امر کہ امم سابقہ پر کیا کیا گزرا اور آئندہ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یہ مجملہ علم غیب کے ہے۔ اور غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ ہی کو اس کی تفصیل معلوم ہے۔ اس کو نہ تو جانتا ہے اور نہ میں جانتا ہوں اور امم سابقہ کے احوال کے علم کو منصب نبوت و رسالت سے تعلق نہیں۔

پیغمبر کو گزشتہ قوموں کے احوال کا تفصیلی علم ضروری نہیں انبیاء غیب داں نہیں ہوتے۔ عالم الغیب صرف حق تعالیٰ ہے انبیاء کا کام دین اور شریعت کے احکام کو بتانا ہے۔ خدا تعالیٰ بذریعہ وحی کے جتنا اپنے نبی کو بتلا دیتا ہے اتنی بات سے وہ بھی بندوں کو آگاہ کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی جتنی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے اتنی بات ظاہر کر دی جاتی ہے باقی پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔ جن باتوں کا تو نے سوال کیا ہے ان کا منصب نبوت و رسالت سے تعلق نہیں۔ میرا کام ہدایت اور تبلیغ اور دعوت اور احکام شریعت کو بیان کرنا ہے۔ امم سابقہ کے احوال کی تفصیل میری بعثت کے اغراض اور مقاصد سے نہیں اور کسی نبی کا غیب کو نہ جاننا نبوت و رسالت میں قادح نہیں۔ نبوت نام ہے صرف پیغام رسانی کا۔ پیغمبر کے ذمے صرف ہدایت اور بیان احکام ہے۔ پوشیدہ امور اور گزشتہ احوال کا بیان کرنا اس کے ذمے نہیں۔ یہ تمام کلام امام فخر الدین رازی کے کلام کی تشریح اور تفصیل ہے (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۹ ج ۶ اور دیکھو تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۸۳ ج ۱۶)

؎ قال الامام الرازی واما قوله تعالٰی قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى فاعلم ان فی ارتباط هذا الکلام بما قبله وجوهًا. والاظهر ان فرعون لما قال فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى لذکر موسٰی علیه السلام دلیلًا ظاهرًا وبرهانًا باهرًا علٰی هذا المطلوب فقال رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى فخاف فرعون ان یزید فی تقریر تلک الحجة فیظهر للناس صدقه وفساد طریق فرعون فاراد ان یصرفه عن ذلک الکلام وان یشغله بالحکایات فقال فما بال القرون الاولٰی فلم یلتفت موسٰی علیه السلام الٰی ذلک بل قال عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ولا یتعلق غرضی باحوالهم فلا اشتغل بها ثم عاد الٰی تتمیم کلامه الاول وایراد الدلائل الباهرة علی الوحدانیة فقال الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا الآیات وهذا الوجه احسن الوجوه فی صحة هذا النظم. انتهٰی کلامه (تفسیر کبیر ص ۶۲ ج ۶)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیر آیت مذکورہ بعنوان دیگر

موسیٰ علیہ السلام نے جب وجود صانع پر ایسے واضح اور روشن دلائل قائم کیے کہ جن کا جواب ممکن نہیں تو فرعون گھبرا گیا اور اس کو ڈر ہوا کہ میری قوم ان روشن دلائل کو سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہ کر دے اور مجھے چھوڑ کر اس رب معبود کی طرف نہ جھک جائے کہ جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں اس لیے فرعون نے بات کاٹ کر لایعنی امور یعنی قصوں اور کہانیوں کا ذکر چھیڑ دیا جس کا نبوت و رسالت سے تعلق نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لیے یہ سوال کیا کہ اچھا جو شخص تمہارے نزدیک تکذیب کرے وہ مستحق عذاب ہے تو بتلاؤ کہ پہلی قوموں کا کیا حال ہوا۔ جو تکذیب کرتے تھے۔ اس سوال میں فرعون کی ایک غرض یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صاف طور پر یہ کہہ دیں کہ وہ سب دوزخی تھے تو وہ لوگ مشتعل ہو جائیں اور موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑ پڑیں کہ یہ شخص تو ہمارے آباؤ اجداد کو دوزخی بتلاتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے ان کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکا۔

غرض یہ کہ فرعون نے اس ڈر کے مارے کہ اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی تقریر سراپا تنویر کی طرف نہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) قال الالوسی لما شاهد اللعين ما نظمه عليه السلام في سلك الجواب من البرهان النيرات خاف ان يظهر للناس حقية مقالاته عليه السلام وبطلان خرافات نفسه ظهورا بينا اراد ان يصرفه عليه السلام عن سننه الى ما لا يعنيه من الامور التي لا تعلق لها في نفس الامر بالرسالة من الحكايات موهما ان لها تعلقا بذلك ويشغله عما هو بصدده عسى ان يظهر فيه نوع غفلة فيتسلق بذلك الى ان يدعي بين يدي قومه نوع معرفة فقال فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ والفاء لتفريع ما بعدها على دعوى الرسالة اي اذا كنت رسولا فاخبرني ما حال القرون الماضية والامم الخالية وماذا جرى عليهم من الحوادث المفصلة. قال موسى عليه السلام عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي اي ان هذا من الغيوب التي لا يعلمها الا الله تعالى وانما انا عبد لا اعلم منها الا ما علمنيه من الامور المتعلقة بالرسالة والعلم باحوال القرون وما جرى عليهم على التفصيل مما لا ملابسة له بمنصب الرسالة كما زعمت. (روح المعانی ص ۱۹۵ ج ۱۶)

اور علامہ آلوسی کی یہ تمام تقریر شیخ الاسلام ابو السعود کے الفاظ ہے۔ جیسا کہ علامہ آلوسی کی عادت ہے کہ ان کو زیادہ اعتماد شیخ الاسلام ابو السعود کی تفسیر پر ہوتا ہے اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ بھی اپنی تفسیر میں تفسیر روح المعانی اور تفسیر ابو السعود کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

جھگڑ پڑے اس لیے اس نے اس بات (یعنی مسئلہ الوہیت و ربوبیت) کو چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دی اور اگلوں کا حال پوچھنا شروع کر دیا۔ فرعون بڑا ظالم اور متکبر اور جبار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر دلپذیر و دلگیر کو سن کر نہ تو ان کو قتل کیا اور نہ ان کو گرفتار کیا۔ بلکہ گھبرا کر مناظرہ اور بحث کی راہ سے ہٹ کر دوسری راہ اختیار کی اور سوال کیا کہ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو پہلی قوموں کے تفصیلی حالات بتاؤ کہ جو انبیاء کے کذب اور حشر و نشر کے منکر تھے ان کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لیے یہ سوال کیا تاکہ اپنی قوم پر یہ بات واضح کر دے کہ ان کے پاس بھی بڑا علم و معرفت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ علم غیب اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام چیزوں کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ پیغمبر کو تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہونا نہ ضروری اور نہ منصب نبوت و رسالت سے اس کا کچھ تعلق ہے تو پھر تو کس لیے ان لایعنی باتوں کا مجھ سے سوال کرتا ہے۔ تجھ کو چاہیے کہ تو ان دور از کار باتوں میں جانے کے بجائے ان دلائل اور بینات میں غور کرے جو میں نے تیرے سامنے بیان کی ہیں تاکہ تجھ پر خدا کی ربوبیت اور تیری عبدیت اور عاجزی اور درماندگی ظاہر ہو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے گزشتہ قوموں کے اعمال اور ان کے انجام کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک کتاب (لوح محفوظ یا نامۂ اعمال) ہے جس میں ان کے تمام اعمال محفوظ ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا علیم و خبیر ہے کہ اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میرا پروردگار نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے اس کا علم سہو و نسیان اور خطا اور غلطی سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کو لکھنے کی ذرہ برابر ضرورت نہیں لیکن اتمام حجت کے لیے بندوں کے اعمال کو ایک کتاب میں محفوظ کر دیا ہے تاکہ کوئی مجرم انکار نہ کر سکے غرض یہ کہ ان کی مثل دفتر خداوندی میں محفوظ ہے۔ وقت پر سزا کا حکم سنا دیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے۔ بخلاف تیرے کہ تیرا علم سر تا پا غلط ہے اور سہو اور نسیان کی آماجگاہ ہے اور پھر اس پر دعویٰ ربوبیت بھی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے امم سابقہ کے حال کو علم خداوندی کے حوالے اس لیے کیا کہ ابھی تک توریت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے گزشتہ امم کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے توریت فرعون کی ہلاکت کے بعد نازل ہوئی۔ (دیکھو زاد المسیر صفحہ ۲۹۶ ج ۵)

موسیٰ علیہ السلام کا اصل مقصد اثبات ربوبیت خداوندی تھا۔ جس پر ابتداء کلام میں دلائل قائم فرمائے۔ پھر جب فرعون نے اس بات کو ٹلانے کے لیے پہلی قوموں کا حال پوچھنا شروع کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ

سو موسیٰ علیہ السلام نے اس جواب میں بھی اصل مدعا (اثبات الوہیت صانع) کی ایک اور دلیل کی طرف اشارہ فرمایا۔

وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُۥ نَحْنُ وَلَآ أَنتَ

بیچ ایک وعدہ نہ خلاف کریں اس سے ہم نہ تو ایک

مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ ٱلزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ

میدان صاف میں ۔ کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن اور یہ کہ جمع کیے

ٱلنَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُۥ ثُمَّ

لوگوں کو دن چڑھے ۔ پھر الٹا پھرا فرعون پھر اکٹھے کیے اپنے سارے داؤ پھر

أَتَىٰ ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ

آیا ۔ کہا ان کو موسیٰ نے کمبختی تمہاری جھوٹ نہ بولو اللہ پر

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنِ ٱفْتَرَىٰ ﴿٦١﴾

پھر غارت کر دے تم کو کسی آفت سے ۔ اور مراد کو نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا

فَتَنَٰزَعُوٓا۟ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا۟ ٱلنَّجْوَىٰ ﴿٦٢﴾ قَالُوٓا۟

پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کی مشورت ۔ بولے

إِنْ هَٰذَٰنِ لَسَٰحِرَٰنِ يُرِيدَانِ أَن يُخْرِجَاكُم مِّنْ أَرْضِكُم

مقرر یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہارے ملک سے

بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ ٱلْمُثْلَىٰ ﴿٦٣﴾ فَأَجْمِعُوا۟

اپنے جادو کے زور سے اور موقوف کریں تمہاری راہ شائستہ ۔ سو مقرر کرو

كَيْدَكُمْ ثُمَّ ٱئْتُوا۟ صَفًّا ۚ وَقَدْ أَفْلَحَ ٱلْيَوْمَ مَنِ

اپنی تدبیر پھر آؤ قطار باندھ کر ۔ اور جیت گیا آج جو اوپر

ٱسْتَعْلَىٰ ﴿٦٤﴾ قَالُوا۟ يَٰمُوسَىٰٓ إِمَّآ أَن تُلْقِىَ وَإِمَّآ أَن

رہا ۔ بولے اے موسیٰ یا تو ڈال اور یا ہم ڈالیں

نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ

ہم پہلے ڈالنے والے۔ کہا نہیں تم ڈالو پھر تبھی ان کی رسیاں

وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾

اور لاٹھیاں اس کے خیال میں آئیں ان کے جادو سے کہ دوڑتی ہیں۔

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ

پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر موسیٰ۔ ہم نے کہا تو نہ ڈر

اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا

مقرر تو ہی رہے گا اوپر۔ اور ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے کہ نگل جاوے جو

صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ

انہوں نے بنایا، اُن کا بنایا تو فریب ہے جادوگر کا۔ اور جادوگر نہیں کام سے نکلتا

حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ

جہاں آوے۔ اور گر پڑے جادوگر سجدے میں بولے ہم یقین لائے رب پر

هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ

ہارون اور موسیٰ کے۔ بولا فرعون، تم نے اس کو مان لیا ابھی میں نے حکم نہ دیا

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

تحقیق وہی تمہارا بڑا ہے جس نے سکھلایا تم کو جادو، سو اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ

اور دوسرے پاؤں۔ ادل بدل کر اور سولی دوں گا تم کو کھجور کے

النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا

تنوں پر۔ اور جان لو گے ہم میں کس کی مار سخت ہے اور دیر تک رہنے والی۔ وہ بولے

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ

ہم تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اس چیز سے جو پہنچی ہم کو صاف دلیل اور اس سے جس نے

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ

ہم کو بنایا سو تو کر گزر جو تجھ کو کرنا ہے تو یہی کرے گا اس دنیا کی زندگی میں

الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا

ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر تاکہ بخشے ہم کو ہماری تقصیریں اور جو تو نے زبردستی کروایا ہم

عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ

سے یہ جادو۔ اور اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا۔ مقرر ہے جو

يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا

کوئی آیا اپنے رب کے پاس گنہگار ہو کر سو اس کے واسطے دوزخ ہے نہ مرے اس میں

وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ

نہ جیوے۔ اور جو آیا اس کے پاس ایمان سے کر کر نیکیاں۔

فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ

سو ان لوگوں کو ہیں درجے بلند۔ باغ ہیں بسنے کے بہتی

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

ہیں ان کے نیچے سے نہریں سدا رہیں گے ان میں

وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ

اور یہ بدلہ ہے اس کا

تَزَكّٰى ۝

جو پاک ہوا

میدانِ مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا ساحروں کو ناصحانہ خطاب

جب سب وعدہ حسب میدان مقابلہ میں حاضر ہوگئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے یہ کہا کہ لئے کمبختو کے مارے یہ جیتے جیزے کو جو خدا کی دی ہوئی نشانی ہے جادو قرار دے کر اللہ پر جھوٹ بہتان مت باندھو کہ پھر وہ تم کو کسی آفت سے ہلاک کر ڈالے اور جڑ سے تم کو نیست و نابود کر دے اور تحقیق نامراد اور ناکام ہوا وہ شخص جس نے مخلوق پر افترا کیا، چہ جائیکہ جو شخص اللہ پر افترا کرے وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بغرض اتمام حجت مقابلہ سے پہلے جادوگران کو سمجھایا اور ان کو نصیحت کی کہ دیکھو اللہ پر افترا نہ کرو۔ مفتری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پس جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ کلماتِ موعظت و حکمت سنا تو سنکر اپنے معاملہ میں مختلف ہوگئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ کہ کیا اس مبارک چہرہ کا مقابلہ کرنا چاہئے! نہیں کوئی کہتا کہ یہ بات جادوگروں کی سی نہیں اور یہ چہرہ بھی جادوگروں جیسا نہیں۔ اس شخص کے لب و لہجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اللہ سے تعلق ہے۔ خوف و ہراس کا نام و نشان بھی اس شخص کے آس پاس بھی کہیں نظر نہیں آتا اور بعض کہتے کہ یہ جادوگر ہے ہم اس پر غالب آجائیں گے۔ اور چپکے چپکے باہم مشورہ کرنے لگے اور فرعون سے چھپا کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ فرعون کے لوگوں میں سے کسی کو اس مشورہ کی خبر نہ ہو۔ بالآخر اس مشورہ میں یہ طے پایا کہ سب نے متفق ہو کر یہ کہا۔

۱۔ کہ بیشک یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں۔

۲۔ اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں اور خود اس پر متصرف اور قابض ہو جائیں اور اس ملک کو اپنے تصرف میں لائیں۔

۳۔ اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے بہتر طریقہ کو مٹا دیں اور اپنا طریقہ اس پر رائج کر دیں۔ طریقہ سے دین اور مذہب مراد ہے کہ فرعون نے یہ کہا۔ ﴿ أَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ ﴾ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا مقصد یہ ہے کہ مصریوں سے تمہارا طریقہ اور مذہب اور تمہاری تہذیب اور تمدن ختم کر کے بنی اسرائیل کا طریقہ اور ان کا دین اور ان کی تہذیب و تمدن ملک میں رائج کریں جب تم سب مل کر اور متفق ہو کر اپنی تدبیر کو پختہ کر لو اور پھر سب صف باندھ کر مقابلہ پر آؤ تاکہ اس کے دل میں ہیبت ہو۔ اور سب پر تمہارا رعب پڑے اور دیکھ کر موسیٰ کا مقابلہ کرو اور تحقیق آج فلاح پہنچا جو آج کامیاب ہوا۔ یعنی آج جس نے غلبہ پالیا جیت اسی کی ہے اور وہی اپنے مقصد میں کامیاب ہے ساحروں کی تعداد میں مختلف اقوال آئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ۹۰۰ (نو سو) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین سو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۵ ہزار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تیس ہزار تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھے۔

(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۹۵-۱۹۶)

پھر اس صف بندی کے بعد جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ موسیٰ بتائیے یا تو یہ ہو کہ آپ اپنا عصا پہلے زمین پر ڈالیں گے، اور یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے بنیں یعنی دونوں باتوں کے درمیان آپ کو اختیار ہے، جیسی صورت چاہیں پسند کر لیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تم ہی ڈالو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔

چنانچہ پہلے انہوں نے اپنی لاٹھیاں رسیاں زمین پر ڈال دیں تو ڈالتے ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ کی نظر میں ایسی دکھائی دینے لگیں جیسے سانپ دوڑتے ہوں۔ تمام لوگوں کو ایسا نظر آیا کہ ان کی لاٹھیاں اژدھا بن کر جوش میں اور دوڑی چلی جا رہی ہیں اور سارا میدان ان سے بھرا ہوا ہے۔

پس اس منظر کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا، موسیٰ علیہ السلام چونکہ جادو کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا اور یہ خوف بمقتضائے بشریت ضروری تھا یا اس وجہ سے تھا کہ مبادا لوگ اس ظاہری منظر کو دیکھ کر جادو کے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں اور سحر اور معجزہ کا فرق ان پر مشتبہ ہو جائے اور عجب نہیں کہ یہ بھی خیال آیا ہو کہ میرے پاس تو ایک ہی عصا ہے اور وہ ایک ہی سانپ بنے گا اور ان کے پاس تو بہت سی رسیاں اور لاٹھیاں ہیں جب وہ سب سانپ بن جائیں گے تو بظاہر باطل حق پر غالب نظر آئے گا۔ اس لیے ڈر سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ تو کچھ بھی خوف نہ کر بلاشبہ تو ہی ان سب پر غالب رہے گا۔ معجزہ کے سامنے جادو اور شعبدہ کیا چیز ہے اور اے موسیٰ جو چیز بھی اس وقت تیرے داہنے ہاتھ میں ہے اس کو زمین پر ڈال دے اگرچہ وہ تجھ کو ایک تنکا ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی ان رسیوں اور لاٹھیوں کی پرواہ نہ کر جو کچھ تیرے داہنے ہاتھ میں ہے خواہ تجھ کو ایک تنکا ہی کیوں نہ ہو اس کو زمین پر ڈال دے وہ ان کے تمام شعبدوں کو نگل جائے گا جو انہوں نے بنایا ہے۔ اور آپ کا ایک عصا ان ہزاروں ہزار لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل کر ڈکار بھی نہ لے گا تحقیق انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ تو جادوگر کا حیلہ اور فریب ہے اور آپ نے جو کیا ہے وہ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے اور کیفیات شعبدہ کی کرشمۂ قدرت پر غالب نہیں آ سکتیں اور جادوگر جہاں کہیں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ فوراً وہ ایک بڑا اژدھا بن گیا اور ان عصاؤں اور رسیوں کے پیچھے ہوا جو ساحروں نے ڈالی تھیں اور دم کے دم میں سب کو ٹپ ٹپ کر کے نگل گیا اور کسی چیز کو باقی نہ چھوڑا۔ اور لوگ ڈر کے مارے بھاگ اٹھے۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام کا یہ عصا جو اژدھا بنا ہوا تھا۔ فرعون کی طرف متوجہ ہوا کہ فرعون کو نگل جائے تو فرعون چلایا اور موسیٰ سے فریاد کی دوہائی

ب

نے اس کو پکڑ لیا پھر وہ پہلے ہی جیسا عصا ہوگیا۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۹)

کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ تک فرعون اپنے محل سے باہر نہیں نکلا۔

ساری دنیا نے اس وقت حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا یہ معرکہ دیکھا اور جادوگر بھی سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دکھایا ہے وہ سحر نہیں بلکہ معجزہ نبوت اور کرشمہ قدرت ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پس جادوگروں کی اس وقت یہ حالت ہوئی کہ وہ اس کرشمہ غیبی کو دیکھ کر ایسے بے تاب ہوگئے کہ گویا گردن پکڑ کر سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ ساحرین چونکہ فن سحر کے ماہر تھے اور اس کے اصول و فروع سے باخبر تھے اور سحر کی حقیقت سے واقف تھے اس لیے دیکھتے ہی یہ سمجھ گئے کہ یہ کرشمہ موسوی دائرہ سحر سے بالا اور برتر کوئی حقیقت ہے۔ یہ کرشمہ قدرت ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے اور بولے کہ ہم ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر یعنی ہم اس رب پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے اور جس کی قدرت سے یہ عصا اژدھا بنا اور ہماری ہزاروں رسیوں اور لاٹھیوں کو ایک لقمہ بناکر نگل گیا سحر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ایک دم سے رسیوں اور تمام لاٹھیوں کو نگل جائے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ عصا موسیٰ نے ان کے حبال اور عصی میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ معجزہ ہے اور ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر گئے اور ساحروں کا یہ سجدہ، سجدۂ شکر تھا کہ اللہ نے ہم پر حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا فرق ظاہر فرما دیا۔

سبحان اللہ کیا عجیب ماجرا ہے کہ انہی جادوگروں نے ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر ڈالا تھا۔ پھر جب حق واضح ہوگیا تو اپنے سروں کو زمین پر ڈال دیا اور یہ سجدہ، سجدۂ شکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

نکتہ اور رب ہارون و موسیٰ میں ہارون کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ یا اس وجہ سے کہ فرعون نے بچپن میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی تو رب موسیٰ سے یہ وہم نہ ہو جائے کہ فرعون مراد ہے۔

عکرمہؓ سے مروی ہے کہ فرعون کے ملک میں نو سو جادوگر تھے۔ انہوں نے فرعون سے کہہ دیا تھا کہ اگر موسیٰ درحقیقت جادوگر ہے تو ہم اس پر ضرور غالب آئیں گے کیونکہ فن سحر میں ہم سے زیادہ کوئی کامل اور ماہر نہیں اور اگر وہ پیغمبر ہوں گے تو ہم ان پر غالب نہ آسکیں گے۔

چنانچہ جب مقابلہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے جادو کی ہستی مٹا کر رکھ دی تو ان سب کو آپ کی پیغمبری کا یقین آگیا۔ اور ایمان لے آئے فرعون نے یہ واقعہ دیکھ کر جادوگروں کو دھمکایا اور کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر کیسے ایمان لے آئے۔ یعنی تم کو چاہیے تھا کہ مجھ سے مشورہ کرتے اور میرے حکم کے بعد ایمان لاتے۔ پھر اپنے لوگوں کو شبہ میں ڈالنے کی غرض سے یہ کہا۔ بیشک یہ شخص تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اور تم سب اس کے شاگرد ہو اور دل سے اس کے ساتھ ہو اور

اندرونی طور پر اس سے ملے ہوئے ہو۔ یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے اور جنگ زرگری ہے تم نے اپنے استاد کی شان بلند کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ فرعون نے جب دیکھا کہ جن جادو کے بل بوتے پر وہ اچھل کود رہا تھا وہ دم کے دم میں معجزہ موسوی کا لقمہ بن گیا تو اب لوگوں کو بہکانا شروع کیا ؎

چو حجت نماند جفا جوئے را
بہ پرخاش برہم کشد روئے را

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فرعون کا صریح جھوٹ تھا لوگوں کو دھوکہ دینے اور شبہ میں ڈالنے کے لیے اس نے یہ جھوٹ بولا کہ یہ تمہارا استاد ہے وہ خوب جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں سے کبھی ملے بھی نہیں اور نہ ان کی ان سے کوئی جان پہچان ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں کے استاد ہوتے اور یہ ان کے شاگرد ہوتے تو سب کو معلوم ہوتا۔ استادی اور شاگردی کا تعلق لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ فرعون نے جب یہ جھوٹ بولا تو سننے والے بھی جانتے اور سمجھتے تھے کہ یہ فرعون کا بہتان اور دروغ بے فروغ ہے (دیکھو تفسیر کبیر ص ۹۲ ج ۶)

پھر اس جھوٹ کے بعد فرعون نے ان کو دھمکانا شروع کیا اور کہا۔ پس تم خوب سمجھ لو کہ میں ضرور بالضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی داہنے ہاتھ اور بایاں پاؤں تاکہ تمہاری ہیئت اور صورت بگڑ جائے۔ اور پھر تم کو سولی دے کر کھجور کے تنوں پر لٹکوا دوں گا تاکہ لوگ تم کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور تم یہ بھی جان لو گے کہ ہم دونوں میں یعنی مجھ میں اور رب موسیٰ میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے یعنی میں تم کو تمہارے ایمان لانے پر سزا دوں گا۔ اگر تم ایمان نہ لاتے تو موسیٰؑ کے قول کے مطابق تم کو موسیٰؑ کا خدا عذاب دیتا۔ اب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا عذاب زیادہ سخت ہے اور دیرپا ہے یا موسیٰؑ کے خدا کا جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ایک شبہ امام رازیؒ فرماتے ہیں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابھی تو یہ گزرا ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے جب وہ اژدہا ہو گیا اور وہ عصا فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون چیخیں مارنے لگا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پکڑا اور ہاتھ میں لیا پھر وہ بدستور پہلے کی طرح عصا بن گیا تب فرعون کے ہوش و حواس درست ہوئے تو شبہ یہ ہے کہ پہلے تو فرعون کے خوف کا یہ حال تھا جو بیان ہوا اور اب یہ دلیری اور بہادری کہ سب کو ڈرا دھمکا رہا ہے۔ خوف و ہراس کے بعد یہ دلیری کہاں سے آئی۔

جواب یہ ہے کہ وہ دل سے نہایت خوفزدہ تھا، مگر بے حیائی اور ڈھٹائی سے اپنی دلیری ظاہر کرتا تھا کہ اس کی بات بنی رہے اور ظالم اور بدکار لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ فرعون کا یہ کہنا کہ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ یہ تمہارا استاد و بزرگوار ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اس کا یہ دروغ بے فروغ خود اس کے ذہنی

خوف کی دلیل ہے۔ حالانکہ اس کو خوب معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی ان جادوگروں سے نہیں ملے اور نہ ان سے واقف ہیں۔ اور نہ ان کو ان سے کوئی تعلق ہے۔ جو شخص اندر سے خوفزدہ ہوتا ہے وہ باہر سے ایسی ہی بے سروپا باتیں کیا کرتا ہے۔ جس کی حقیقت بکواس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔
(دیکھو تفسیر کبیر ص ۳۲۲ ج ۴)

مؤمنین صادقین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب

جہاں تک حق تعالیٰ نے فرعون کی تہدید کا اور دھمکیوں کا ذکر کیا۔ اب آگے مؤمنین صادقین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب ذکر فرماتے ہیں کہ فرعون کی ان دھمکیوں سے ان کے پائے ثبات میں کوئی تزلزل نہیں آیا۔ فرعون کی یہ دھمکیاں سن کر مؤمنین صادقین جواب میں یہ بولے کہ اے فرعون ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ ان واضح دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو پہنچے ہیں اور نہ ہم تجھ کو اس ذات کے مقابلہ میں ترجیح دیں گے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے پردۂ عدم کو چاک کر کے ہم کو وجود عطا کیا ہے۔ ربوبیت کے لیے خالقیت شرط ہے جب تو ہمارا خالق نہیں تو ہمارا رب کیسے ہو سکتا ہے۔ پس تو جو کرنا چاہے وہ کر گذر۔ ہمیں تیرے ڈرانے دھمکانے کی کچھ پرواہ نہیں ہم ایسی نعمت کو تو اپنا حکم صرف اس دنیاوی زندگانی میں جاری کر سکتا ہے جو عنقریب ختم اور فنا ہونے والی ہے تو تیرا عذاب کچھ دیرپا نہیں۔ تیرا سارا زور اس دار فانی ہی میں ہے۔ اور یوم الجزاء اور دار القرار کے معاملات اور قضایا میں تو ہم کو کیا کر سکتا ہے فانی اور عارضی عذاب سے ڈراتا ہے پس اب تو ہم اپنے اس پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں جس نے ہم کو وجود عطا کیا اور زمین کو ہمارا فرش اور آسمان کو ہماری چھت بنایا۔ وہ ہمارا سب سامان رزق زمین سے اگاتا ہے۔ ساری عمر ہم نے اس کا کفر کیا اب ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں۔ تاکہ وہ پروردگار ہمارے پچھلے تمام گناہوں کو بخش دے اور خاص کر اس گناہ کو بخش دے جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا۔ یعنی یہ جادو جو ہم نے موسیٰ کے مقابلہ میں کیا وہ تیرے زور دینے سے کیا۔ جادوگروں نے یہ سحر اگرچہ اپنے اختیار سے کیا لیکن چونکہ حکم سلطانی سے کیا اور مجبور تھے اس لیے کہ حکم شاہی آدمی کو مجبور کر دیتا ہے۔ شخصی اور انفرادی دباؤ سے آدمی اتنا مجبور نہیں ہوتا جتنا کہ حکومت کے دباؤ سے مجبور ہو جاتا ہے۔ فرعون نے جب ساحروں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے بلایا اور ان سے عصا کے اژدہا ہو جانے کا ذکر کیا تو جادوگروں نے یہ کہا کہ اچھا پہلے ہم کو موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا دکھا دو تاکہ ہم ان کو دیکھ کر معلوم کر لیں کہ بات کیا ہے تو فرعون نے جادوگروں کو ان کے دیکھنے کے لیے بھیجا جب جادوگر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو سو رہے تھے اور وہ عصا سانپ کی صورت میں ان کا پہرہ دے رہا ہے۔

جس نے ایمان کے ساتھ نیک عمل بھی کیے ہوں تو ایسے لوگوں کے لیے بلند درجے اور ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ جزا ہے اس شخص کی جو کفر اور معصیت کی نجاستوں سے پاک صاف ہوا، اور کفر اور معصیت کی نجاست سے پاک کرنے والی چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ لے نکل میرے بندوں کو

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ

پھر ڈال دے ان کے واسطے راہ سمندر میں سوکھی، نہ خطرہ کرے گا

دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ﴿٧٧﴾ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ

آپکڑنے کا اور نہ ڈر ہو گا۔ پھر پیچھے لگا ان کے فرعون اپنے لشکر لے کر

فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ

پھر ڈھانپ لیا ان کو پانی نے جیسا کہ ڈھانپ لیا۔ اور بہکایا فرعون نے

قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ﴿٧٩﴾ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم

اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا۔ اے اولاد اسرائیل! چھڑا دیا ہم نے تم کو

مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَ

تمہارے دشمن سے اور وعدہ ٹھہرایا تم سے داہنی طرف پہاڑ کی اور

نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ﴿٨٠﴾ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ

اتارا تم پر من اور سلویٰ۔ کھاؤ ستھری چیزیں

مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي

جو روزی دی ہم نے تم کو اور نہ کرو اس میں زیادتی، پھر اترے تم پر میرا غصہ۔

كما قال الله تعالىٰ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى۔

پس جب حق جل شانہٗ کی طرف سے حجت پوری ہوگئی اور جرم کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو وقت آگیا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نجات دلائی جائے اور اس کے ان وحشیانہ مظالم کا انتقام لیا جائے اور اس کے غرق کا سامان کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر سے ہجرت کر جاؤ تاکہ بنی اسرائیل کی مظلومیت کا خاتمہ ہو اور خدا کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہو جائیں اور خارق عادات طریقہ سے بنی اسرائیل کا دریا سے پار ہو جانا اور پھر ان کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کا اسی خارق عادت طریقہ سے بصد ہزار ذلت و خواری غرق ہو جانا کرشمہ قدرت اور معجزہ نبوت ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر شب میں چلے جاؤ اور جب راستہ میں دریا پر پہنچو تو اس پر لاٹھی مار دینا اس سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے اور درمیان میں دونوں طرف پانی کی دیواریں کھڑی ہو جائیں گی اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں کا ہر خاندان ایک ایک راستہ سے الگ الگ نکل جائے گا۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے کنارے پر پہنچے تو حسب حکم خداوندی دریا پر اپنی لاٹھی ماری تو فوراً دریا میں خشک راستے تیار ہو گئے اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح پانی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔

جب صبح ہوئی تو فرعون کو اور قوم قبط کو معلوم ہوا کہ اب شہر میں بنی اسرائیل میں سے کوئی نہیں فرعون کو جب یہ خبر ملی تو فوراً اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا اور بنی اسرائیل کو دیکھا کہ دریا میں خشک راستوں سے گزر رہے ہیں۔ تو اس نے اپنے آدمیوں کو ان دریائی راستوں پر چلنے کا حکم دیا۔ اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر فرعون کے خوشامدی کہنے لگے کہ یہ سب حضور فیض گنجور کا اقبال ہے۔

جب بنی اسرائیل دریا سے پار نکل گئے اور فرعون مع لشکر کے دریا کے بیچ میں پہنچ گیا تو بحکم خداوندی دریا کا پانی رواں ہو گیا۔ اور وہ بدبخت مع اپنی قوم کے غرق ہو گیا۔

ربط دیگر: گذشتہ رکوع میں حق تعالیٰ نے خاص موسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا ان آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح تمہارے دشمن کو تمہاری نظروں کے سامنے غرق کیا۔

ربط دیگر: گذشتہ رکوع میں فرعون کے حال کو بیان کیا تھا اب اس رکوع میں فرعون کے مآل اور انجام کو بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ خدا تعالیٰ اگرچہ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر اس کو چھوڑتا نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون باوجودیکہ اس مقابلہ میں شکست کھا گیا مگر پھر بھی اپنے تکبر اور تجبر سے باز نہ آیا اور بنی اسرائیل کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا رہا تو البتہ تحقیق اس وقت ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجۂ ظلم سے نجات دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی کہ لے جا

ان بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے باہر لے کر نکل جاؤ اور دور چلے جاؤ چلتے چلتے تم کو راستہ میں دریا ملے گا۔ پس جب دریا پر پہنچو تو اس پر اپنا عصا مار کر بنی اسرائیل کے لیے خشک راستہ بنا دینا جس میں نہ پانی ہو اور نہ کیچڑ ہم نے دریا کو حکم دے دیا ہے کہ جب موسیٰ تجھ پر عصا مارے تو اس کے لیے خشک راستے بنا دینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر پہنچ کر اس پر اپنا عصا مارا اسی وقت اس میں بحکم خداوندی بارہ راستے بن گئے۔

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ

چونکہ علم الٰہی میں یہ امر تھا کہ فرعون اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کا تعاقب کرے گا اس لیے پہلے ہی فرما دیا کہ تم بے دھڑک چلے جانا نہ تو پکڑے جانے سے ڈرے گا اور نہ ڈوبنے کا خوف کرے گا۔ اس واسطے کہ ہم تجھ کو صحیح سالم سلامتی کے ساتھ پار کر دیں گے نہ تو تجھ کو ڈوبنے کا خوف ہوگا اور نہ یہ خوف ہوگا کہ پیچھے سے کوئی دشمن آکر ہمیں پکڑ لے اس حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے چل پڑے۔

پس جب صبح کو فرعون کو اور قبطیوں کو اس کی خبر ہوئی تو فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا۔ اور دریا کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لیکر دریا سے پار ہو چکے ہیں اور دریا میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں۔ فرعون اپنے لشکر کو لے کر انہی راستوں پر ہو لیا۔ پس جب تمام لشکر دریا کے درمیان پہنچ گیا تو ڈھانپ لیا فرعون کو مع اس کے لشکروں کے دریا کی موج سے اس چیز نے کہ جس نے ان سب کو ڈھانپ لیا۔ یعنی ایک بڑی موج نے ان سب کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ موج ایسی عظیم اور ہولناک تھی کہ کوئی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب فرعون مع لشکر کے دریا کے اندر داخل ہوگیا۔ تو دریا کی ہولناک موج نے ان سب کو پکڑ لیا اور ہر طرف سے پانی آملا۔ اور سب غرق ہو گئے۔

اور فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کیا اور راہ راست پر نہ لگایا۔ یہ فرعون کے اس دعوے کا جواب ہے جو یہ کہتا تھا وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ میں تم کو سیدھا راستہ بتلاتا ہوں۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے خطرناک عزائم کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے دینی انعامات اور احسانات کا ذکر کرتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دینی اور دنیوی احسانات کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے بڑے دشمن فرعون سے نجات دی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نجات کی نعمت کو بیان فرمایا۔ اس لیے کہ

---

[1] قال الامام الرازی الاولیٰ ان یقال انه امر مقدمة عسكرة بالدخول فدخلوا وما غرقوا فغلب على ظنه السلامة فلما دخل الكل اغرقوا۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۹۹ ج ۶)

دفع ضرر کی نعمت سب سے مقدم ہے اور یہ نعمت دنیوی تھی اب اس کے بعد دینی نعمت کو بیان کرتے ہیں اور اے بنی اسرائیل ہم نے تم سے توریت دینے کے لیے طور کے داہنی جانب کا وعدہ کیا توریت کا عطا کرنا دینی نعمت ہے کیونکہ توریت نور ہے اور ہدایت ہے اور شریعت الٰہیہ ہے جس پر عمل سے انسان گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

پھر اس دینی نعمت کے بعد ایک دنیوی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ہم نے تم پر من وسلویٰ اتارا من تو ایک حلوا تھا جو آسمان سے ان پر اترتا تھا۔ اور سلویٰ ایک پرندہ تھا جو ان پر گرتا تھا اور لذیذ تھا بقدر حاجت اس میں سے لے لیتے تھے اور آئندہ روز کے لیے ذخیرہ کرنے کی ممانعت تھی یہ اللہ کا دنیوی انعام تھا۔ اب آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہماری ان نعمتوں کو عصیان اور طغیان کا سبب نہ بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے ان سے کہا کہ ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس کھانے میں حد شرعی سے تجاوز نہ کرو کہ پھر تم پر میرا غضب نازل ہو۔ حد سے بڑھنے سے ناشکری اور نافرمانی کرنا اور اس کا ذخیرہ کرنا مراد ہے اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ بلندی سے پستی میں جا گرا اور ہلاک اور برباد ہوا۔ یعنی اوپر سے نیچے (قعر جہنم میں جا گرا) ھوی کے معنی اوپر سے نیچے گرنے کے ہیں۔

(ھذا ملخص من التفسیر الکبیر للامام الرازیؒ از ص ۲۰ ج ۶)

اور اس قہر وغضب کے ساتھ یہ بھی ہے کہ میں بلاشبہ بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے پچھلے گناہوں سے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور آئندہ کو نیک کام کیے پھر راہ ہدایت پر قائم رہا اور مضبوطی کے ساتھ اس پر جما رہا یہاں تک کہ اسی پر مر گیا۔ یہ مقام استقامت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ ثم کی اہتداء سے استمرار اور استقامت کے معنی مراد ہیں۔

(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۲۶ ج ۶)

اور راہ ہدایت سے صراط مستقیم مراد ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے اور یہ گروہ اہل سنت والجماعت کا ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر قائم ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝٨٣

اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے اے موسیٰ۔

قَالَ هُمْ اُولَاۗءِ عَلٰٓي اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ

بولا وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی آیا تیری طرف اے رب

لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ

تاکہ تو راضی ہو۔ فرمایا ہم نے تو بچلا دیا (آزمائش میں ڈالا) تیری قوم کو تیرے پیچھے

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ

اور بہکایا ان کو سامری نے۔ پھر الٹا پھرا موسیٰ اپنی قوم پاس

غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ

غصے بھرا پچتاتا۔ کہا اے قوم! تم کو وعدہ نہ دیا تھا تمہارے رب نے

وَعْدًا حَسَنًا ۭ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ

اچھا وعدہ۔ کیا لمبی ہو گئی تم پر مدت یا چاہا تم نے

اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ

کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کا اس سے خلاف کیا تم نے

مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا

میرا وعدہ۔ بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا

اور لیکن ہم کو کہا تھا اٹھالیں کئے بوجھ اس قوم کے گہنے سے پھر ہم نے وہ پھینک دیئے

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا

پھر یہ اسی طرح ڈالا سامری نے۔ پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ

ایک دھڑ جس میں بولنا تھا گائے کا پھر کہنے لگے یہ صاحب ہے تمہارا اور صاحب موسیٰ کا

فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ وَّلَا

سو وہ بھول گیا۔ بھلا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب نہیں دیتا ان کو کسی بات کا اور نہ

پ

يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ

اختیار نہیں رکھتا ان کے بُرے کا نہ بھلے کا ۔ اور کہا تھا ان کو ہارون نے

مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ

پہلے سے اے قوم ! اور کچھ نہیں تم کو بہکا دیا گیا ہے اس سے اور تمہارا رب

الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ

رحمٰن ہے ، سو میری راہ چلو اور مانو بات میری ۔ بولے ہم رہیں گے

نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾

اسی پر لگے بیٹھے ، جب تک پھر آوے ہم پاس موسیٰ

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا

کہا موسیٰ نے اے ہارون تجھ کو کیا اٹکاؤ تھا جب دیکھا تو نے کہ وہ بہکے ۔ کہ تو میرے

تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ

پیچھے نہ آیا ، کیا تو نے رد کیا میرا حکم ۔ وہ بولا اے میری ماں کے بیٹے نہ پکڑ

بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ

میری ڈاڑھی اور نہ سر ۔ میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی

بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا

تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات ۔ کہا موسیٰ نے

خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ

اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری ۔ بولا میں نے دیکھ لیا جو سب نے نہ دیکھا

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ

پھر بھر لی میں نے ایک مٹھی پاؤں کے نیچے سے اس بھیجے ہوئے کے پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی

سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ

مصلحت دی مجھ کو میرے جی نے ۔ کہا موسیٰ نے چل تجھ کو زندگی میں اتنا ہے کہ

اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ

کہا کرے مت چھیڑو ۔ اور تجھ کو ایک وعدہ ہے وہ تجھ سے خلاف

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ

نہ ہوگا ۔ اور دیکھ اپنے ٹھاکر کو جس پر سارے دن تو لگا بیٹھا تھا ۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ

ہم اس کو جلا دیں گے پھر بکھیر دیں گے دریا میں اڑا کر ۔ تمہارا صاحب

اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

وہی اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی ۔ سب چیز سما گئی ہے اس کی خبر میں ۔

موسیٰ علیہ السلام کی کوہِ طور سے واپسی اور گوسالہ پرستی کا واقعہ

قال اللہ تعالیٰ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ... الیٰ ... وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔

القصہ جب فرعون غرق ہوگیا[1] تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ استدعا کی کہ ہمارے لیے کوئی دستور ہدایت اور قانون شریعت چاہیے کہ ہم اس پر چلیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بارے میں حق تعالیٰ سے درخواست کی۔ حق تعالیٰ نے توریت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا کہ ہم تم کو ایسی کتاب عطا کریں گے جس میں احکام شریعت جمع ہوں گے اور یہ حکم دیا کہ ستر علماء اپنے ہمراہ لے کر کوہِ طور پر آئیں تاکہ وہ اس کرامت کا بچشم خود دیکھیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جگہ پر ہارون کو چھوڑا اور ستر علماء کو ہمراہ لے کر کوہِ طور کی طرف متوجہ ہوئے جب وہ کوہِ طور کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام شدت شوق سے بے تاب ہوگئے اور ان سب سے پہلے سبقت کر کے آگے پہنچ گئے اور ان کو یہ سمجھا گئے کہ تم پیچھے پیچھے آجانا۔

[1] مطلب یہ ہے کہ توریت فرعون کے غرق کے بعد عطا ہوئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَاۗىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى۔ دیکھو کتاب النبوت ص [illegible]

اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا

اور اے موسیٰ جلدی کر کے اپنی قوم سے پہلے آجانے پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار وہ میرے پیچھے ہی پیچھے آ رہے ہیں کچھ زیادہ دور نہیں اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو مجھ سے اور زیادہ خوش ہو جائے۔ اس لیے میں نے بصد شوق و رغبت تیری طرف عجلت اور مسارعت کی تاکہ مزید تیرے قرب اور رضا اور کرامت کا سبب بنے اس عجلت اور سبقت سے میرا مقصود اپنی بڑائی نہیں بلکہ تیری مزید خوشنودی مقصود ہے اور نہ یہ عجلت قوم سے غفلت اور بے اعتنائی کی بنا پر ہے۔ وہ سب میرے پیچھے پیچھے میرے نشان قدم پہ چلے آ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! یہ خاص گروہ اگرچہ تمہارے پیچھے پیچھے تمہارے نشان قدم پر چلا آ رہا ہے۔ مگر تمہاری وہ قوم جن پر تم ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے چھوڑ آئے ہو وہ تمہارے نشان قدم سے منحرف ہو گئی۔ حق جل شانہٗ کا اس سوال مَآ اَعْجَلَكَ سے مقصود یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس فتنہ کی خبر دیں جو ان کی مفارقت کے بعد پیش آیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

پس تحقیق ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے چلے آنے کے بعد فتنہ اور آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور ظاہری سبب جس سامری نے ان کو گمراہ کیا ہے۔ یعنی اصل فتنہ اور ابتلاء تو من جانب اللہ ہے اور گمراہی کا ظاہری سبب اور واسطہ سامری ہے کہ اس نے گوسالہ ایجاد کیا اور بنی اسرائیل کو اس کی عبادت پر آمادہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین کر گئے تھے اور یہ ہدایت فرما گئے تھے کہ ان کو توحید اور ہدایت پر قائم رکھنا۔ سامری موسیٰ علیہ السلام کی امت کا ایک منافق تھا ہر وقت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اس نے چاندی سونے کا ایک بچھڑا ڈھال لیا۔ اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے بنی اسرائیل اس کو پوجنے لگے اور آزمائش میں پورے نہ اترے سوائے بارہ ہزار کے سب گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ اور بعض کہتے ہیں اس کا نام ہارون تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے جاتے ہی سامری بنی اسرائیل کے گمراہ کرنے کی فکر میں پڑ گیا تھا۔ بالآخر اس نے یہ فتنہ کھڑا کیا جس پر بنی اسرائیل مفتون ہو گئے۔

پس موسیٰ علیہ السلام اس فتنہ کی خبر سن کر چالیس دن کی مدت پوری کر کے توریت لینے کے بعد اس خبر وحشت اثر کی وجہ سے غصہ اور غم میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کو ڈانٹنے اور دھمکانے لگے۔ اور کہا اے میری قوم کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا اور سچا وعدہ نہیں کیا تھا یعنی خدا تعالیٰ نے مجھے کوہ طور پر بلا کر تمہارے لیے توریت اور شریعت عطا کرنے کا وعدہ

فرعونی ان کو مصر سے نکلنے نہ دیتے۔ یہ مانگے ہوئے زیور بنی اسرائیل کے پاس موجود تھے۔ مگر چونکہ یہ زیورات ان کے لیے حلال نہ تھے اس لیے وہ ان کو اپنے اوپر گناہ اور بوجھ سمجھتے تھے اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کو کیا کیا جائے۔ سامری نے ہم کو یہ مشورہ دیا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلائی جائے اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ تمام زیورات جو تمہارے پاس ہیں ان سب کو آگ میں جلا دو تاکہ تم پر گناہ اور بوجھ نہ رہے اس لیے ہم نے ان زیورات کو سامری کے کہنے سے آگ کے گڑھے میں ڈال دیا۔ پھر جس طرح ہم نے ڈالا تھا۔ اسی طرح سامری نے بھی جو اس کے پاس تھا آگ میں ڈال دیا۔ پھر سامری نے ان کے لیے ان زیورات سے ایک دھڑ نکالا یعنی ایک جسم بے روح نکالا جس میں سے بچھڑے کی سی آواز آتی تھی۔

یعنی سامری نے ان زیورات کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر بچھڑے کا ایک پتلا بنا کر نکال لیا۔ جس میں سے گائے کی آواز نکلتی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ اس میں سوائے آواز کے اور کوئی صفت نہ تھی اس آواز کو سن کر وہ گوسالہ پرست یعنی پھر بھلا ان سامری اور اس کے متبعین یہ کہنے لگے کہ اے بنی اسرائیل تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے تم اس کی عبادت کرو۔ موسیٰ تو اپنے معبود کو بھول گئے اور اس کی تلاش میں کوہ طور پر چلے گئے اصل معبود تو ان کا یہ بچھڑا ہے جس میں ان کا معبود حقیقی حلول کر آیا ہے۔

عجب نادان تھے کہ ایک شعبدہ باز کے کہنے سے یہ یقین کر لیا کہ خداوند قدوس کسی حیوان اور انسان میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوستان کے ہندو ان بھی یہ سمجھتے ہیں کہ خداوند قدوس رامچندر اور کرشن اور گوتم بدھ کے جسم میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک کسی کو اوتار ماننے کا مطلب یہی ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ اس میں حلول کر آیا ہے۔ بہرحال بنی اسرائیل نے ان زیورات کے استعمال کو اپنے لیے حلال نہ سمجھا جو قبطیوں سے مستعار لیے تھے۔ اس لیے گناہ سے بچنے کی صورت یہ نکالی کہ ان کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ لیکن غضب یہ کیا کہ ان کا بت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ آئندہ آیات میں ان کی اس جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں۔ پس کیا وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ بچھڑا نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کو وہ نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عجب احمق ہیں کہ صرف حیوان کی آواز پر ایمان لے آئے اور ایسے اندھے ہیں کہ ان کو یہ نظر نہ آیا کہ یہ بچھڑا نہ تو بول سکتا ہے اور نہ نفع اور ضرر پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ تو فرعون سے زیادہ عاجز ہے۔ یہ کیونکر معبود ہو سکتا ہے۔ اور یہ لوگ جیسے اندھے ہو گئے تھے۔ ویسے ہی بہرے بھی ہو گئے تھے۔

لہ قال الامام الرازی تکلمہم لانہم من الحلولیۃ تجوز واحلول الالہ او حلول صفۃ من صفاتہ فی ذلک الجسم وان ھذا فی غایۃ البعد۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۴۰)

موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا مگر ایسے بہرے بنے کہ ایک نہ سنی چنانچہ فرماتے ہیں۔

البتہ تحقیق ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے طور پر سے لوٹنے سے پہلے ہی بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا اے میری قوم اصل بات یہ ہے کہ تم اس گوسالہ کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو، یہ سب فتنہ اور ابتلاء ہے اور سراسر گمراہی کا سامان ہے۔ اس بچھڑے کے پیچھے کا معبود اور خدا ہونا محال اور ناممکن ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا پروردگار خدائے رحمٰن ہے جس کی رحمت اور نعمت تمام عالم کو محیط ہے۔ اس کو رب اور معبود بناؤ بس اسی رب رحمٰن کی عبادت میں تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ وہ بولے جب تک موسیٰ ہمارے پاس نہ آئے تو ہم اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے۔ یعنی جب تک موسیٰ واپس نہ آجائے اس وقت تک ہم یہی کرتے رہیں گے۔ البتہ ان کے واپس آنے کے بعد دیکھا جائے گا جو اس وقت مناسب ہوگا وہ کریں گے۔ ہارون علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر کسی طرح نہ مانے بالآخر کنارہ کش ہوگئے ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو عجب طرح سے نصیحت فرمائی اول تو ان کو باطل پر متنبہ کیا اور کہا اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ یعنی یہ فتنہ ہے اس سے دور رہو دوم ان کو اللہ کی معرفت کی طرف متوجہ کیا اور کہا وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ یعنی تمہارا معبود وہ ہے جس کی رحمت تمام عالم کو محیط ہے۔ نہ کہ یہ بچھڑا۔ سوم ان کو نبوت کے اتباع کی دعوت دی فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ چہارم ان کو اتباع شریعت کی دعوت دی۔ اور یہ فرمایا وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِیْ۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کی نصیحت کو قبول نہ کریں گے۔ جب تک موسیٰ واپس نہ آئیں ہم اسی طریقہ پر قائم رہیں گے۔

جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے اور قوم کو بچھڑے کا طواف کرتے دیکھا تو غصہ میں بھر گئے اور اپنے داہنے ہاتھ سے حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ لیے اور بائیں ہاتھ سے داڑھی۔ اور کہا اے ہارون جب تو نے ان کو گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو کون سا امر تجھ کو مانع ہوا کہ تو میری پیروی نہ کرے۔ یعنی تجھ کو چاہیے تھا ان اہل ضلال سے جہاد و قتال کرتا یا میرے پاس کوہ طور پر چلا آتا۔ پس تو نے میرے حکم کے خلاف کیا اور ان گمراہوں سے مقابلہ اور مقاطعہ نہ کیا۔

ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں کے بیٹے نہ میری ڈاڑھی پکڑ اور نہ میرا سر میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نصیحت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن قوم نے مجھ کو ضعیف اور کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ یعنی تحقیق میں ان سے مقابلہ اور مقاطعہ بھی کرتا۔ لیکن مجھ کو ڈر یہ ہوا کہ آپ آکر یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو یاد نہ رکھا۔ یا یہ معنی ہیں کہ میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب ہارون علیہ السلام پر عتاب فرمایا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے نہایت محبت آمیز لہجہ میں اپنا بے خطا اور بے قصور ہونا اس طرح بیان کیا کہ اے میرے بھائی آپ کوہ طور پر جاتے وقت مجھے یہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو اس سورت میں هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى سے شروع ہوا وہ یہاں تک آکر تمام ہوا اور یہ آیت اسی قصہ کا اخیر ہے۔

لطائف و معارف

سحر سحر کے معنی لغت میں امر خفی اور پوشیدہ چیز کے ہیں اور اصطلاح میں اس عجیب و غریب شے کو کہتے ہیں کہ جس کی حقیقت اور کیفیت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت واقعیہ ہے یا محض نظربندی اور شعبدہ بازی ہے۔ معتزلہ اور متکلمین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں بلکہ سحر ایک بے حقیقت ملمع کاری کا نام ہے جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ امام ابو اسحاق اسفرائنیؒ اور ابو بکر رازیؒ کی یہی رائے ہے کہ سحر سے کسی شے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدل جاتی بلکہ خلاف واقعہ اس کی صورت متغیر ہو جاتی ہے۔

اور جمہور علماء کے نزدیک سحر محض تخییل اور نظربندی کا نام نہیں بلکہ بسا اوقات واقع میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو باذن الٰہی بسا اوقات اثر بھی کرتی ہے۔ اور یہی صحیح ہے اور ظاہر قرآن اور حدیث اسی پر دلالت کرتا ہے۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ سحر کے اقسام ہیں بعض میں شئی کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے اور بعض میں حقیقت نہیں بدلتی شعبدہ بازی بھی ایک قسم کا سحر ہے۔

اور آج کل جو مسمریزم نکلا ہے وہ بھی ایک قسم کا شعبدہ ہے جو قوت خیالیہ کا اثر ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سحر محض خیال بندی کا نام ہے اور واقع میں اس کی حقیقت نہیں ہوتی وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى۔

جواب یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر کی تمام اقسام محض تخییل اور نظربندی ہوں بلکہ جس سحر کی خدا تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے وہ خیال بندی تھا کہ ان کی لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ (تفصیل کے لیے فتح الباری ص ۲۲۲ ج ۱۰ دیکھیں)

معجزہ معجزہ اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور دنیا اس کے مقابلہ سے اور اس کے مثل لانے سے عاجز ہو۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ نبی کا فعل نہیں ہوتا، جسے دیکھ کر بالبداہت یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ امر منجانب اللہ ہے اور قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے جو مادی اسباب اور عقل سے بالاتر ہے اور برتر ہے اور سحر جادوگر کا ایک فعل ہوتا ہے جو اس کے ارادہ اور اختیار سے ظاہر ہوتا ہے نیز سحر ایک فن ہے جس کے اصول

اور قواعد مدوّن ہیں۔ جو اس فن کو سیکھے گا وہ جادو کر سکے گا۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ کوئی فن نہیں جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہو سکے، اور نہ وہ نبی کا کوئی اختیاری فعل ہے جس کو نبی اپنے ارادہ و اختیار سے کر سکے۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کہ جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی سنّت اور عام عادت کے خلاف بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر اپنی قدرت کا کرشمہ ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ اس کی نبوت و رسالت کی دلیل ہو اور لوگ دیکھتے ہی اس کو یہ سمجھ لیں کہ یہ اللہ کا فعل ہے اور قدرت بشری کے دائرہ سے خارج ہے اس کو دیکھتے ہی بالبداہت نبی کی صداقت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

پس معجزہ اللہ کے قہر اور قدرت کا ایک نمونہ ہوتا ہے اس کے علم اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ عقل و دلائل عقلیہ کا کچھ مقابلہ کر سکتی ہے مگر معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

سحر اور معجزہ میں فرق

۱۔ ہمارے اس گزشتہ بیان سے سحر اور معجزہ کا باہمی فرق واضح ہو گیا کہ سحر ایک فن ہے جو تعلیم و تعلم سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ اللہ کا فعل ہے جس میں کسی تعلیم و تعلم کو دخل نہیں۔

۲۔ نیز سحر اگرچہ ظاہر نظر میں بلا کسی سبب کے معلوم ہوتا ہے لیکن در پردہ اس کے اسباب خفیہ ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس میں اسباب طبعیہ کو بالکل دخل نہیں ہوتا۔

نیز جادو ہمیشہ بدکار اور گندے کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کی صورت اور چہرہ ہی سے یہ نظر آ جاتا ہے کہ یہ کوئی خدا کا نیک کردار اور دنیا اور حرص اور طمع سے بری اور بیزار بندہ ہے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور
در دل ہر امتی کز حق مزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزہ است

حکایت مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر و معجزہ

عارف رومیؒ نے مثنوی دفتر سوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں دو جادوگروں کی ایک عجیب حکایت نقل کی ہے جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا

درویشوں کی خواب گاہ کو تلاش کرو کہ وہ کہاں سوتے ہیں، جب موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا پاؤ تو اس کے عصا (لاٹھی) کے چرانے کی کوشش کرنا، پس اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لینا کہ یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جادوگر ہیں اور سحر اور جادو کا توڑ تو تمہارے لئے کوئی مشکل نہیں، کیونکہ تم بھی سحر میں کامل اور ماہر ہو،

اور اگر تم اس عصا کو نہ چرا سکے تو سمجھ لینا کہ وہ کوئی طلسم اور شعبدہ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ دونوں اللہ کے فرستادہ اور ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ان کی نبوت کی قطعی نشانی ہے کہ سوتا تو درکنار اگر ان کی وفات بھی ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو بلند فرمائے گا اور وہ کبھی مغلوب نہ ہوں گے، بیٹا جاؤ یہی نشانی ہے جو میں نے تم کو بتائی ہے، تم اسے دل پر نقش کر لو۔ دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ ایک درخت کے نیچے پڑے سو رہے ہیں، اور عصا قریب ہی رکھا ہے دونوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا، اور عصا چرانے کے لیے آگے بڑھے یکایک عصا نے حرکت کی اور اژدہا بن کر ان پر حملہ کرنے لگا، یہ دیکھ کر دونوں بھاگ نکلے۔

مولانا بحر العلوم "شرح مثنوی" صفحہ ۲۰۹ تا ۳۰۳ صفحہ دفتر سوم میں فرماتے ہیں کہ مولانا نے روم نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح کیا ہے وہ یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا بخلاف معجزہ کے کہ وہ رسول کی غفلت کی حالت میں بھی باقی رہتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ سحر ساحر کا فعل ہے اور اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہوا تو سحر اور اس کا اثر بھی ختم ہوا، جادوگر جب سو جاتا ہے تو اس کے جادو کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا، اس لیے وہ سحر معطل اور بیکار ہو جاتا ہے جیسا کہ جو مردہ جب سو جاتا ہے تو عاجز یا نذر ہو جاتا ہے بخلاف معجزہ کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس کو وہ محض اپنی قدرت سے نبی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی صداقت کی نشانی بنے اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ و نگہبان ہوتا ہے، نبی کی غفلت اور عدم غفلت کو معجزہ کے بقا اور عدم بقاء میں کوئی دخل نہیں، عصا کا سانپ بن جانا اور اس کے مارنے سے دریائے نیل میں راستہ پیدا ہو جانا یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل تھا، موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا کہ کس طرح عصا مارنے سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے معجزہ بیشک نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے مگر اس کا ظہور اللہ کے ارادے اور اختیار سے ہوتا ہے نبی کے ارادہ اور اختیار کو اور اس کی حالت بشریہ کو اس میں دخل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات رسول کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا ہے

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام

ختم کن واللہ اعلم بالسلام

اطلاع سحر اور معجزہ کے فرق کو اس ناچیز نے اپنی کتاب علم الکلام اور اصول اسلام میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے حضرات اہل علم ان دونوں کتابوں کی مراجعت کریں، انشاء اللہ تعالیٰ صادق و واضح کو مصداق پائیں گے۔ اور اگر اس ناچیز کو دعاء مغفرت سے نواز دیں تو زہے نصیب۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ

یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو احوال سے ان کے جو پہلے گزر چکے، اور ہم

اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ

نے دیا تجھ کو اپنے پاس سے ایک پڑھنا۔ جو کوئی منہ پھیرے اس سے سو اٹھائے گا

يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ

دن قیامت کے ایک بوجھ۔ پڑے رہیں گے اس میں، اور بُرا

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَ

ہے ان پر قیامت میں بوجھ اٹھانے کا۔ جس دن پھونکیں گے صور میں، اور

نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ

گھیر لاویں گے ہم گنہگاروں کو اس دن نیلی آنکھیں۔ چپکے چپکے کہیں آپس میں

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

دیر نہیں ہوئی تم کو مگر دس دن۔ ہم کو خوب معلوم ہے جو کہتے ہیں،

اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾

جب بولے گا ان میں اچھی راہ والا، تم کو دیر نہیں لگی مگر ایک دن۔

اثبات رسالت محمدیہ و تہدید معاندین و ترہیب از عذاب آخرت

قال اللہ تعالیٰ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا۔

ربط: یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا ماجرا ختم ہوا جو از اول تا آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان تھا اب ان آیات میں رسالت محمدیہ کا اثبات فرماتے ہیں اور جتلاتے ہیں کہ جیسے ہم آپ کو اس قرآن میں گزشتہ زمانے کے حالات سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ یہ آپ کی نبوت و رسالت کی اور اس قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہو، اور آپ کے لیے باعث تسلی ہو اور منکرین

اور معاندین کے لیے موجب تہدید و عبرت ہو۔ اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن جو ہم نے آپ کو عطا کیا ہے وہ آپ کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہے۔ جو لوگ اس قرآن سے اعراض کرتے ہیں قیامت کے دن ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ عصا کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزۂ قرآن کا ذکر فرماتے ہیں۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن بمنزلہ عصائے موسیٰ کے ہے کہ افعال کفریہ کو نگل جائے گا۔

اے رسول ما تو جادو نیستی
صادقی ہم خرقۂ موسیستی

اے ہمارے رسول آپ جادوگر نہیں بلکہ آپ سچے ہیں اور موسیٰ کے ہم خرقہ اور ہم مشرب ہیں۔

ہست قرآں مر ترا ہمچو عصا
کفرہا را درکشد چوں اژدہا

یہ قرآن آپ کے لیے عصائے موسیٰ کی طرح ہے کفر کے تمام سانپوں کو نگل جائے گا۔

تو اگر در زیر خاکے خفتۂ
چوں عصایش داں تو آنچہ گفتۂ

اگر آپ زیر خاک بھی خواب استراحت فرمائیں گے تو یہ قرآن عصائے موسیٰ کی طرح آپ کے دین کا پاسبان اور نگہبان ہوگا۔

آپ موسیٰ کے بھائی ہیں آپ کا آغاز اور انجام انہی کی طرح ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں اور ایسے ہی جس طرح ہم نے آپ کے سامنے موسیٰ کا قصہ بیان کیا۔ اسی طرح ہم آپ کے سامنے گزشتہ حوادث کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ آپ کو تسلی ہو اور آپ کی امت کے لیے عبرت اور نصیحت ہو اور سمجھیں کہ گزشتہ پیغمبروں کے کافروں کے ساتھ خدا تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا ہے۔ اور تحقیق ہم نے تجھ کو اپنے پاس سے ایک کتاب نصیحت و ہدایت دی ہے۔ جو شخص اس قرآن سے اعراض کرے گا۔ یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو وہ قیامت کے دن عاشیہ کفر اور معصیت کا بڑا بھاری بوجھ اٹھا کر لائے گا۔ درآنحالیکہ اس بوجھ کی سزا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ اور وہ ان کے واسطے قیامت کے دن بہت ہی برا بوجھ ہوگا جو ان پر لدا ہوگا۔ اور قیامت کا دن وہ دن ہوگا۔ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ جس سے مردے زندہ ہوں گے۔ اور ہم اس دن مجرموں کو یعنی کافروں کو جو اس قرآن کی تکذیب کرتے تھے میدان قیامت میں ایسی حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

مطلب یہ ہے کہ اس دن مجرمین کی علامت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور چہرے سیاہ ہوں گے اول اول ایسے بصیرت ہوں گے اور بعد میں اندھے ہو جائیں گے اور اس وقت اس قدر خوف زدہ ہوں گے کہ آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں گے کہ تم لوگ دنیا میں یا قبروں میں دس رات سے زیادہ نہیں رہے۔

صور ایک سینگ ہے جس میں پھونک مار کر لوگوں کو حشر کے لیے بلایا جائے گا۔ وہ دو دفعہ پھونکا جائے گا پہلی دفعہ میں تمام دنیا فنا ہو جائے گی اور دوسری دفعہ پھونکنے سے تمام زندہ ہو جائیں گے۔ اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا یہاں نفخہ سے مراد نفخۂ دوم ہے۔ اس روز جب کافر زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ان کی آنکھیں نیلی اور منہ کالے ہوں گے۔ اور ان پر پیاس غالب ہوگی اور بدحواس ہوں گے۔ اور دنیا کے طویل و عریض قیام کو یہ خیال کریں گے کہ ہم دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب ان میں کا بہتر طریقے والا یعنی ان میں پوری عقل والا یہ کہے گا کہ نہیں ٹھہرے تم دنیا میں مگر ایک روز یعنی اگر ہم کو پہلے سے اس کا علم ہوتا تو اس فانی کو ترک کرتے اور اس باقی کو اختیار کرتے۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾

اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال، سو تو کہہ ان کو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿١٠٧﴾

پھر کر چھوڑے گا زمین کو چٹیل میدان۔ نہ دیکھے تو اس میں موڑ نہ ٹیلا۔

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾

اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے، ٹیڑھی نہیں جس کی بات اور دب گئیں آوازیں رحمٰن کے ڈر سے پھر تو نہ سنے مگر بھس بھس آواز۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ

اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے اور پسند کی اس کی بات۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور پیچھے ہے اور یہ قابو میں نہیں لاتے اس کو دریافت کر کر۔ اور گرتے ہیں منہ آگے اس

لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ

جیتے ہمیشہ رہنے کے اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا ۔ اور جو

يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا

کوئی عمل کرے کچھ بھلائیاں اور وہ یقین رکھتا ہو سو اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا

وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ

اور نہ دبائے کا ۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا اور

صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ

پھیر پھیر سنایا اس میں ڈر کا شاید وہ بچتے چلیں یا ڈالے ان کے

يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا

دل میں سوچ ۔ سو بلند درجہ اللہ کا اس سچے بادشاہ کا اور تو

تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ

جلدی نہ کر قرآن لینے میں جب تک پورا ہو چکے اس کا اترنا اور کہہ

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

اے رب ! مجھ کو بڑھتی دے سمجھ ۔

منکرین آخرت اور مکذبین رسالت کے ایک سوال کا جواب

قال اللہ تعالیٰ: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ ..... الیٰ ..... وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۔

ربط: گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں منکرین آخرت کے ایک سوال کا ذکر کرتے ہیں کہ منکرین آخرت بطور تمسخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ پوچھتے تھے کہ اچھا اگر قیامت قائم ہوئی تو بتلاؤ کہ اس دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست و نابود ہونا ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب دیا کہ خداوند عالم ان کو خاک کرکے اڑا دے گا

کون نہیں اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد کون نکالے جانے کے قابل ہے اور کون نہیں اور تمام مخلوقات علم کے اعتبار سے اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں کہ وہ کسی کے بارے میں لیاقت اور عدم لیاقت کا حکم لگا سکے۔ اس لیے اس روز بغیر اجازت خداوندی کے کوئی کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گا۔ اور اس دن تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے پست اور ذلیل اور عاجزی کرنے والے ہوں گے۔ اس دن حکومت اور سلطنت صرف اللہ کی ہوگی۔ حی کے معنی ایسے زندہ کے ہیں کہ جو کبھی نہ مرے اور قیوم کے معنی جو ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حشر کے دن سب کے چہرے خدائے عزوجل کے سامنے عاجز اور سرافگندہ ہوں گے اور اس روز یہ چہرے دو قسم کے ہوں گے۔

قسم اول کافروں کے چہرے جیسے ہوں گے۔ جن کی بابت ارشاد فرماتے ہیں۔ اور تحقیق نامراد ہوا جس نے ظلم یعنی کفر اور شرک کا بوجھ اٹھایا۔ یعنی جو شخص کفر اور شرک کا بوجھ لے کر میدان حشر میں آیا وہ تو خراب اور برباد ہوا اور قسم دوم مؤمنین کی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں اور جو شخص نیک کام کرے گا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو وہ قیامت کے دن نہ ظلم اور زیادتی سے ڈرے گا اور نہ نقصان اور کمی سے ڈرے گا۔ ظلم اور زیادتی کے یہ معنی کہ اس کے گناہوں میں زیادتی اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور نقصان کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جو گناہ اس نے نہیں کیا ہے اس کا اس سے مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اور جو نیکی اس نے کی ہے وہ ضائع نہیں کی جائے گی۔ ہر ایک ظالم کو بقدر اس کے ظلم کے سزا ملے گی۔ اور ہر مؤمن صالح کو بقدر اس کے ایمان کے اور عمل صالح کے جزا ملے گی۔

اور ایسے ہی جس طرح ہم نے ان آیات میں قیامت کے احوال اور اہوال کو آپ کے سامنے بیان کیا ہے جو وعد اور وعید کو متضمن ہیں اسی طرح ہم نے اس سارے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تاکہ اہل عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعد اور وعید پر ایمان لائیں اور سعادت ابدی حاصل کریں۔ اور ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو مکرر سہ کرر بیان کیا ہے۔ تاکہ لوگ متقی اور پرہیز گار بن جائیں۔ یعنی تقویٰ کا ملکہ ان کے نفس میں راسخ ہو جائے یا کم از کم ان کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا کر دے۔ جو رفتہ رفتہ ان کو تقویٰ اور ہدایت کے مرتبہ تک پہنچا دے اور شاید آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں۔

ذکر کے معنی فکر اور عبرت اور نصیحت کے ہیں اور عبرت اور نصیحت ہدایت کی ابتداء ہے اور ورع اور تقویٰ اس کی منتہا ہے پس اللہ جو بادشاہ حقیقی اور مالک برحق ہے اور وہ بلند اور برتر ہے اس سے کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے امر و نہی اور وعد اور وعید نازل نہ فرمائے اور اپنے مجرموں کو سزا اور اپنے وفاداروں کو انعام نہ دے۔ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں فرق کرنا بادشاہت کے لوازم میں سے ہے اس لیے اس بادشاہ برحق نے اپنے بندوں کی صلاح اور فلاح کے لیے اور ان کے دین و دنیا کی بہبودی کے لیے آپ پر یہ کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم نازل فرمائی تاکہ راہ ہدایت ایسی واضح ہو جائے کہ کسی کو اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بندے اپنی صلاح اور فلاح سے باخبر ہو جائیں اور مجرمین پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔

أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَأَكَلَا

بتاؤں تجھ کو درخت سدا جینے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو ۔ پھر دونوں

مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

کھا گئے اس میں سے پھر کھل گئیں ان پر ان کی بُری چیزیں اور لگے گانٹھنے اپنے اوپر

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ

پتے بہشت کے اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا ۔ پھر

اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا

نوازا اس کو اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اس پر اور راہ پر لایا ۔ فرمایا اترو یہاں

مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ

سے دونوں اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن ۔ پھر کبھی پہنچے تم کو

مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا

میری طرف سے راہ کی خبر پھر جو چلا میری بتائی راہ پر نہ وہ بہکے گا نہ وہ

يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً

تکلیف میں پڑے گا ۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گذران

ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ

تنگی کی اور لاویں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا ۔ وہ کہے گا اے رب

لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ

کیوں اٹھا لایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھتا ۔ فرمایا

كَذٰلِكَ أَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ

یوں ہی پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو

قصد و ارادہ کے بھی آتے ہیں اس لیے آیت میں دونوں معنی درست ہیں اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ ہم نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے سو تم اس کے لیے سجدۂ تعظیم و تکریم بجا لاؤ تاکہ تمہارا یہ سجدۂ تعظیمی و تکریمی اس کی علامت ہو کہ تم خلیفۂ خداوندی کی اطاعت اور تائید اور تقویت میں کوئی کمی نہ کرو گے سجدۂ عبادت تو سوائے اللہ رب العزت کے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ یہ سجدہ، سجدۂ عبادت نہ تھا بلکہ سجدۂ تحیت تھا جو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں جائز رہا۔ اور خاتم الانبیاء کی شریعت میں منسوخ ہو گیا۔ جیسے بہن بھائی کا نکاح حضرت آدم کی شریعت میں جائز تھا اور اب منسوخ ہو گیا۔

پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ہم نے آدم سے کہا تحقیق یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے جیسا کہ تم نے اس کی عداوت اور حسد کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور ہم تمہاری ہی وجہ سے اس کو اپنی بارگاہ سے نکال رہے ہیں۔ پس تم اس سے ہوشیار رہنا کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے یہ تمہارا دشمن ہے اور تمہارے جنت سے نکالنے کی فکر میں لگا ہوا ہے پس ایسا کام نہ کرنا جس سے جنت سے نکلنا پڑے۔ پھر تم دنیا کی مشقتوں میں پڑ جاؤ۔ اور بیوی بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اس کو بھی جو تم پڑے گا وہی جنت سے تو دونوں ہی نکلو گے مگر ساری مشقت تم پر پڑ جائے گی۔ کیونکہ بیوی کی تمام ذمہ داری شوہر ہی پر ہوتی ہے اس آیت میں فتشقٰی سے آخرت کی شقاوت مراد نہیں بلکہ دنیا کا تعب اور اس کی مشقت مراد ہے۔ اس لیے کہ دنیاوی رزق میں بھوک اور پیاس کے دفعیہ کے لیے کاشت کاری اور آٹا پیسنا اور روٹی پکانا درکار ہے جو بغیر مشقت اور محنت کے ممکن نہیں اور یہاں آپ کو بلا مشقت اور بلا محنت اللہ کا رزق ملتا ہے۔ اس لیے کہ جنت میں تیرے لیے تمام نعمتیں اور راحتیں ہیں۔ جنت میں تو نہ کبھی بھوکا رہے اور نہ ننگا ہو سکتا ہے اور یہ کہ نہ تو اس میں پیاسا ہو اور نہ دھوپ کی تکلیف اٹھائے۔

غرض یہ کہ کھانے اور پینے اور غذا اور قیام اور طعام اور لباس کے سب آرام تجھ کو یہاں حاصل ہیں۔ اگر یہاں سے نکالا گیا تو دنیاوی رزق اور غذا کے حصول کے لیے تجھ کو بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ چنانچہ ابلیس نے یہ کہا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشہ رہنے کا درخت نہ بتلا دوں کہ جو کوئی اس میں سے کھا لیوے وہ کبھی نہ مرے اور کیا میں تم کو ایسی بادشاہت اور سلطنت نہ بتلا دوں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو۔ یعنی جس کو کبھی زوال نہ ہو یعنی اگر تو اس درخت سے کھا لے گا تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور تیری سلطنت کبھی زائل نہ ہو گی۔ شیطان نے اس طرح سے حضرت آدم کو دھوکہ دیا اور قسمیں اللہ کے نام سے ان کو فریب دیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر تم نے اس درخت سے کھا لیا تو تم کو جنت کا دوام اور خلود حاصل ہو گا۔ جب شیطان نے خدا کی قسم کھا کر حضرت آدم سے یہ کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔

پس اس طرح اس کے بہکانے سے دونوں نے اس درخت سے کھا لیا۔ جس کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور جنت کے دائمی عیش و عشرت کے شوق و رغبت نے اس ممانعت کو بھلا دیا۔ پس اس کے کھاتے ہی دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئے۔ یعنی اس درخت کے کھاتے ہی جنتی لباس اتر گیا اور دونوں ننگے ہو گئے اور لگے اپنے

لے قناعت تو نگرم گرداں
کہ وراء تو ہیچ نعمت نیست

یہ تو کافر کی دنیاوی زندگی کا حال ہوا اور کافر کی اخروی زندگی کا حال یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم اس کو نابینا اٹھائیں گے، یعنی جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اندھا ہوگا اور گونگا اور بہرا بھی ہوگا۔

کما قال اللہ تعالیٰ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا۔

کافر جب قبر سے اٹھے گا اس وقت اندھا ہوگا۔ بعد میں اس کا اندھا پن دور کر دیا جائے گا۔ اس وقت وہ کافر کہے گا کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دنیا میں بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے ہاں دنیا میں تو نے بھی ایسا ہی کیا تھا تیرے پاس ہماری ہدایت کی نشانیاں پہنچیں جو خوب روشن اور واضح تھیں پس تو نے ان کو بھلا دیا اور ان سے منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کر لیں اور باوجود بینائی کے تو ہماری آیات ہدایت اور دلائل قدرت کے دیکھنے سے اندھا بن گیا۔ اور اسی طرح آج تجھ سے تغافل برتا جائے گا یعنی جس طرح تو نے ہماری آیتوں سے اعراض کیا اور ان سے اندھا بنا رہا اور ہم کو بھول گیا، اسی طرح ہم آج تیرے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو نہ ہونے ہونے اور اندھے بہرے ہونے کے ساتھ ہونا چاہیے اور جس طرح یہ سزا اس کے جرم کے مطابق دی گئی اسی طرح ہم ہر اس شخص کو اس کے عمل کے مناسب جزا دیں گے جو حد سے گزر گیا اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا۔ تو دنیا میں تو اس کی سزا یہی ہے کہ اس کو معیشت ضنک یعنی تنگ زندگانی میں مبتلا کیا جائے اور عذاب مذکور کے بعد آخرت کا عذاب بہت ہی سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ یعنی دائمی ہے جس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

نکتہ: ان آیتوں میں ذکر خداوندی سے اعراض کرنے والوں کے لیے اول دو عقوبتوں کے بعد عذاب آخرت کا ذکر فرمایا اور بتلا دیا کہ وہ عذاب کبھی زائل نہ ہوگا۔ دنیا کی تنگی تو زائل ہو سکتی ہے۔ مگر آخرت کی مصیبت کبھی نہیں ٹل سکتی اور دوزخ کا عذاب کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

لطائف و معارف

عصمت انبیاء کے مسئلہ کی مفصل تحقیق سورۂ بقرہ کے شروع میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

اب پھر مختصر چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

۱۔ اہل حق کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں قصداً و ارادۃً ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں۔

دلائل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکے ہیں۔

فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

ان کے گھروں میں، اس میں خوب پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ

اور کبھی نہ ہوتی ایک بات نکل چکی تیرے رب سے تو ضرور ہوتی بھینٹ اور

اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ۭ فَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ

جو نہ ہوتا وعدہ ٹھہرا ۔ سو تو سہتا رہ جو کہیں اور پڑھتا رہ

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ

خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے

وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

اور کچھ گھڑیوں میں رات کی پڑھا کر اور دن کی حدوں پر شاید تو

تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا

راضی ہو۔ اور نہ پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو برتنے کو دی ہم نے

بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ڏ لِنَفْتِنَهُمْ

ان بھانت بھانت لوگوں کو رونق دنیا کی جیتے جی۔ ان کے جانچنے کو۔

فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰي ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ

اور تیرے رب کی دی روزی بہتر ہے اور دیر رہنے والی اور حکم کر اپنے گھر والوں کو

بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ

نماز کا اور آپ قائم رہ اس پر ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی ۔ ہم

نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا

روزی دیتے ہیں تجھ کو اور آخر بھلا ہے پرہیزگاری کا۔ اور لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں لے آتا ہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الانبیاء

اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء ہے یہ سورت باجماع مکی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس سورت میں سترہ پیغمبروں کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح حق کی تبلیغ کی، اس کی دعوت دی اور لوگوں نے کس طرح ان کو ایذائیں دیں اور انبیاء نے لوگوں کی ایذاؤں پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر اللہ نے انکو کامیاب فرمایا اور ان کے دشمنوں کا کیا عبرت انگیز انجام ہوا اور یہ سورت دلائل توحید اور دلائل رسالت اور دلائل قیامت پر مشتمل ہے جو دین اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ اور انہی مضامین کے اثبات اور تحقیق کے لیے چند انبیاء سابقین کے واقعات ذکر کیے ہیں اور اس سورت میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

آیاتہا ۱۱۲ ‏(۲۱) سُوْرَةُ الْأَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ (۷۳) رکوعاتہا ۷

سورۃ انبیاء مکی ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ

نزدیک آ لگا لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر

مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ

ٹلاتے ہیں۔ کوئی نصیحت نہیں پہنچتی ان کو ان کے رب سے نئی

اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ

مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے۔ کھیل میں پڑے ہیں دل ان کے

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ

اور چھپ کر مشورت کی بے انصافوں نے یہ شخص کون

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ

یہ ایک آدمی ہے جیسے تم ہی، پھر کیوں پھنستے ہو جادو میں آنکھوں

تُبْصِرُونَ ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ

دیکھتے؟ اس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی آسمان میں ہو

وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٤﴾ بَلْ قَالُوا

اور زمین میں، اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اس کو چھوڑ کر کہتے ہیں

أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ

اڑتے خواب ہیں، نہیں جھوٹ باندھ لیا ہے، نہیں شعر کہتا ہے

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ﴿٥﴾ مَا آمَنَتْ

پھر چاہیے کہ لے آوے ہمارے پاس کوئی نشانی جیسے پیغام لانے والے پہلے۔ نہیں مانی

قَبْلَهُم مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۖ أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾

ان سے پہلے کسی بستی نے جو کھپا دی ہم نے، اب کیا یہ مانیں گے؟

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۖ

اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر یہی مردوں کو کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کو

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧﴾ وَ

سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔ اور

مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا

نہیں بنائے تھے ہم نے ان کے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ تھے

كَانُوا خَالِدِينَ ﴿٨﴾ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنجَيْنَاهُمْ

ہمیشہ رہ جانے والے۔ پھر سچا کیا ہم نے ان سے وعدہ سو بچا دیا ان کو

وَمَنْ نَّشَاۤءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور جس کو ہم نے چاہا اور کھپا دیئے ہاتھ چھوڑنے والے۔ ہم نے اتاری ہے

اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ ع

تم کو کتاب کہ اس میں تمہارا نام ہے کیا تم کو بوجھ نہیں۔ اور

كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا

کتنی کوٹ ماریں ہم نے بستیاں جو تھیں گنہگار۔ اور اٹھا کھڑے

بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا

کئے ان کے پیچھے اور لوگ۔ پھر جب آہٹ پائی ہماری آفت کی

هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝۱۲ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى

تبھی لگے وہاں سے ایڑ کرنے۔ ایڑ مت کرو اور پھر جاؤ جہاں تم کو

مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ۝۱۳

عیش ملا تھا اور اپنے گھروں میں شاید کوئی تم کو پوچھے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴

کہنے لگے اے خرابی ہماری! ہم تھے بیشک گناہگار۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى

پھر برابر یہی رہی ان کی پکار۔ جب تک

جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝۱۵

ڈھیر کر دیئے کاٹ کر بجھے پڑے۔

حقیقت حال کی خبر دیں گے وہ شخص اگرچہ توریت اور انجیل کو نہیں مانتے تھے لیکن انبیاء کا جنس بشر سے ہونا جب حد متواتر سے اور علماء کی متفقہ شہادت سے ان کے سامنے واضح ہو جائے گا تو قطعاً اس کے قبول کرنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ مشرکین کو علماء توریت وانجیل کے علم وفضل کے معتقد تھے اور ان کی بات پر اعتماد کرتے تھے۔ آئندہ آیات میں بھی اسی شبہ کا دوسرے عنوان سے جواب دیتے ہیں کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے رسولوں کا ایسا جسم نہیں بنایا کہ وہ نہ کھاتے ہوں یعنی وہ فرشتہ نہیں تھے۔ جو کھانے اور پینے سے بے نیاز ہوں۔ یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ۔ یعنی اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ گذشتہ رسول آدمی تھے اور کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے نہ تھے یعنی ہم نے پیغمبروں کو ایسا نہیں بنایا کہ انہیں موت ہی نہ آئے جس طرح اور لوگوں کو موت آتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کو بھی موت آتی ہے۔ یہ اس بات کا جواب ہے کہ جو کفار آپ کی موت کے منتظر تھے۔ نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کسی بشر کے لیے بقاء اور دوام نہیں اور موت سے کسی کو مفر نہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خدا تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب بشر تھے ظاہری اور جسمانی حیثیت سے اگرچہ وہ عام انسانوں کے مشابہ تھے مگر باطنی اور روحانی طور پر وہ فرشتوں سے بھی بالا اور برتر تھے۔ سب آدمی تھے بندوں کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے کوئی ان پر ایمان لایا اور کسی نے انکار اور کفر کیا اور فریقین میں مقابلہ ہوا۔ ابتداء میں کافروں کو غلبہ ہوا۔ پھر چند روز بعد ہم نے پیغمبروں سے نجات اور غلبہ اور فتح کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھلایا۔ پس حسب وعدہ ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات دی یعنی اہل ایمان کو بچایا جنھوں نے انبیاء کی پیروی کی ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم انکو عذاب سے بچالیں گے اور انکے دشمنوں کو ہلاک کر دیں گے سو اس وعدہ کے مطابق ہم نے مؤمنین کو نجات دی اور کفر اور معصیت میں حد سے گزر جانے والوں یعنی کافروں اور مشرکوں کو زبردست عذاب سے ہلاک کیا۔ پس اے قریش مکہ ہوش میں آجاؤ اس قسم کا وعدہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب سے کیا ہوا ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ قریش کو اپنی ایک خاص نعمت پر متنبہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اے قریش مکہ البتہ تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے اور وہ کتاب متضمن تمہارے دین اور دنیا اور معاش اور معاد کی اصلاح اور فلاح کی راہیں بتاتی ہے یا یہ معنی ہیں کہ اس میں تمہارے لیے شرف اور بزرگی ہے کہ تمہاری زبان میں اللہ نے کتاب ہدایت نازل کی مگر تم نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور بجائے شکر کے اس کا کفر اور انکار کیا تو کیا تم سمجھتے نہیں کہ اپنے ظلم اور اسراف سے تائب ہو جاؤ اور اس کتاب ہدایت کو سر اور آنکھوں سے لگاؤ جو تمہارے لیے سرمایۂ سعادت ہے اور سمجھ جاؤ کہ ظلم اور اسراف یعنی حد سے گزر جانا قہر خداوندی کا سبب ہے تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے کتنی بستیاں جو ظالم اور مسرف تھیں۔ اس ظلم اور اسراف کی سزا

لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ

کھیلتے ۔ اگر ہم چاہتے کہ بنا لیں کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے

مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ

پاس سے ۔ اگر ہم کو کرنا ہوتا ۔ یوں نہیں، پر ہم پھینک

بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ

مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اس کا سر پھوڑ ڈالتا ہے پھر تب وہ مٹ

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِى

جاتا ہے اور تم کو خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو ۔ اور اسی کا ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

کوئی ہے آسمان و زمین میں اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں بڑائی نہیں

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ

کرتے اس کی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی ۔ یاد کرتے ہیں رات

وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ

اور دن نہیں تھکتے ۔ کیا ٹھہرائے انہوں نے اور صاحب

الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا

زمین میں کے وہ اٹھا کھڑا کریں گے ۔ اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوا

اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

اللہ کے، دونوں خراب ہوتے سو پاک ہے اللہ تخت کا صاحب ان باتوں سے

يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

جو بتاتے ہیں ۔ اس سے پوچھا نہ جاوے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے ۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ

کیا پکڑے ہیں انہوں نے اس سے ورے اور صاحب، تو کہہ لاؤ اپنی سند۔

هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ

یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور مجھ سے پہلوں کی۔ کوئی نہیں پر وہ بہت لوگ

لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۲۴﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا

نہیں سمجھتے سچی بات، سو ٹلا رہے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے

مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا

تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے، کسی

إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ

کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کرو۔ اور کہتے ہیں رحمٰن نے کر لیا کوئی

وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ

بیٹا۔ وہ اس لائق نہیں، لیکن وہ بندے ہیں جن کو عزت دی۔ اس سے بڑھ کر نہیں

بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

بول سکتے۔ اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ اس کو معلوم ہے جو ان کے

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ

آگے اور پیچھے اور وہ سفارش نہیں کرتے۔ مگر اس کی جس

ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿۲۸﴾ وَمَن

سے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور جو کوئی

يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ

ان میں کہے کہ میری بندگی ہے اس کے ورے سو اس کو ہم بدلہ دیں

جَهَنَّمَ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

دوزخ۔ ایسی ہی ہم بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو۔

بیان توحید و ابطال شرک

قال اللہ تعالیٰ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ... الیٰ ... كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۔

(ربط) ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک کا مضمون تحقیق نبوت و رسالت سے متعلق تھا۔ اب آئندہ آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرماتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرو تاکہ تم کو حق کی معرفت حاصل ہو عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیات میں کفار کی غفلت اور اعراض اور ان کے لہو و لعب کو بیان کیا اب آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ عالم کی پیدائش کھیل تماشہ نہیں بلکہ حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے یہ عالم پیدا کیا گیا ہے کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ وہ دنیا میں آزاد ہے جو چاہے کرے نہ عذاب ہے اور نہ ثواب ہے اور نہ کوئی داروگیر اور حساب کتاب ہے۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى۔ تم کو سمجھنا چاہیے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کو کھیل اور تماشہ نہ سمجھو بلکہ اس کے عجائب و غرائب میں نظر اور فکر سے کام لو اور گزشتہ بستیوں کو جو ہلاک اور برباد کیا گیا اس کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے دنیا کو کھیل اور تماشہ سمجھا اور جس غرض کے لیے دنیا پیدا کی گئی اس سے غفلت اور اعراض برتا۔ اور آسمان و زمین کے عجائب میں غور و فکر سے اس کے صانع اور خالق کا پتہ نہ لگایا اور انبیاء و رسل نے جب توحید کی دعوت دی تو ان کی تکذیب کی حق تعالیٰ نے اس تکذیب کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کیا چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل اور تماشہ کے لیے اور دل بہلانے کے لیے نہیں پیدا کیا۔ جیسا کہ نادان لوگ کی طرح کوئی نادان یہ گمان نہ کرے کہ یہ سارا عالم کھیل اور تماشہ ہے اور انسان دنیا میں کھیل تماشہ کے لیے اور مرنے اور مٹنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ بعض بے عقلوں کا خیال ہے کہ انسان یونہی آزاد پیدا ہوا ہے جو اس کا جی چاہے کرے۔ انسان مرنے کے بعد نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد نہ ثواب ہے نہ عقاب ہے سو یہ گمان بالکل غلط ہے بلکہ انسان خدا کا بندہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ بندہ کا حکم سے آزاد ہو جانا ناممکن اور محال ہے خدا نے بندہ کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ آسمان اور زمین کی عجائب صنعت میں غور و فکر سے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے اور عالم کی اس ظاہری آرائش اور رونق سے دھوکہ نہ کھائے اور خوب سمجھ لے کہ اس عالم کی پیدائش عبث اور بے فائدہ نہیں بلکہ اظہار قدرت کے لیے اور کمال حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

اور ہر ایک اپنا ہتھیار اور حکم چلانا چاہتا۔ حاصل یہ ہے کہ خدائی کے لیے انتہائی درجہ کا قہر اور غلبہ

اور قوت و قدرت لازم ہے جس میں برابری اور ہمسری کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں۔ دو خداؤں میں صلح و اتفاق کا کوئی امکان نہیں۔ دنیا میں دیکھو کہ برابر کے دو مستقل اور با اختیار حاکموں میں تنازع اور تمانع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم کا واقع ہونا ایک لازمی امر ہے اور تخالف اور تزاحم کے لیے فساد اور خرابی لازم ہے خاص کر جبکہ ہر ایک صاحب قدرت ہو پس اگر بفرض محال فرض کرلو کہ سوائے خدا کے چند خدا ہوں جو اس عالم کے کاموں کی تدبیر کریں تو ہر خدا اپنی رائے اور اختیار کو پورا پورا جاری اور نافذ کرنا چاہے گا۔ حاصل یہ کہ قدرت کاملہ اور اختیار کاملہ کا ہونا ضروری ہے کہ اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہے نافذ کر سکے اور سب پر قاہر اور غالب رہے اور کسی کو مجال دم زدنی نہ ہو۔

پس چند خداؤں کی موجودگی میں باہم اختلاف اور جنگ کا ہونا لازم ہے اور دو خداؤں کی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب دو خداؤں میں جنگ ہونے لگے اور خداؤں میں رسہ کشی ہونے لگے تو لامحالہ آسمان و زمین تباہ و برباد ہو جائیں گے اور اگر تباہ عالم سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جاتا کہ ایک خدا عالم پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا یہ چاہتا کہ پیدا نہ ہو تو پھر سرے سے عالم بھی بن نہ ہوتا عالم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں ٹکراؤ اور مسابقت ہوگی تو ایسی صورت میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی اور اگر موجود چیز پر دو خدا زور آزمائی کرنے لگیں تو اس کشمکش میں وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ کہ آسمان اور زمین تباہ و برباد ہو جاتے یا سرے سے وجود ہی میں نہ آتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان و زمین دونوں موجود ہیں اور اپنے نظام پر قائم ہیں اور آسمان اور زمین کے نظام میں کوئی فساد اور خلل نظر نہیں آتا آفتاب اور ماہتاب کا طلوع اور غروب اور لیل و نہار کی آمد و رفت اور آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین سے پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا ابتدائے آفرینش عالم سے دستور ایک ہی طریقہ پر جاری ہے برسوں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا کہ یہ کارخانہ عالم ایک ہی خدا کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے کوئی دوسرا خدا نہیں جو تدبیر عالم میں اس کا شریک اور سہیم ہو اور وہ صرف ایک ہے حق جل شانہ نے اس آیت میں اثبات توحید اور تعدد الٰہ کے ابطال پر جو دلیل ذکر فرمائی ہے وہ دلیل عقلی ہے جو منطقی پیرایہ میں اس کی تعبیر یہ ہے کہ اثبات مدعی کے لیے ایک صغریٰ چاہیے اور ایک کبریٰ چاہیے کہ دونوں مقدموں کے ملانے سے نتیجہ نکل سکے۔ سو اس دلیل کا صغریٰ یہ ہے کہ تعدد الٰہ مستلزم فساد عالم ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ فساد عالم منتفی ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ تعدد الٰہ باطل اور منتفی ہے اور جب خدا کا متعدد ہونا باطل ٹھہرا تو خدا کی وحدانیت ثابت ہو گئی۔

اصطلاح علماء میں یہ دلیل برہان تمانع کے نام سے مشہور ہے اور تمانع کے معنی تزاحم اور تنازع اور تخالف کے ہیں۔ لہذا حاصل دلیل کو دلیل تزاحم اور دلیل تنازع اور دلیل تخالف بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ

کہ اس عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق اور اس کی تدبیر اور اس کا انتظام دونوں خداؤں کے کلی اتفاق سے چل رہا ہے
یا کبھی کبھی اختلاف بھی پیش آجاتا ہے جو صورت بھی مانی جائے محال اور ناممکن ہے۔ اتفاق کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت
تو یہ ہے کہ یہ عالم۔ دونوں خداؤں کی مجموعی قوتوں اور اجتماعی قدرتوں سے پیدا ہوا ہے۔ اور دوسری صورت اتفاق کی یہ
ہے کہ دونوں خداؤں میں سے ہر ایک مستقلاً اس عالم کا خالق اور موجد ہے۔ پس اگر اتفاق کی پہلی صورت مان لی جائے
اور یہ کہا جائے کہ یہ دونوں خداؤں کے اتفاق سے اور دونوں کی مجموعی قوتوں سے کارخانہ عالم کا کام چل رہا ہے تو اس
صورت میں یہ محال لازم آئیگا کہ دونوں میں سے کوئی بھی مستقل خدا نہ رہے گا بلکہ دونوں میں کا ہر ایک ناقص اور عاجز ہوگا
علیحدہ علیحدہ کوئی بھی خدا نہ ہوگا بلکہ ایک کمیٹی مل کر خدا بنے گی اس لیے کہ اس صورت کا حاصل تو یہ ہوگا کہ ایک خدا
سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس لیے دونوں خداؤں نے مل کر عالم کا انتظام کیا پس جب کسی خدا کو تنہا عالم کے
انتظام پر قدرت نہ ہوئی تو انتظام کے لیے دوسری قوت اور قدرت کا محتاج ہوا معلوم ہوا کہ اس کی قدرت ناقص ہے
اور جس کی قدرت ناقص ہو اور انتظام میں دوسری قوت کا محتاج ہو تو وہ خدا نہیں ہو سکتا مثلاً اگر دو قوی آدمی مل
کر کسی پتھر کے اٹھانے کا سبب بنیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص کی انفرادی قوت
اس پتھر کے اٹھانے کے لیے کافی نہیں بلکہ دونوں کے مجتمع ہونے کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک
کی قوت ناتمام اور ناکافی ہوگی اور دوسری قوت کی محتاج ہوگی کہ اس کے ساتھ مل کر پتھر کو اٹھا سکے۔ تو اگر دو خداؤں
میں بھی یہی صورت فرض کی جائے تو یہ لازم آئیگا کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہے اس لیے کہ ہر ایک
ناقص ہے اور تنہا ایجاد عالم کے لیے ناکافی ہے بلکہ اس صورت میں دونوں کا مجموعہ مرکب بمنزلہ ایک خدا کے
قرار پائے گا تو اس صورت میں خدا کا مرکب ہونا لازم آئیگا اور خدا کا مرکب ہونا محال ہے کیونکہ جو چیز مرکب ہوتی
ہے وہ حادث اور ممکن ہوتی ہے اور خدا کا واجب الوجود ہونا قطعاً ضروری ہے۔

اتفاق کی دوسری صورت

اور دو خداؤں میں اتفاق کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہر خدا مستقل
خدا ہے اور اپنی ایجاد اور تاثیر میں مستقل ہے اور دونوں یا تینوں
خدا کسی ایک از وجہ پر سب متفق ہیں اور دونوں یا تینوں خداؤں کے ارادہ سے یہ عالم وجود میں آیا ہے اور
ہر خدا کی قدرت اور تاثیر مستقلاً اس کے وجود میں دخیل ہے تو یہ صورت بھی محال ہے اس لیے کہ اس صورت
میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ ایک مقدور پر دو مستقل قدرتیں طاری اور وارد ہو جائیں اور ایک شئے دو مستقل
علتوں مستقلہ کی معلول بن جائے اور عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک شئ کی دو علتیں تامہ ہوں ایک علت
تامہ کے بعد دوسری علت تامہ کا اثر لغو ہے اور ایک قدرت کا اثر کے بعد دوسری قدرت کا اثر بیکار ہے ایک
شئی پر دو مستقل قادروں سے وقوع اور حصول عقلاً محال ہے۔ اسی طرح ایک معلول کی دو علت تامہ اور دو
خالق مستقل بالتاثیر نہیں ہو سکتے جب ایک شئی ایک خالق مستقل کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آگئی تو یہ
محال ہے کہ اب وہی شئی بعینہ دوسرے خالق کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آئے جو شئی ایک خدا کے ارادہ
سے وجود میں آگئی اور آچکی تو دوسرا خدا اس کو کیسے موجود کرے گا موجود کو موجود کرنا تحصیل حاصل ہے۔ پہلا تو

پہلا

کوئی ان میں یہ کہنے لگے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں، تو ایسے کو ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ جس جو خدائی کا دعویٰ کرے اس کی سزا جہنم ہے اور فرشتے اور انبیاء ان باتوں سے پاک اور منزہ ہیں جو مشرکین ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہ سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں اور ہر وقت اس سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اس کے سامنے بول بھی نہیں سکتے پھر کس بنا پر تم نے ان کو خدا کا اوتار ٹھہرایا۔ فرشتے اور انبیاء سب خدا کے بندے ہیں۔ معاذ اللہ خدا کی اولاد نہیں۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ أَنَّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ

اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور

وَٱلْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا

زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا اور بنائی

مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَ

ہم نے پانی سے ہر چیز جس میں جان ہے پھر کیا یقین نہیں کرتے؟ اور

جَعَلْنَا فِى ٱلْأَرْضِ رَوَٰسِىَ أَن تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا

رکھے ہم نے زمین میں بوجھ کبھی ان کو لے کر جھک پڑے اور رکھیں

فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا

اس میں کشادہ راہیں شاید وہ راہ پاویں۔ اور بنایا ہم نے

ٱلسَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ ءَايَٰتِهَا

آسمان کو چھت بچاؤ کیا۔ اور وہ اس کے نمونے

مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلَّيْلَ

دھیان میں نہیں لاتے۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور

وَٱلنَّهَارَ وَٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِى فَلَكٍ

دن اور سورج اور چاند سب ایک ایک گھر میں

یسبحون ۳۳

بیان دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت

قال اللہ تعالیٰ اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنٰہما ... الی ... کل فی فلک یسبحون

ربط: گزشتہ آیت میں تخلیق عالم اور دلیل توحید کا ذکر تھا اور اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے اس عالم کو عبث اور بے مقصد اور بیکار اور بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ انواع واقسام کے منافع اور مصالح سے مملو پیدا کیا تاکہ نظر کرنے والوں کے لیے تبصرہ اور عبرت پکڑنے والوں کے لیے تذکرہ ہو جائیں اور جس سے بندوں کے امور معاش اور معاد منتظم ہوں اور ان کو دیکھ کر اس کے خالق اور مدبر کو پہچانیں اور اسکے واحد اور یکتا ہونے پر استدلال کریں اب آئندہ آیات میں کچھ اور دلائل قدرت وحکمت بیان کرتے ہیں جو وجود صانع پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ تمام کائنات اسکے دست قدرت میں مقہور اور مجبور اور مسخر ہیں اور فرش سے عرش تک سارا کارخانہ اسی کا بنایا ہوا ہے اور اسی کے ارادہ اور مشیت سے چل رہا ہے مشرکین کو چاہئے کہ ذرا ان نشانیوں میں غور وفکر کریں اور دیکھیں کہ انکی تخلیق وتدبیر میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں پھر عقلاً یہ کیسے روا ہے کہ اسکے ساتھ دوسرے کو بھی شریک کیا جاوے اور اسکے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیا جائے اس ذیل میں حق تعالیٰ نے چھ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اول

کیا ان کافروں نے جو اللہ کی وحدانیت کے منکر ہیں اور غیروں کو اسکی عبادت میں شریک کرتے ہیں چشم بصیرت ونظر عبرت سے یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں سمجھا کہ تحقیق آسمان اور زمین ابتداء میں دونوں باہم متصل اور ملے ہوئے تھے یعنی ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے اور چپکے ہوئے ایک ہی بند چیز تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا جس سے آسمان الگ ہو گیا اور زمین الگ ہوئی۔ آسمان کو بلند کیا اور زمین کو پست کیا اور دونوں کے درمیان دونوں میں فصل کر دیا پھر آسمانوں کو سات اور زمین کو سات کر دیا۔ دونوں کے منہ بند تھے اللہ نے اپنی قدرت سے دونوں کے منہ کھول دیئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے نباتات اگائے اور نہریں اور چشمے جاری کیے ابتداء میں آسمان اور زمین کے منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بندوں کے فائدے کے لیے دونوں کے منہ کھول دیئے آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین

قسم قسم کی غذائیں اور پھل نکلنے لگے اور نہریں اور چشمے جاری ہوگئے کیا کافروں نے غور اور فکر سے کام نہیں لیا کہ یہ عجیب قدرت میں غور نہیں کیا کہ کرشمۂ قدرت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں پھر اس کی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہیں۔ آیت کی یہ تفسیر ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے اور اسی کو امام رازیؒ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ج ۶)

ابو مسلم اصفہانیؒ سے یہ منقول ہے کہ "رتق" سے حالت عدم مراد ہے اور فتق سے حالت ایجاد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا مشرکین کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان و زمین ایک وقت میں معدوم تھے جن میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا پھر ہم نے انکو پیدا کر کے ان میں امتیاز قائم کیا جب سب حالت عدم میں تھے اس وقت ان میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے انکو وجود عطا کر دیا تب ایک چیز دوسری چیز سے متمیز ہوئی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۴۳ جلد ۶ و روح المعانی ص ۲۲ جلد ۱۷)

اب اس قول کی بنا پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ کیا ان کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین پہلے معدوم تھے ہم نے اپنی قدرت سے انکو وجود عطا کیا تو جب مشرکین خدا کو خالق اور موجد مانتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں کیوں شریک کرتے ہیں۔

مگر محققین اور جمہور علماء تفسیر کے نزدیک صحیح قول وہی ہے جو ہم نے ابن عباسؓ اور سعید ابن جبیرؒ اور حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے نقل کیا۔

سوال رہا یہ سوال کہ مشرکین نے آسمان و زمین کی رتق اور فتق کو کب دیکھا جس پر انکو توبیخ کی گئی اور کہا گیا اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں اور خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں چشم سر سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ چشم بصیرت اور نظر عبرت سے دیکھنا مراد ہے کہ اگر یہ لوگ غور و فکر کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ آسمان و زمین کبھی بند تھے پھر کھولے گئے کیونکہ بدلالت عقل یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام اجسام علویہ اور سفلیہ سب حادث ہیں اور ان کے احوال اور کیفیات بھی سب حادث ہیں۔ آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین سے قسم قسم کی نباتات کا اگنا یہ بھی حادث ہے ان چیزوں کا حدوث آنکھوں کے مشاہدہ سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر حادث کے لیے کوئی محدث اور موجد چاہئے جس پر تمام اسباب و علل کی انتہا ہوتی ہو اور ہر حادث کی انتہا واجب الوجود پر ہے جو ان حوادث کا محدث اور موجد ہے (دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازیؒ ص ۱۴۳ جلد ۶ و حاشیہ قونوی علی تفسیر البیضاوی ص ۱۳۳ ج ۵)

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ آسمان و زمین کا جسم متصل ہونا ظاہر ہے اور رتقًا ففتقنٰهما آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے نباتات کا اگنا رتق و فتق کا ہونا یہ سب مشاہدہ کے ساتھ ہے اور عقل و فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کسی جسم متصل سے کوئی چیز بھی نکلتی دکھائی دے تو دیکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اس جسم متصل

کا منہ بند تھا، جب منہ کھلا تو مٹکے میں سے پانی نکلنے لگا اور صندوق کا منہ بند تھا۔ جب منہ کھلا تو اس میں سے قسم قسم کے کپڑے نکلنے لگے، یہی حال آسمان اور زمین کا سمجھو، کفار نے اگرچہ آسمان و زمین کے رتق و فتق کو نہیں دیکھا مگر آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اُگنا تو دیکھا ہے اسی کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اُگنا خود بخود نہیں بلکہ درپردہ کوئی دست قدرت کار فرما ہے کہ وہ جب اور جتنا اور جس وقت چاہتا ہے اسی وقت اتنا ہی پانی آسمان سے برستا ہے اور یہی حال روئیدگی کا ہے بلکہ ہر سال موسم برسات میں جب بارش کے آنے میں دیر ہوتی ہے تو یہ کافر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ آسمان کا منہ بند ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان کا منہ کھولتا اور بارش برساتا ہے تو زمین کا بھی منہ کھل جاتا ہے اور قسم قسم کا سبزہ اگنے لگتا ہے، ہر سال اس منظر کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر بھی یہ کافر خداوند قدرت پر ایمان نہیں لاتے۔

قسم دوم

اور کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس رتق اور فتق کے بعد ہم نے جہان کی ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہر جاندار چیز بلاواسطہ یا بالواسطہ پانی سے پیدا ہوئی اور زندگی اور حیات کے لیے پانی کی محتاج ہے گویا کہ ہر چیز کا مادۂ حیات پانی ہی ہے جیسا کہ دوسری آیات میں ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔ اور وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۔

اور مسند احمد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ كُلُّ شَيْءٍ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ ہر شے پانی سے پیدا ہوئی ہے۔

اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ فرشتے اگرچہ نور سے پیدا ہوئے اور جن نار سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے لیکن اصل مادۂ حیات سب کا پانی ہے اور وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا ہوا۔ واللہ اعلم۔

تو کیا یہ لوگ ہماری اس قدرت کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے اور قادر مختار کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

فائدہ گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ آسمان و زمین کے منہ بند تھے اور دونوں ایک چیز تھے، ہم نے آسمان کا منہ کھولا تو اس سے پانی برسا اور زمین کا منہ کھولا تو اس سے نہریں اور چشمے جاری ہوئے اور قسم قسم کے نباتات اُگے اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ نے پانی کے متعلق اپنی قدرت کی نشانی کو بیان کیا کہ ہر جاندار کی اصل پانی ہے اور تمام کرۂ زمین پانی سے گھرا ہوا ہے اور پانی ہی تمام زمین کے اندر پھیلا ہوا ہے جس طرح عرش پانی پر قائم ہے اور زمین بھی پانی پر قائم ہے اس لیے فرمایا کہ ہم نے ہر زندہ

بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا

ان پر بیخبر پھر انکے ہوش کھودے گی پھر نہ سکیں گے اس کو پھیر دیں اور نہ

هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن

انکو فرصت ملے گی۔ اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں کتنے رسولوں سے

قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا

تجھ سے پہلے پھر الٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر ان میں سے جس چیز کا

بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ مَن يَكْلَؤُكُم بِاللَّيْلِ وَ

ٹھٹھا کرتے تھے۔ تو کہہ کون ہے جو نگہبانی کرتا ہے تمہاری رات میں اور

النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِم

دن میں رحمٰن سے؟ کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے

مُّعْرِضُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن دُونِنَا ۚ

ٹلا کرتے ہیں۔ یا ان کے کوئی ٹھاکر ہیں کہ انکو بچاتے ہیں ہمارے سوا؟

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُم مِّنَّا

وہ اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ انکو ہماری طرف سے

يُصْحَبُونَ ﴿٤٣﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ

رفاقت ہو۔ کوئی نہیں پر ہم نے برتوایا انکو اور انکے باپ دادوں کو جب تک

طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ

کہ بڑھ گیا ان پر جینا۔ پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین

نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ قُلْ

کو گھٹاتے اسکے کناروں سے؟ اب کیا وہ جیتنے والے ہیں۔ تو کہہ

مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ

تک گواہ ہوں ۔ اور قسم اللہ کی ، میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا

بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا

جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر ۔ پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوْا

مگر ایک بڑا ان کا کہ شاید اس پاس پھر آویں ۔ کہنے لگے

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾

کس نے کیا یہ کام ہمارے ٹھاکروں سے ؟ وہ کوئی ہے بے انصاف ہے

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾

وہ بولے ہم نے سنا ہے ایک جوان ان کو کچھ کہتا ، اس کو پکارتے ہیں ابراہیم ۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ

وہ بولے اس کو لے آؤ لوگوں کے سامنے ، شاید وہ

يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

دیکھیں ۔ بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے ٹھاکروں پر

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا

اے ابراہیم ۔ بولا نہیں ، پر یہ کیا ان کے اس بڑے نے ، سو ان

فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى

سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں ۔ پھر سوچے اپنی جی میں

اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ

پھر بولے ، لوگو : تم ہی ہو بے انصاف ، پھر

نُكِسُوا عَلٰى رُءُوسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ

اوندھے ہو رہے سر ڈال کر تو تو جانتا ہے جیسا یہ

يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

بولتے ہیں۔ بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ سے ورے ایسے کو

لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا

کہ تمہارا کچھ بھلا کرے نہ بُرا؟ بیزار ہوں میں تم سے اور

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا

جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا، کیا تم کو بوجھ نہیں؟ بولے

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾

اسکو جلاؤ اور مدد کرو اپنے ٹھاکروں کی اگر کچھ کرتے ہو۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَ

ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈک ہو جا اور آرام ابراہیم پر۔ اور

اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنٰهُ

چاہنے لگے اسکا برا پھر انہی کو ہم نے ڈالا نقصان میں۔ اور بچا نکالا ہم

وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾

نے اسکو اور لوط کو، اس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا

اور بخشا ہم نے اسکو اسحٰق، اور یعقوب دیا انعام میں اور سب

جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ

کو نیک بخت کیا۔ اور ان کو کیا ہم نے پیشوا راہ بتاتے

بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ

ہمارے حکم سے اور کہہ بھیجا ان کو کرنا نیکیوں کا اور برپا رکھنی

الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾

نماز اور دینی زکوٰۃ اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے ۔

(۳) قصۂ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۔

یہ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جو اہل عرب اور اہل کتاب کے مسلّم بزرگ ہیں اور ان کا طریقہ توحید کے دلدادہ اور شرک اور بت پرستی کے دشمن تھے اور حضرت ابراہیمؑ اولو العزم پیغمبروں میں سے تھے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم کو موسیٰ اور ہارون سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہایت راست اور خاص ہدایت عطا کی تھی۔ جو ان کی شان کے لائق تھی اور ہم ان کی ہدایت اور صلاحیت سے خوب واقف تھے۔ یعنی ہم نے ان کو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا منبع اور مخزن بنایا تھا یا یہ معنی ہیں کہ ہم نے ابراہیم کو نبی ہونے سے پہلے ہی حق کی معرفت عطا کر دی تھی یعنی بالغ ہونے سے پہلے ہی ہم نے ان کو خاص ہدایت اور رشد عطا کی تھی اور ہم ان کی صلاحیت اور اہلیت سے باخبر تھے کہ ان کے وجود کی طرح ان کی صلاحیت بھی ہماری عطا کردہ تھی اور اس کا ظہور اس وقت ہوا جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن پر تم معتکف اور مجاور بنے ہوئے ہو اور جن کی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہو وہ لوگ بولے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرتے ہوئے پایا لہٰذا ہم ان کی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ بے شک تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں پڑے رہے ان کا یہ عمل کسی حجت اور برہان کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض ان کے نفس کی خواہش تھی اور ایسی کھلی گمراہی ہے جو کسی عاقل پر مخفی نہیں رہ سکتی وہ تعجب سے بولے کیا تو حقیقت میں کوئی حق بات لے کر آیا ہے یا دل لگی کرنے والوں میں سے ہمارے ساتھ دل لگی کر رہا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں تم سے دل لگی نہیں کر رہا ہوں بلکہ حق اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اس بات پر تمام ملائکہ اور تمام عقول انبیاء شاہد اور گواہ ہیں اور میں بھی تمہارے سامنے شاہد ہوں اور میں اس امر واضح پر دلیل اور برہان بھی قائم کر سکتا ہوں اور میں اس کو خوب جانتا ہوں اور اس پر یقین رکھتا ہوں اور قسم ہے خدا کی میں تمہارے ان بتوں کی خوب گت بناؤں گا۔ جب تم پشت پھیر کر ان بتوں کے پاس سے چلے جاؤ گے یعنی جب تم عید میں چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کا علاج کروں گا یعنی تمہارے بتوں کو توڑ ڈالوں گا

پر حجت قائم کردی۔

پس جب وہ لوگ اپنی عید سے واپس آئے اور بت خانے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کس نے کیا ہے یہ ہمارے بتوں کے ساتھ وہ شخص جس نے ایسا کیا ہے بے شک بڑا ظلم کرنے والوں میں سے ہے۔ بعض نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتا رہتا ہے اس کا نام ابراہیم بتایا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس نے کیا ہے کیونکہ اس کے سوا کون کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے جب مشرکین سے گفتگو کی تھی تو اس وقت ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا تھا۔ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ الآ یعنی میں تمہارے ساتھ ایک چال چلوں گا تو جس شخص نے یہ لفظ حضرت ابراہیم کی زبان سے سنا تھا اس نے یہ کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ کام اسی نوجوان کا ہے کہ بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا تھا جب یہ خبر نمرود اور اس کے ارکان دولت کو پہنچی تو کہنے لگے کہ پھر تو اس کو سب لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لاؤ تاکہ لوگ گواہ رہیں کہ بتوں کو توڑنے والا یہی شخص ہے یا یہ معنی ہیں کہ اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ اس کو دیکھیں حضرت ابراہیم بھی یہی چاہتے تھے کہ مجمع میں اس پر گفتگو ہو تاکہ ان لوگوں کی جہالت اور بے عقلی ظاہر ہو کہ جو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں، چنانچہ ابراہیم حاضر کیے گئے اس وقت ان لوگوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں کہا بلکہ اس کام کو ان کے اس بڑے نے کیا ہے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور تبر (کلہاڑا) اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے ہے جو توڑنے کا آلہ ہے۔ شاید اس کو اس بات پر غصہ اور غیرت آئی ہو کہ تم اس بڑے کے ساتھ اور اس کے سامنے ان چھوٹوں کو کیوں پوجتے ہو اس لیے اس نے ان کو توڑ دیا۔ کیا جب اس بڑے بت کا معبود ہونا ممکن ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ کام بھی اس نے کیا ہو اور اگر تمہیں یہ شبہ ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے سو تم ان چھوٹے بتوں ہی سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں یہ خود ہی بتلا دیں گے کہ یہ کام کس نے کیا ہے۔ تمہارے اعتقاد میں جب یہ بت تمہاری حاجت روائی کر سکتے ہیں تو وہ لامحالہ تمہارے سوال کا جواب بھی دے سکیں گے۔ حضرت خلیل اللہ کی مراد یہ تھی کہ جو اس درجہ عاجز ہے کہ بولنے پر بھی قادر نہیں تو اس کو معبود بنانا حماقت ہے۔ کیونکہ جو بولنے سے بھی عاجز ہے اور جس مکان میں یہ واقعہ پیش آیا اس کے علم سے بھی قاصر ہے تو وہ معبود کیونکر ہو سکتا ہے۔ بتوں کو توڑنے والے بلاشبہ حضرت ابراہیم تھے لیکن بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا۔ کہہ کر توڑنے کا الزام بڑے بت پر جو لگایا تو وہ بطور تبرا (حقیقت) نہ تھا بلکہ بطور استہزاء و تمسخر تھا جس سے مقصود ان کی تحمیق و تجہیل تھی کیونکہ صورت حال ایسی تھی کہ یہ فعل انہی دو کا تھا یا حضرت خلیل اللہ اور بت کے درمیان دائر تھا جن میں سے ایک بلا شبہ عاجز تھا یعنی بت اور ایک بلا شبہ قادر تھا یعنی حضرت ابراہیم اور عقلاء کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جو فعل عاجز اور قادر کے درمیان دائر ہو یعنی ایک تو اس فعل پر قادر ہو اور دوسرا اس فعل سے عاجز ہو تو اگر عاجز کی طرف اس فعل کی نسبت کی جائے تو یہ عاجز کے ساتھ تمسخر اور استہزاء ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین تھا کہ احتمال کے درجہ میں بھی کافروں کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ اس بڑے بت نے ان چھوٹے بتوں کو توڑ کر کلہاڑا اپنی گردن پر لٹکا لیا ہے۔ محض استہزاء کے طور

بھی ہجرت کی جو ان پر ایمان لے آئے تھے جن میں حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے جو ساری قوم کے خلاف ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ۔ اور آپ کی بی بی سارہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ اوّل جا کر حرّان میں ٹھہرے پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے مصر چلے گئے پھر وہاں سے شام آئے اور فلسطین کے علاقہ میں اقامت اختیار کی۔ اور لوط علیہ السلام نے مؤتفکہ میں رہنا اختیار کیا۔ مؤتفکہ نے ان کو اس علاقہ کا نبی بنا دیا۔ غرض یہ کہ ان حضرات نے بحکم الٰہی ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی اور ہجرت کے بعد ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی درخواست کے مطابق بیٹا اسحاق دیا اور یعقوب پوتا بطور نفل اور زیادہ دیا یعنی پوتا بغیر درخواست کے بے مانگے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کل عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی۔ اوّل اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے میں اسحٰق بیٹا عطا کیا اور پھر اسحاق کا بیٹا یعقوب پیدا ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں پوتے کو بھی دیکھا اور پوتے کو نافلہ فرمایا اس لیے کہ نافلہ کے معنی زیادہ کے ہیں۔ پوتا چونکہ بیٹے پر زیادہ ہے اس لیے اسکو نافلہ کہا یا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے سوال صرف فرزند کا کیا تھا۔ سو اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اسحاق فرزند عطا کیا اور یعقوب بغیر سوال کے زیادہ دے۔ اس لیے انکو نافلہ سے تعبیر کیا اور ان سب کو یعنی باپ اور بیٹے اور پوتے سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے ان کو مخلوق کے لیے پیشوا بنایا کہ وہ لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق راہ بتاتے اور ہم نے انکی طرف نیک کاموں کے کرنے کی وحی کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی خصوصاً ہیں۔ نیک کاموں میں نماز اور زکوٰۃ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ عبادات بدنیہ میں نماز سب سے افضل ہے اور عبادات مالیہ میں زکوٰۃ سب سے افضل ہے اور یہ سب خاص ہماری عبادت کرنے والے تھے۔ دل سے ہماری اطاعت کرتے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر طرح طرح سے احسان فرمائے۔ اوّل تو یہ کہ بچپن ہی سے ان کو رشد و ہدایت سے نوازا۔ دوم یہ کہ عالم و جابر کے مقابلہ میں انکو غلبہ عطا کیا۔ سوم یہ کہ انکو بابرکت زمین کی طرف ہجرت کرائی۔ چہارم یہ کہ انکو اولاد صالح عطا کی۔ پنجم یہ کہ اولاد کو بھی نبی بنایا اور پیشوا عالم بنایا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

لطائف و معارف

۱۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو انکا رشد بچپن ہی سے دے دیا تھا یعنی صغر سنی میں ان کو حق کی معرفت اور الہام بت شکنی کی توفیق دی اس لیے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ یہ صاحب بصیرت بچپن ہی سے تھے۔

۲۔ مشرکین نے جب اپنی عید سے واپس آ کر دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں تو ابراہیم سے پوچھا کیا یہ تم نے کیا۔ تو ابراہیم نے جواب دیا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے حضرت ابراہیم کے اس واقعہ کے متعلق صحیح بخاری وغیرہ میں ایک حدیث آئی ہے جس کا مطلب سمجھ لینا چاہیے وہ حدیث یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے سوائے تین مرتبہ کے کبھی جھوٹ نہیں بولا ایک تو اس وقت کہ جب ان کی قوم نے بلایا

تو میری طرف سے اجازت ہے کہ وہ اسکی مدد کرے۔ چنانچہ جبریل امین انکے پاس پہنچے اور پوچھا کہ تم کو کچھ حاجت ہے؟ فرمایا کہ تمہاری تو مجھے حاجت نہیں اور اللہ کو میرے حال کا علم ہے وہ میرے لیے کافی ہے وہ میرا رب ہے میرے سوال سے پہلے میرا حال جانتا ہے وہ میرے لیے کافی ہے اور اسکا میرے حال کو جاننا میرے سوال کرنے سے کافی ہے اور حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھا۔ اللہ کے حکم سے تمام آگ اسی وقت برد و سلام بن گئی اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدن سے بندھن اور طوق اور بیڑیاں اور ہتھکڑی تو جلا دی مگر ابراہیم کے جسم کو آنچ تک نہ پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ سات دن تک ابراہیم علیہ السلام اسی آگ کے مقام میں رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہے کہ جیسا عیش مجھے اس آگ میں نصیب ہوا ایسا عیش عمر بھر میں کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ایک فرشتہ انکی تسلی کے لیے انکے پاس آ بیٹھا اور جبریل جنت سے حریر کا ایک قمیص اور ایک فرش لائے اس قمیص کو ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا اور اس فرش کو بچھا دیا اور انکے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور کہا اے ابراہیم تیرا پروردگار کہتا ہے کہ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ آگ میرے دوستوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

پھر نمرود نے اپنے محل پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کو جھانکا تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک گلزار اور سبزہ زار میں بیٹھے ہیں اور آتش کدہ ان کے لیے گلستان اور بوستان بنا ہوا ہے اور ان کے پاس ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور ان کے چاروں طرف وہ آگ لکڑیوں کے انبار کو جلا رہی ہے اور ابراہیم علیہ السلام درمیان میں نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ کیا تم اس آگ سے باہر نکل سکتے ہو جواب دیا کہ ہاں اور کھڑے ہو گئے اور آگ میں چلنے لگے حتیٰ کہ اس سے باہر نکل آئے اور نمرود اور اسکے ارکان دولت نے حضرت ابراہیم کا استقبال کیا اور یہ کہا کہ اے ابراہیم تیرا سحر اور جادو بہت ہی عجیب ہے جو آگ پر بھی چل گیا۔ نمرود یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس شخص کا مقابلہ ممکن نہیں اور ابراہیم علیہ السلام کا پیچھا چھوڑ دیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کامیاب فرمایا اور دشمنوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا اور ادھر نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جس نے اس کو ہلاک کیا۔

بقدر ضرورت مختصراً ہم نے یہ قصہ ذکر کر دیا باقی آثار کی تفصیل اگر درکار ہے تو تفسیر در منثور صـ۳۲۱ ج ۴ اور تفسیر روح المعانی صـ۶۸ ج ۱۷۔ اور البدایۃ والنہایۃ صـ۱۴۵ ج ۱۔ اور تفسیر روح البیان صـ۴۹۰ ج ۵ دیکھیں۔

ان میں سے بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہیں مگر قرآن و حدیث کے معارض نہیں، اس لیے حسب ارشاد نبوی حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ان پر انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۹۔ اس طرح آگ کا برد و سلام ہو جانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا اور یہ امر کوئی محال نہیں۔ تمام کائنات عالم حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے اندرونی طور پر ان پر حکم نافذ کرتا ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو جس طرح ہمارے اعضاء ہمارے احکام سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ باطنی طور پر نفس ناطقہ اعضاء کو جو حکم دیتا ہے اسکے مطابق اعضاء حرکت کرتے ہیں، اسی طرح البسائط اور مرکبات اللہ کے اندرونی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے معدہ کے اندر ایک خاص حرارت اور آتشی مادہ رکھا ہے جو کھانے کو ہضم کرتا ہے اور اسکو پکاتا ہے اور گلا دیتا ہے۔

(۳) قصہ حضرت لوط علیہ السلام

قال الله تعالیٰ وَلُوطًا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا ... الیٰ ... اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ؕ

یہ تیسرا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اللہ کے عباد صالحین اور مہاجرین میں سے تھے اور لوط کو ہم نے علم و حکمت عطا کیا یعنی انکو نبوت عطا کی، اور ہم نے انکو اس بستی سے نجات دی، جہاں کے باشندے نہایت خبیث اور گندے کام کرتے تھے وہ بستی سدوم تھی جن اعمال خبیثہ اور شنیعہ کے یہ لوگ عادی تھے ان میں سب سے زیادہ گندہ فعل لواطت تھا اور اسکے علاوہ اور بھی بُرے اعمال کے خوگر تھے مثلاً راہزنی اور کبوتر بازی اور گانا بجانا اور شراب خوری اور داڑھی کٹانا اور مونچھیں بڑھانا اور سیٹی بجانا اور تالیاں بجانا اور ریشمی کپڑے پہننا وغیرہ وغیرہ بیشک نہیں کہ وہ بڑے ہی بدذات اور بدکار تھے

ف: فقد اخرج اسحاق بن بشر والخطیب وابن عساکر عن الحسن (مرسلا) قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم عشر خصال عملتها قوم لوط بها اهلكوا اتیان الرجال بعضهم بعضا، ورمیهم بالجلاهق والخذف، ولعبهم بالحمام وضرب الدفوف وشرب الخمور، وقص اللحیة وطول الشارب والصفر والتصفیق ولباس الحریر وتزیدها امتی بخصلة اتیان النساء بعضهن بعضا. (روح المعانی ص ۷۲ ج ۱۷)

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ

اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصلہ کرنے کھیتی کو جھگڑا جب روند

فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

گئیں اسکو رات میں بکریاں ایک قوم کی اور روبرو تھا ہمارے انکا فیصلہ

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّ

پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو۔ اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ۔ اور

سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا

تابع کئے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ، پڑھا کرتے تھے اور اڑتے جانور، اور ہم

فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ

نے یہ کیا تھا۔ اور اس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا پہناوا، کہ بچاؤ ہو تم کو

مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ

تمہاری لڑائی سے۔ سو کچھ تم شکر کرتے ہو۔ اور سلیمان کے

الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

تابع کی باؤ جھپکے کی، چلتی اس کے حکم سے اس زمین کی طرف جہاں

بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ

برکت دی ہم نے۔ اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے۔ اور تابع

الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا

کیئے کتنے شیطان، جو غوطہ لگاتے اسکے واسطے، اور کچھ کام بناتے اس

دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

کے سوا، اور ہم تھے اُن کو تھام لیتے۔

اور نعمت اور کرامت دونوں میں مشترک تھی اب آئندہ آیات میں ان بعض معجزات اور کرامات خاصہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان دو پیغمبروں کو عطا کیے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے علم و حکمت کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ بھی داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا تھا کہ وہ بھی انکے ساتھ آواز سے تسبیح کرتے تھے داؤد علیہ السلام بے انتہا خوش آواز تھے اور یہ خوش آوازی بھی انکا ایک معجزہ تھا۔ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو ان کے ساتھ شجر اور حجر اور پہاڑ اور پرندے سب آواز کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے اور یہ ان کا معجزہ تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی ہم ہی یہ کام کرنے والے تھے پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر اور تسبیح یہ سب ہمارا ہی کام ہے ہماری قدرت کے اعتبار سے کوئی عجیب چیز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اور نبی اسکا ناقل ہے اللہ اپنے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر پیدا کر دیتا ہے اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے ایک قسم کا لباس یعنی زرہ بنانے کی صنعت سکھلائی تاکہ وہ لباس لڑائی میں تمہارا بچاؤ اور حفاظت کر سکے اور اسکی وجہ سے تم دشمن کی زد اور اس کے وار سے محفوظ رہ سکو۔

داؤد علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ کو حلقہ اور کڑیوں کے ساتھ بنایا۔ خدا تعالیٰ نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا۔ بغیر آگ کے وہ انکے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اور وہ اس سے زرہ بنایا کرتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ۔ داؤد علیہ السلام سے پہلے زرہ تختیوں کی شکل میں ہوتی تھی، حلقے اور کڑیاں اس میں نہ تھیں تسبیح جبال و طیر کی طرح یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا پس کیا تم اس نعمت کا شکر کرو گے۔ اسی طرح زرہ سازی کی یہ صنعت اللہ کی نعمت ہے اور پھر انکے نبی کا فیض ہے جو آج تک جاری ہے۔ تم کو چاہیے کہ اس کا شکر کرو۔ اب آگے سلیمان علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے زور سے چلنے والی ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا کہ وہ انکے حکم کے مطابق اس زمین کی طرف جاتی تھی جہاں ہم نے برکت رکھی تھی یعنی ملک شام کی طرف اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ان کے تابع تھی، زور سے چلنے کا حکم دیتے تو زور سے چلتی اور تیز ہو جاتی اور نرم چلنے کا حکم دیتے تو نرم ہو جاتی وہ ہوا سلیمان علیہ السلام کو اور انکے اصحاب کو یمن سے شام اور شام سے یمن پہنچا دیتی جیسا کہ دوسری جگہ ہے تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ اور برکت والی زمین سے مراد یہی شام والی ہے اور یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے اگر سائنس کی طاقت سے ہوائی جہاز بن سکتا ہے تو کیا خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے مقبول بندہ کے لیے اس کے تخت ہی کو ہوائی جہاز بنا دے اور بلا سبب ظاہری کے ہوا کو اس کے لیے مسخر کر دے کہ اس کے حکم کے تابع ہو جائے اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں یعنی ہم کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس نعمت و کرامت کے اہل ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اس نعمت و کرامت کے ملنے کے بعد مغرور نہ ہوں گے بلکہ انکی تواضع اور فروتنی میں اور اضافہ ہوگا۔

غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ایک معجزہ یعنی معجزہ تسخیر ہوا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں انکے دوسرے معجزہ یعنی تسخیر جن کے معجزہ کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے جنات کی جماعت میں سے سلیمان کے

لیے ان شیاطین کو مسخر کر دیا کہ جو ان کے واسطے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور اس کی تہ میں سے جواہرات نکال کر لاتے ہیں اور اس غواصی کے علاوہ اور بھی ان کے سوا اور کام کرتے ہیں اور کاموں سے مراد نفیس نفیس عمارتیں بنانا اور عجیب عجیب صنعتوں کا ایجاد کرنا یہ سب کام جنات کیا کرتے تھے۔ اور ہم ان کے نگہبان اور نگران تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے باہر ہو سکے نہ کوئی مطالبہ تھا اور نہ کوئی ہڑتال تھی اور نہ کسی کی تنخواہ تھی۔ ملک کے تمام کارخانے انہی جنات اور شیاطین کی محنت اور خدمت سے چل رہے تھے حکم سلیمانی کا چل رہا تھا اور یہ سب کے سب ان کے فرمانبردار غلام تھے اور بلا تنخواہ کے کام کر رہے تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ شخصی بادشاہت تھی کوئی جمہوری اور قومی حکومت نہ تھی۔ سارے ملک میں سلیمان علیہ السلام کی امریت تھی تَجْرِي بِأَمْرِهِ ۔ لیکن سلیمان علیہ السلام کی یہ امریت خداوند احکم الحاکمین کی شہنشاہی کا آئینہ تھی۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت لکڑی کا تھا اور اس کے گرد ایک تختہ تھا جس پر ضروری اشیاء رکھی جاتی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ دیگر ارکان دولت بھی بیٹھتے اور ضروری سامان مثلاً گھوڑے اور جیسے اور فرش بھی جس قدر چاہتے ساتھ رکھ لیتے اور پرندے اوپر سے آکر سایہ کر لیتے اور ہوا کو حکم ہوتا کہ چلے جدھر جاتے وہاں لیکر رواں ہو جاتی اور جہاں چاہتے وہاں اترتے کما قال تعالیٰ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ اور فرمایا غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ۔

یہ معجزہ تو تسخیر ہوا کا تھا اور دوسرا معجزہ شیاطین کا کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین اور جنات کو سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں مسخر اور مقہور کر دیا تھا جس سے وہ چاہتے کام لیتے۔ نہ کوئی بھاگ سکتا تھا اور نہ سرکشی کر سکتا تھا۔ کما قال تعالیٰ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۶ ج ۳)

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ

اور ایوب کو جس وقت پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو پڑی ہے تکلیف اور

أَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا

تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا۔ پھر ہم نے سن لی اس کی پکار اور اٹھا دی

مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم

جو اس پر تھی تکلیف اور دیئے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے برابر ساتھ

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ﴿٨٤﴾

ان کے اپنے پاس کی مہر سے اور نصیحت بندگی والوں کو۔

(۶) قصۂ ایوب علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ..... الیٰ ..... وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ۔

یہ چھٹا قصہ ایوب علیہ السلام کا ہے جو طرح طرح کی مصائب سے آزمائے گئے اور بے مثال صبر فرمایا ان کا صبر خود ایک مستقل معجزہ تھا حضرت ایوب علیہ السلام بڑے خوشحال پیغمبر تھے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے آسودہ رکھا تھا۔ باغ اور کھیت اور مویشی اور مال و دولت اور اولاد صالح اور مرضی کے مطابق عورت وغیرہ وغیرہ دے رکھی تھیں۔ اس خوشحالی میں وہ خدا کے شکر گزار بندے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مصیبت سے آزمانا چاہا۔ مال اور اولاد اور باغ اور کھیت سب فنا ہو گئے اولاد مر گئی اور دوست آشنا سب الگ ہو گئے صرف ایک بیوی رفیق رہ گئی اور اخیر میں وہ بھی کچھ گھبرا سی گئی مگر ایوب علیہ السلام جس طرح نعمت میں خدا کے شکر گزار رہے اسی طرح بلا میں بھی صابر رہے نہ زبان سے کوئی حرف شکایت اور نہ دل میں شکایت کا کوئی خطرہ گزرا۔ جب بیماری حد سے گزر گئی تب حق تعالیٰ سے دعا کی اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔ اور ان کو صحت اور عافیت عطا کی۔ اور جو اولاد مر گئی تھی اس کو دوبارہ زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطا کر دی اور اپنے فضل سے ان کی پہلی خوشحالی کی حالت کر دی بلکہ اس سے بہتر۔

اب ان آیات میں ایوب علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ صابرین اور شاکرین کے لیے عبرت ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہمارے صابر بندہ ایوب کا قصہ ذکر کرو جن کو اللہ کی طرف سے جان اور مال اور اولاد میں طرح طرح سے بلا پہنچی حتیٰ کہ جسم کا کوئی حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہ رہا۔ بقول بعض علماء برسہا برس تکلیف میں گزارے اور حیا و شرم کے مارے حق تعالیٰ سے اپنی عافیت اور تندرستی کی دعا بھی نہ کی کہ سالہا سال حق تعالیٰ کی نعمتوں میں گزارے ہیں جب تک اتنی مدت تک اس کی بلاؤں پر صبر نہ کر لوں اس وقت تک کس منہ سے مانگوں حتیٰ کہ اگر بدن کے زخم سے کسی وقت کوئی کیڑا گر جاتا تو اس کو اٹھا کر پھر اسی جگہ رکھ دیتے اور کہتے کہ یہ میرے پروردگار کی بھیجی ہوئی بلا ہے اے بلا تو میرے بدن کو جس طرح کھا۔ یہ کمال رضا و تسلیم اور صبر جمیل ہے کہ تکلیف انتہا کو پہنچی ہوئی ہے مگر مقام یہ ہے کہ "ہر چہ از دوست می رسد نیکوست" بالآخر ایوب نے اپنے رب کو پکارا اور یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے جو تیری شان ارحم الراحمین کا مقتضا ہو وہ کر گزر ایوب علیہ السلام نے اپنا سوال تو پیش کر دیا لیکن درخواست کو ظاہر نہ کیا۔ حق تعالیٰ کی عنایت و رحمت کا ذکر کیا اور اپنی عاجزی اور لاچاری ظاہر کی اور خاموش ہو گئے مطلب یہ تھا کہ میں تیری بارگاہ رحمت میں کیا عرض کروں۔ عرض کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں اور یہ میری بیماری اور لاچاری آپ کے سامنے ہے جو چاہیں کریں میں آپ کا بندہ ہوں لیکن آپ کی رحمت کا مشتاق ہوں

وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ

اور مچھلی والے کو، جب چلا گیا غصہ ہو کر، پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ

نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنْتَ

سکیں گے اس کو پھر پکارا ان اندھیروں میں، کہ کوئی حاکم نہیں سوا تیرے

سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾

تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ

پھر سن لی ہم نے اس کی پکار، اور بچا دیا اس کو گھٹنے سے۔ اور یوں ہی ہم

نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

(۸) قصۂ یونس علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا ۔ الیٰ ۔ وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ

یہ آٹھواں قصہ یونس علیہ السلام کا ہے جنکو ذوالنون کہا جاتا ہے۔ نون کے معنی مچھلی کے ہیں کیونکہ مچھلی نے ان کو نگل لیا تھا اس لیے انکا لقب ذوالنون ہوا یعنی مچھلی والے۔ وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چلے گئے تھے۔ جب دیکھا کہ قوم کفر اور سرکشی پر تلی ہوئی ہے تو یونس علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا اس لیے ناخوش ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور یہ ایک قسم کی ہجرت تھی کہ کافروں کے ایمان سے ناامید ہوئے تو ناراض ہو کر انکے درمیان سے نکل گئے اور انکا یہ غصہ اپنی وجہ سے نہ تھا بلکہ خدائے عزوجل کی نافرمانی کی وجہ سے تھا اور یہ غصہ ترجیح حق اور درست تھا۔ مگر چونکہ ان کا بستی سے نکل جانا بدون حکم الٰہی کے تھا اس لیے ان پر عتاب آیا کہ انکو چاہیے تھا کہ جس بارہ میں وحی اور حکم الٰہی کا انتظار کرتے اس طرح سے چھوڑ کر ایک دم سے نکل کھڑا ہونا انکی شایان شان نہ تھا اتفاقاً بشریت چھوڑ کر نکل گئے یہ ایک اجتہادی خطا تھی جو امت کے حق میں معاف ہے جب یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۔ اور اپنی خطا کا اعتراف کیا تو

مچھلی کو حکم ہوا کہ کنارہ پر آ کر اگل دے۔ اس نے کنارہ پر آ کر اگل دیا صحیح سالم جو اپنی سابق بستی کی طرف واپس آ گئے جہاں سے ناراض ہو کر نکلے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بیان کیجئے آپ ان سے مچھلی والے نبی کا قصہ جب کہ وہ اپنی قوم سے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناخوش اور غضبناک ہو کر بستی سے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یونس بن متی علیہ السلام کو شہر نینوا کے لوگوں کی طرف بھیجا جو موصل کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ یونس علیہ السلام نے انکو اللہ کی طرف دعوت دی اور سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا اور اپنے کفر پر اڑے رہے۔ یونس علیہ السلام غصہ میں آ کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور اس نکلنے میں وحی خداوندی اور حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور ان سے یہ وعدہ کر کے چلے گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ جب آثار عذاب کے شروع ہوئے تو فوراً سب بستی سے باہر چلے گئے اور گریہ زاری کی۔ اور سچے دل سے توبہ کی۔ عذاب ٹل گیا۔ بعد ازاں حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ ادھر یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر بحر روم پر پہنچے اور ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے۔ پس وہ کشتی روانہ ہوئی ایک سمندری موجوں نے کشتی کو گھیرا۔ سب کو غرق کا خوف لاحق ہوا۔ کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے اس آدمی کے تعین کے لیے قرعہ اندازی ہوئی اور وہ تین مرتبہ ہوئی ہر مرتبہ قرعہ حضرت یونسؑ کے نام پر نکلتا رہا۔ کما قال تعالیٰ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ۔ یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں جو اپنے آقا کے بدون کی بغیر اجازت کے بستی سے نکل آیا۔ یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام خود دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک بڑی مچھلی نے آپ کا لقمہ بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ہمارے اس بندہ کی اپنے پیٹ میں حفاظت کرنا۔ یہ بندہ تیری روزی اور تیرا رزق نہیں بلکہ تیرے پیٹ کو ہم نے چند روز کے لیے اس کا قید خانہ یا حفاظت خانہ یا عبادت خانہ بنایا ہے۔ فقط چند روز کے لیے انکو نظر بند کرنا مقصود ہے اس کے گوشت و پوست میں سے کھانے کی تجھ کو اجازت نہیں ہمارا بندہ بغیر ہمارے حکم کے اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکل گیا ہے اگرچہ اسکا یہ غصہ ہماری ہی وجہ سے ہے لیکن اس کو چاہئے تھا کہ ہمارے حکم کا انتظار کرتا۔ بہر حال یونس علیہ السلام انکو چھوڑ کر نکل گئے اور ہماری رحمت اور ہمارے لطف و عنایت کی بنا پر یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی اور داروگیر نہیں کریں گے۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور ضحاکؒ اور قتادہؒ اور حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اس آیت میں لَنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ کے معنی لن نضيق عليه کے ہیں یعنی یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم انکو تنگی اور آزمائش میں نہیں ڈالیں گے اور ان پر کوئی سختی نہیں کریں گے معاذ اللہ یہ معنی نہیں کہ یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ ان پر قادر نہ ہو گا اور یہی قول جمہور مفسرین کا ہے اور اسی کو امام ابن جریرؒ نے اختیار فرمایا۔

یونس علیہ السلام کا یہ گمان اللہ کی رحمت اور عنایت کی بنا پر بطور ناز تھا جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے لطف و کرم کی بنا پر بطور ناز کوئی کام بغیر حکم کے کر گزرتا ہے اور قدر بمعنی تضییق لغت عرب میں اور قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (ای یوسع و یضیق)۔ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ اَیْ ضَيَّقَ

اور بعض مفسرین نے لَنْ نَّقْدِرَ کو قدرت سے مشتق مانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان کے پکڑنے پر قادر نہ ہوں گے۔ اس تفسیر پر اشکال یہ ہے کہ ایسا عقیدہ اور گمان تو ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کا نبی یہ گمان کرے جواب یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے حقیقۃً یہ گمان نہیں کیا تھا کہ خدا تعالیٰ ان کے پکڑنے پر قادر نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا اس طرح بلا انتظار وحی کے نکل کر چلا جانا گویا اس شخص کے حال کے مشابہ ہے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ گویا اب ہم اس کو دوبارہ پکڑ کر واپس نہیں لا سکیں گے۔ چونکہ یونس علیہ السلام حق تعالیٰ کے پیغمبر تھے انکی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ اس طرح چلے جاتے اس لیے بطور شکوہ محبت حق تعالیٰ نے اپنے عتاب کو ان لفظوں کے ساتھ تعبیر کیا تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوشیار ہو جائیں۔

پس جب خدا کے حکم سے انکو ایک مچھلی نگل گئی اور وہ اس کے شکم کی تاریکیوں میں گھر گئے تو یونس علیہ السلام نے ان تاریکیوں میں اللہ کو اس طرح پکارا۔ اے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو پناہ دے سکے تو ہر عیب سے پاک ہے میں بے شک تیرے قصور واروں میں سے ہوں کہ بغیر تیرے حکم کے اپنی قوم سے نکل گیا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس غم سے انکو نجات دی۔ چنانچہ مچھلی نے سمندر کے کنارے پر آکر انکو اگل دیا۔ اور اللہ نے ان کو صحیح سالم واپس کر دی۔ یونس علیہ السلام صحیح سالم اپنی سابق بستی کی طرف واپس آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس روز رہے اور بعض کہتے ہیں کہ سات روز رہے اور حضرت یونس علیہ السلام کا شکم ماہی سے نکلنا ایسا تھا جیسا کہ معصوم بچہ شکم مادر سے صحیح سالم نکلتا ہے اور جس طرح شکم مادر بچہ کی تربیت گاہ اور حفاظت گاہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ شکم ماہی بھی گویا یونس علیہ السلام کی حفاظت گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ یونس علیہ السلام جب شکم ماہی سے نکلے تو گویا ایسے تھے کہ جیسا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو وہ فطرۃً معصوم اور گناہوں کے دھبوں سے بالکل پاک و صاف ہوتا ہے اور جس طرح ہم نے یونس علیہ السلام کو اس غم سے نجات دی اسی طرح ہم ایمان والوں کو غم سے نجات دیتے ہیں کہ جو مومن بندہ اپنی کرب اور تکلیف میں ہماری طرف رجوع کرے اور ہم سے استغفار کرے تو ہم ان کو بھی نجات دیتے ہیں۔ جیسے ہم نے یونس علیہ السلام کو غم سے نجات دی۔ حدیث میں ہے کہ جو بندہ پریشانی کے وقت میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو پریشانی سے نجات دیتا ہے۔

فائدہ (۱) حضرت یونس علیہ السلام کا اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ فرمانا اور اپنی طرف ظلم کی نسبت کرنا ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ اور ظلم کے معنی نقصان اور کمی کے ہیں جس کے مراتب اور درجات ہیں ایک ظلم عظیم ہوتا ہے اور ایک ظلم ذرا برابر بھی ہوتا ہے۔

فائدہ (۲) اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مجھ کو یونس بن متی پر فضیلت نہ دو سو اس کی مراد یہ ہے کہ کسی

جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو تنہا یعنی لاوارث اور بے اولاد مت چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے یعنی بالآخر سب فنا ہو جائیں گے صرف ایک تو ہی باقی رہے گا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ بیٹا بخشا اور ان کی بی بی کی خاطر ان کی اصلاح کر دی یعنی ان کے بانجھ پن کو دور کر کے بچہ جننے کے قابل بنا دیا۔ یا یہ معنی ہیں کہ ان کی بیوی کی بد خلقی کو حسن خلق سے بدل دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی بد زبان تھیں۔ مفصل قصہ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

یہ تمام انبیاء جن کا اس سورت میں ذکر ہوا نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید و بیم اور خوف و رجا اور رغبت اور خوف سے ہم کو پکارتے تھے اور ہمارے سامنے نیاز مندی اور عاجزی کرنے والے تھے۔ پس جس کو اللہ کی رحمت میں داخل ہونے کی طمع ہو تو اس کو چاہیے کہ رغبت اور رہبت کے ساتھ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرے۔ نیاز مندی کو اختیار کرے ناز کو چھوڑ دے۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

اور وہ عورت جس نے قید میں رکھی اپنی شہوت پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾

اور کیا اس کو اور اس کے بیٹے کو نمونہ جہان والوں کو۔

(۱۰) قصۂ حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام

قال اللہ تعالیٰ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ... الی ... وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

یہ دسواں قصہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کا ہے جس پر انبیاء کے قصوں کو ختم فرمایا اور اس سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ مذکور ہوا۔ ان دونوں قصوں میں نہایت درجہ مناسبت ہے کہ وہاں بوڑھے مرد اور بوڑھی اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونے کا ذکر ہے اور یہاں کنواری سے بغیر شوہر کے لڑکا پیدا ہونے کا ذکر ہے جو اس سے زیادہ عجیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کیجئے اس عورت کا واقعہ ذکر کیجئے جس نے اپنی ناموس کی پوری اور کامل طور پر حفاظت کی تو ہم نے اس عورت کے گریبان میں جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے اپنی ایک خاص روح پھونک دی جس سے وہ بغیر شوہر کے حاملہ ہو گئی اور اس حمل سے خدا کا ایک برگزیدہ نبی جناب مسیح علیہ السلام پیدا ہوا اور ہم نے مریم کو اور اس کے بیٹے عیسیٰ کو جہان والوں کے لیے اپنے کمال قدرت کی ایک نشانی بنایا جس سے سب

ایمان اور یقین رکھتا ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی سعی مشکور ہوگی اور بے شک ہم اس کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں، ہمارے علم سے کوئی کام نہیں اس کے اعمال کو صحیفۂ اعمال میں ثبت کرتے ہیں۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا

اور مقرر ہو رہا ہے ہر بستی پر جس کو ہم نے فنا کر دیا کہ وہ نہیں

يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ

پھر آتے۔ یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں یاجوج اور

مَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ

ماجوج کو اور وہ ہر اونچان سے پھسلتے آویں۔ اور

اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ

نزدیک آ پہنچے سچا وعدہ پھر تبھی اوپر لگی رہ جائیں منکروں کی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

آنکھیں۔ اے خرابی ہماری! ہم بے خبر رہے اس سے

بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

نہیں پر ہم تھے گناہگار۔ تم اور جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا

اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ

ایندھن ہے دوزخ میں، تم کو اس پر پہنچنا ہے۔ اگر ہوتے

هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

یہ بت ٹھاکر تو نہ پہنچتے اس پر اور سارے اس میں پڑے رہیں گے۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ

اُن کو وہاں چلانا ہے اور وہ اس میں بات نہیں سنتے۔ جن کو

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا

آگے ٹھیر چکی ہماری طرف سے نیکی۔ وہ اس سے دور

مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَهُمْ فِیْ

رہیں گے۔ نہیں سنتے اس کی آہٹ۔ اور وہ اپنے جی

مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ

کے مزوں میں سدا رہیں۔ نہ غم ہوگا ان کو اس

الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ

بڑی گھبراہٹ میں اور لینے آویں گے انکو فرشتے آج دن تمہارا ہے جس کا

كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ

تم سے وعدہ تھا۔ جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے لپیٹتے

السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا

ہیں طومار میں کاغذ۔ جیسا سرے سے بنایا پہلی بار، پھر اس کو دہرائیں گے

عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰۴﴾

وعدہ ضرور ہوچکا ہے ہم پر ہم کو کرنا۔

بیان قربِ قیامت وخروجِ یاجوج ماجوج وفناءِ عالم وبیان ذلت وخواری اہلِ غفلت وبیان عزت وکرامت اہلِ سعادت

قال اللہ تعالیٰ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ... الیٰ ... اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں توحید اور رسالت کو بیان فرمایا اب آگے معاد اور

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں مُردوں کے دوبارہ زندہ ہو جانے کے واقعات منکرین حشر کی تردید کے لیے ذکر فرمائے ہیں
تاکہ معلوم کریں کہ مُردوں کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں اور یقین کریں کہ خدا نے جو قیامت قائم ہونے کی
خبر دی ہے وہ حق ہے خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے کسی کو موت دے اور
مُردے عاجز اور بے بس ہیں۔ مُردوں میں یہ طاقت نہیں کہ مرنے کے بعد وہ خود لوٹ کر دنیا میں دوبارہ آسکیں۔ البتہ خداوند تعالیٰ
جس کو دوبارہ دنیا میں لانا چاہیں تو لاسکتے ہیں اور خداوند تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے وقت اور قیامت سے پہلے کسی کو
زندہ کرنا یکساں ہے لہٰذا تم احیاء موتیٰ کو محال سمجھ کر قیامت کا انکار نہ کرو ہم ہر طرح سے قادر ہیں۔ کوئی زندہ ہماری قدرت
سے خارج ہو سکتا ہے اور نہ کوئی مردہ۔ ہم جس زندہ کو مردہ کردیں تو وہ از خود زندہ نہیں ہو سکتا اور جس مردہ کو زندہ کرنا
چاہیں تو اس کی مجال نہیں کہ ہمارے ارادہ اور مشیت سے سرتابی کرسکے۔ مرنے کے بعد بندہ از خود دنیا کی طرف دوبارہ نہیں
لوٹ سکتا البتہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو وہ مردہ کو دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا سکتا ہے۔

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں چند مُردوں کے زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ
قادر مطلق ہے اور یہ امر جس کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ ان سب سے اپنی قدرت
کا اظہار مقصود ہے کہ جو چیز تمہیں محال دکھائی دیتی ہے ہم نے اپنی قدرت سے واقع کردیا مگر مرزا اور مرزائی احیاء موتیٰ کو محال
سمجھتے ہیں اور جن آیات میں مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کا حال مذکور ہے طرح طرح سے ان کی تاویلیں کرتے ہیں۔ کبھی
کہتے ہیں کہ جن آیات میں موت کا لفظ آیا ہے اس کے معنی بیہوشی یا نیند کے ہیں اور احیاء کے معنی جگانے اور ہوش میں لانے کے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ مسمریزم کا
عمل تھا۔ سبحان اللہ۔ کیا خوب تاویل ہے کیا کوئی ادنیٰ عقل والا یہ کہہ سکتا ہے کہ حق جل شانہ نے سورۂ بقرہ میں جن ہزاروں
لوگوں کے گھر سے بھاگ جانے اور مر جانے کا اور پھر ان کے زندہ ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ کیا وہ نیند اور بیہوشی سے جاگے
تھے جن کو حق تعالیٰ نے دوبارہ سلا دیا اور پھر ان کو جگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل فرمایا کہ ان کو نیند سے جگا دیا معلوم
نہیں کہ نیند ایسی کیا مصیبت کی چیز تھی جس کے ڈر سے ہزاروں آدمی گھر بار چھوڑ کر بھاگ اٹھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جگا
دیا یا بیہوش کرنے کے بعد ان کو ہوش دے دیا اور کیا عزیر علیہ السلام کا واقعہ بھی خواب ہی کا واقعہ تھا کہ وہ سو سال تک
پڑے سوتے رہے اور ان کے پاس ان کی سواری کا گدھا بھی سوتا رہا۔ اللہ نے سو سال کے بعد دونوں کو خواب سے بیدار کیا

تیسرا واقعہ

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء اموات کے معجزہ کو کئی جگہ بیان
فرمایا اور ان کے احیاء اموات کے واقعات احادیث سے بھی ثابت ہیں مگر مرزا صاحب کہتے
یہ ہیں کہ ان میں سے کوئی واقعہ صحیح نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حقیقتاً کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا وہ در اصل قریب الموت
آدمی تھے مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لیے ان میں گرمی پیدا ہو جاتی تھی اور وہ حرکت کرنے لگتے تھے۔
جس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام ایک معمولی بازیگر تھے جو مسمریزم میں مشاق تھے اور قریب الموت
بیماروں کو مسمریزم سے حرکت دے دیتے تھے جس سے دنیا کو دھوکہ دینا مقصود تھا کہ لوگ یہ دیکھ کر ان کے معتقد ہو
جائیں کہ یہ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور طرفہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے بھی ان کے مسمریزم کے عمل کو بطور مدح اور منقبت قرآن میں
بیان کیا اور ان کے معجزات میں اس کا ذکر کیا اور ایسے الفاظ میں اس کو بیان کیا کہ لوگ سمجھیں کہ احیاء اموات حضرت عیسیٰ

کا معجزہ تھا اور باذن اللہ کہہ کر اس کو حکم کرو کہ یہ سب ہمارے حکم سے تھا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فی الواقع کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا بلکہ یہ سب مسمریزم کا عمل تھا جو میرے نزدیک قابل نفرت ہے اگر میرے نزدیک یہ عمل قابل نفرت نہ ہوتا تو میں ان اعجوبہ نمائیوں میں مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ سب کو معلوم ہے کہ مسمریزم کا عمل سو برس سے ایجاد ہوا ہے مگر مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء اموات کا ذکر ہے وہ سب مسمریزم کی تحریک تھی۔

اے مسلمانو! جس خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتیٰ کا معجزہ عطا کیا کہ وہ خدا کے حکم سے مردے زندہ کرتے تھے کیا اس خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ زندہ کر کے پھر دنیا میں بھیج دے اور مرزا صاحب دیکھتے ہی رہ جائیں۔

اے مسلمانو! کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بیباکانہ تحریف ہو سکتی ہے کیا اس قسم کی دیدہ دلیری صریح آیات قرآنیہ کا انکار نہیں۔ مرزا صاحب کو مسیح موعود بننے کا بہت شوق تھا لیکن اس کے لوازم اور آثار سے بالکل عاری اور خالی تھے اس لیے مرزا صاحب کو ڈر ہوا کہ دعوائے مسیحیت کے ساتھ احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ اور ابرص کا معجزہ بھی چاہیے اس لیے سرے سے حضرت عیسیٰ کے احیاء موتیٰ کے معجزہ کا انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ کوئی معجزہ نہ تھا بلکہ مسمریزم کا عمل تھا اور میں اسے قابل نفرت سمجھتا ہوں اس طرح اپنی جان بچائی۔

چوتھا واقعہ

ایک واقعہ احیائے موتیٰ کا قرآن کریم میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص مارا گیا جس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ تم ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا اس مردہ پر مارو تو وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتلا دیا۔

یہ واقعہ سورۂ بقرہ کی اس آیت وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا الخ میں مذکور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا حال ظاہر فرمایا اور اسی وجہ سے اس قصہ کے ختم پر یہ فرمایا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ یہ نہ تو قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا اور نہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور بولی لگانے سے کوئی مردہ زندہ نہیں ہوا تھا بلکہ ایک معمولی بات تھی کہ مسمریزم کے عمل سے مردہ کو حرکت ہو گئی تھی معاذ اللہ معاذ اللہ۔ پس اگر یہ معمولی حرکت تھی تو قاتل کا نام کیسے معلوم ہوا اور کس نے بتلایا اور یہ مسمریزم کس نے سکھایا تھا کیا موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کو ملا کر مسمریزم کا طریقہ سکھا دیا تھا یہ تو قاتل کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ طریقہ ہے جس سے پولیس کو قاتل کے گرفتار کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے مرزا صاحب اگر یہ نسخہ گورنمنٹ برطانیہ کو بتا دیتے تو بڑا انعام ملتا۔

پانچواں واقعہ

اور موسیٰ علیہ السلام ہی کے ایک دوسرے قصہ میں ہے۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ یعنی

پیش کریں۔

(شعر) عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

(۲)

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔

یاجوج و ماجوج کے کھلنے سے اس دیوار ذوالقرنین کا کھلنا مراد ہے جس کے پیچھے وہ بند ہیں یاجوج و ماجوج کا خروج حضرت عیسیٰ کے نزول اور دجال کے قتل کے بعد ہوگا اور یاجوج و ماجوج نسل آدم سے دو قومیں ہیں ان کی تعداد کی کوئی حد نہیں یہ لوگ یافث بن نوح کی نسل سے ہیں اور یافث بن نوح ترک کے جد اعلیٰ ہیں اور ترک انہی میں کی ایک شاخ ہیں جو سد ذوالقرنین کے پیچھے متروک یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے اس لئے ان کو ترک کہتے ہیں تفصیل سورۂ کہف کے اخیر میں ذوالقرنین کے قصہ میں گزر چکی ہے اور خروج یاجوج و ماجوج کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے جن میں چار حدیثیں بہت مفصل ہیں جنکو حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہاں دیکھ لی جائیں۔

خلاصہ انکا یہ ہے کہ اول شام اور عراق کے درمیان سے دجال خروج کرے گا اور فتنہ برپا کرے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق کے شرقی منارہ پر آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو اپنے نیزہ سے ماریں گے بعد ازاں دیوار ذوالقرنین کے ٹوٹ جانے سے یاجوج و ماجوج نکل پڑیں گے اور کثرت کی وجہ سے ہر طرف پھیل جائیں گے چشموں اور نہروں کا پانی پی جائیں گے لوگ اپنے مکانات اور قلعوں اور تہ خانوں میں محصور ہو جائیں گے اور اپنے مواشی کو بھی ساتھ لے جائیں گے جب بظاہر کوئی آدمی باہر نظر نہ آئے گا تو یاجوج و ماجوج میں سے کوئی کہنے والا کہے گا کہ زمین والوں سے تو ہم نے فراغت پالی اب آسمان والے رہ گئے ایک آدمی اپنا تیر آسمان کی طرف چلائے گا۔ اللہ کی طرف سے ان کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے لئے وہ تیر اوپر سے خون میں ڈوبا ہوا واپس آئے گا۔ وہ سمجھیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کا بھی کام تمام کر دیا اس طرح سے یاجوج و ماجوج ہر طرف پھیل جائیں گے اور لوگوں میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ پر وحی نازل ہوگی کہ آپ میرے بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں ایک طاعونی کیڑا پیدا کر دیں گے جس سے وہ سب ایک ہی رات میں مر جائیں گے اور انکی عفونت اور بدبو کی وجہ سے زمین پر گزرنا مشکل ہو جائے گا تو عیسیٰ علیہ السلام اور انکے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسے پرندے نازل کرے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح لمبی ہوں گی وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں خدا تعالیٰ چاہے لے جا کر پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک عظیم اور عام بارش نازل کرے گا جو چالیس دن تک برابر برستی رہے گی اس بارش سے زمین دھل جائے گی اور کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کی کوئی حد نہ رہے گی اور جانور اس قدر فربہ ہو جائیں گے کہ ایک بکری کا دودھ ایک خاندان کے لئے کافی ہوگا بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بقصد کعبہ کوچ کریں گے اور حج اور عمرہ کے بعد مدینہ منورہ جائیں گے اور وہیں انتقال فرمائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوں گے بعد ازاں کچھ عرصہ تک لوگ

اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۔ اس آیت میں جو قَبْضَتُهٗ مٹھی، اور یمین کا ذکر آیا ہے سورۂ زمر میں متشابہ کے نزدیک اس سے عضو معروف مراد ہے اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں قبضہ اور یمین سے عضو اور جارحہ کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسمانیت اور مشابہت سے پاک اور منزہ ہے بلکہ اس سے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ یہ اجسام عظیمہ یعنی آسمان اور زمین اللہ کے سامنے ایسے حقیر اور صغیر ہیں جیسے ہماری مٹھی میں کوئی چیز ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ایک معمولی اور حقیر ہوگی۔

(۵)

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ

علماء محققین کے نزدیک سجل کے معنی صحیفہ اور طومار کے ہیں اور اسی معنی کو امام ابن جریرؒ نے اختیار کیا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ سجل ایک فرشتہ ہے جو نامہ ہائے اعمال پر مقرر ہے جب کوئی بندہ مرجاتا ہے تو اس کا نامۂ اعمال سجل کے پاس آجاتا ہے اور وہ اس کو لپیٹ کر قیامت کے لیے رکھ لیتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجل ایک کاتب وحی کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی کتابت کیا کرتا تھا مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں اس بارہ میں جو روایتیں آئی ہیں وہ موضوع ہیں یا قریب بہ موضوع ہیں نیز تشبیہ سے مقصود تفہیم ہوتی ہے اور وہ جب ہوتا ہے کہ جب کسی معروف شئے کے ساتھ تشبیہ دی جائے جسے عام طور پر لوگ جانتے ہوں اور صحابہ میں کوئی شخص سجل کے نام سے معروف ومشہور نہ تھا کاتبین وحی سب کے سب معروف ومشہور تھے ان میں سے کسی کا بھی نام سجل نہ تھا اور نہ کسی فرشتہ کا نام سجل ہونا ثابت ہے لہٰذا صحیح قول یہی ہے کہ سجل سے صحیفہ اور طومار کے معنی مراد ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ وغیرہم سے منقول ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ

ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین

الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾

پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔

بشارتِ وراثتِ زمین برائے عبادِ صالحین

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

ماننے والوں کو اخروی بشارت (خوشخبری) کا ذکر تھا اب اس آیت میں ایک عظیم دنیوی بشارت کا ذکر فرماتے ہیں یعنی وراثت اور وراثت زمین کی خوشخبری کا ذکر ہے کہ ہم عنقریب دنیا میں اپنے نیک بندوں کو یعنی صحابہ کرام کو زمین کا وارث بنائیں گے اور زمین کی حکومت اور سلطنت اور زمین پر غلبہ اور اقتدار اعلیٰ ان کو عطا کریں گے جس سے اشارہ خلافت راشدہ کی طرف ہے اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس بشارت (خوشخبری) کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں اور ہماری بارگاہ سے صحابہ کے لئے وراثت زمین کا حکم جاری ہو چکا ہے اور یہ ہمارا ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے کہ جس کی رجسٹری ہو چکی ہے اور تمام انبیاء کے صحیفوں میں اسکا اندراج ہو چکا ہے کہ عنقریب قیصر و کسریٰ کی سلطنت صحابہ کرام کے قبضہ میں آ جائے گی۔ پھر اس بشارت کے بعد یہ فرمایا اِنَّ فِیۡ ہٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ یعنی اس خوشخبری میں عبادت گزاروں کے لیے ایک عجیب اطلاع ہے جس سے مقصود اتمام حجت ہے کہ اہل اعراض اور اہل غفلت پر اللہ کی حجت پوری ہو گئی کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہو گئے اور یہ کتاب ہدایت نازل کر دی گئی جو کافی اور شافی ہے اور اللہ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس نبی آخر الزماں کے صحابہ زمین شام اور زمین ایران کے وارث ہوں گے اور زمین پر غالب ہوں گے۔

پھر اخیر میں فرمایا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔ یعنی ہم نے نبی آخر الزماں کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ کے اتباع کی برکت سے دینی اور دنیوی دونوں قسم کی نعمتیں اور سعادتیں ملیں گی اور جس گروہ کو یہ دونوں قسم کی نعمتیں اور دونوں قسم کی سعادتیں ملیں گی وہ عباد صالحین کے لقب سے ملقب ہوں گے۔ اور جب ولایت اور بادشاہت دونوں ایک جگہ اور ایک گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اسی کا نام خلافت راشدہ ہے اور جب فرمانروائے سلطنت خدا کا ایک بندہ اور ولی بھی ہو تو وہ خلیفۂ راشد ہے جو ظاہر کے اعتبار سے امیر سلطنت اور باطن کے اعتبار سے شیخ طریقت ہے۔

(ربط دیگر) گزشتہ آیت کَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُہٗ ؕ وَعۡدًا عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیۡنَ میں یہ فرمایا تھا کہ پہلی بار کی طرح دوبارہ مخلوق کو پیدا کرنے کا وعدہ ہمارے ذمہ ہے اب آخرہ آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ وعدۂ قیامت کی علامتوں کا ظہور شروع ہو گیا کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہو گئے اور آخری امت بھی ظاہر ہو گئی یعنی سمجھ لو کہ قیامت قریب ہو گئی اہل غفلت اور اعراض سے باز آ جاؤ اور اس نبی آخر الزماں سے ہمارا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس کے صحابہ زمین پر غالب ہوں گے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے توریت کے بعد یا نصیحت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں یا انبیاء سابقین کے صحیفوں اور نوشتوں میں لکھ دیا ہے کہ معمورۂ زمین کے یا سرزمین شام اور ایران کے وارث میرے وہ خاص نیک بندے ہوں گے جو زمین کے بادشاہ اور فرمانروا ہوں گے اور باوجود بادشاہت اور سلطنت کے صلاح اور تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہوں گے اس آیت میں جس وراثت ارضیہ کی بشارت دی گئی اس سے خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ عنقریب بیان کیا گیا اور یہ بتلا دیا کہ یہ پیشینگوئی ایسی قطعی اور حتمی ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کی دستاویز سمجھو کہ جس کی تمام انبیاء کے صحیفوں میں رجسٹری ہو چکی ہے اور سب جگہ اسکا اندراج ہو چکا ہے جس میں شک اور شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور یہ بشارت اور یہ خوشخبری قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے منجملہ ان کے ایک آیت استخلاف ہے۔

پھر رنگ بنے ہوئے ہیں کھانا اور پہننا اور اٹھنا اور بیٹھنا اور بولنا اور لکھنا پڑھنا سب انگریزی وغیرہ وغیرہ۔ اسلام اور اسلامی سے ان لوگوں کو کوئی ہمدردی نہیں اس قسم کے نام کے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضیہ اور زمین کی وراثت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ بحمدہ تعالیٰ آج بھی روئے زمین پر مسلمانوں کی بہت سی سلطنتیں ہیں اور مال و دولت سے مالا مال ہیں مگر اسلام کے رنگ سے خالی ہیں اگر خلفائے راشدین کے طریقہ پر چلیں تو پھر وہی عروج حاصل ہو سکتا ہے اللہ کا وعدہ اپنی جگہ پر برحق اور صدق ہے سارا قصور ہمارا ہی ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

حق جل شانہ کا ارشاد ہے اَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ اے بندو تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

إِنَّ فِي هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ

اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں ایک لوگ بندگی والے۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا

إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ إِنَّمَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ أَنَّمَآ

سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر۔ تو کہہ مجھ کو تو حکم یہی آتا ہے کہ صاحب تمہارا

إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾ فَإِنْ

ایک صاحب ہے پھر ہو تم حکم برداری کرتے۔ پھر اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَإِنْ أَدْرِيْٓ أَقَرِيْبٌ

منہ موڑیں تو تو کہہ میں نے خبر کر دی تم کو دونوں طرف برابر اور میں نہیں جانتا نزدیک

أَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾ إِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ

ہے یا دور ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے۔ وہ رب جانتا ہے پکار کی بات اور

الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ أَدْرِيْ لَعَلَّهٗ

جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ اور میں نہیں جانتا شاید اس میں

ابن کثیر ص ۲۲ ج ۳۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ زلزلۂ قیامت کے دن ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ دونوں آیتیں غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی میں نازل ہوئیں معلوم ہوا کہ یہ آیتیں مدنی ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ

اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بنا خبر

عِلْمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ

اور ساتھ پکڑتا ہے ہر شیطان بے حکم کا۔ جس کی قسمت

عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ

میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو سو وہ اس کو بہکائے اور

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ

لے جائے عذاب میں دوزخ کے۔ لوگو! اگر تم کو دھوکا (شک) ہے جی

رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ

بوند سے پھر جمے ہوئے لہو سے پھر بوٹی سے

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي

نقشہ بنی اور بن نقشہ بنی اس واسطے کہ تم کو کھول سناویں اور ٹھہرا

الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

رکھتے ہیں ہم پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک مقرر وعدہ تک پھر تم کو نکالتے

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى

میں لڑکا پھر جب تک کہ پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں بھر لیا جاتا اور کوئی تم میں

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

پھر چلایا نکمی عمر تک تا سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ

مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً

سمجھنے لگے۔ اور تو دیکھتا ہے زمین میں دبی پڑی

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ

پھر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری اور اگائیں ہر

مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

بھانت بھانت رونق کی چیزیں۔ یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے تحقیق

وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور وہ جِلاتا ہے مُردے اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ

اور یہ کہ قیامت آنی ہے اس میں دھوکا نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھاوے گا

مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

قبر میں پڑوں کو اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ

اللہ کی بات میں بن خبر اور بن سوجھ اور بن کتاب

مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

چمکتی۔ اپنی کروٹ موڑ کر کہ بہکاوے اللہ کی راہ سے۔

پیدا نہ کر سکیں اور محال سمجھتے ہو تو مرنے کے بعد جی اٹھانے کی دلیل قدرت میں ذرا غور کرو اور پہلے اپنے حالات پر نظر کرو۔ تحقیق ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی باعتبار اصل حضرت مٹی سے ہے اس لئے کہ آدم علیہ السلام جو سب کی اصل ہیں وہ مٹی سے پیدا ہوئے پھر پیدائش آدم کے بعد جب سلسلہ توالد و تناسل جاری ہوا تو ہر ایک آدمی کی پیدائش نطفہ سے ہے پھر مرتبہ دوم میں بستہ ہوئے خون سے پھر مرتبہ چہارم میں ایسے پارہ گوشت سے کہ کبھی اس کی پوری صورت بن جاتی ہے جس میں کوئی عیب اور نقصان نہیں رہتا اور کبھی ادھوری صورت نہیں بنتی ہو کا ام پارہ جو حمل سے پہلے بگڑ کر جاتا ہے۔ بس یہ ہم نے تم کو اس ترتیب وار تدریج کے ساتھ پیدا کیا تاکہ ہم تم پر اپنا کمال قدرت ظاہر کریں کہ ایک ہی بار کی خلقت سے دوسری بار کی خلقت کر سکتے ہیں جو چیز پہلی بار بغیر اصل کے ہو کر قبول کر سکتی ہے وہ دوسری بار بھی اسے قبول کر سکتی ہے اور جان لو کہ یہ سب ظاہری شکل کی صنعت اور کاریگری ہے کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہیں ہے اور پھر ایک مدت مقررہ تک جس کو چاہتے ہیں رحم مادر میں ٹھہرائے رکھتے ہیں اور جس کو وقت سے پہلے گرانا نہیں چاہتے اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے اس کو گرا دیتے ہیں پھر اس مدت معینہ کے بعد تم کو بچہ بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالتے ہیں پھر پرورش کرتے ہیں تاکہ تم اپنی کمال قوت کو پہنچ جاؤ یعنی جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض وہ ہے جو بڑا ہونے سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی تم میں سے نکمی عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ جاننے پہچاننے کے بعد نادان اور بے خبر بن جائے یعنی بوڑھا ہو اس میں فتور آ جائے اور جیسا بچپن میں کچھ علم اور عقل نہ تھا ویسا ہی پھر ہو جائے اور جاننے کے بعد کچھ نہ جانے یعنی جو شخص ایک انسان پر اس قدر مختلف حالتیں طاری کر سکتا ہے اور اخیر میں انتہا کے بعد پھر ابتدا کی طرف لوٹا سکتا ہے کیا وہ گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

یہ بعث بعد الموت کی ایک دلیل ہوئی اب آئندہ آیت میں دوسری دلیل بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ اور تر و تازہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

دوسری دلیل

اور اگر اس منکر بعث و قیامت کا یہ گمان ہے کہ انسان کی پیدائش میں جس قدر تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ سب شکم مادر میں ہیں شکم قبر میں یہ تغیرات اور انقلابات نہیں تو اس کو جواب یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو مردہ کی طرح خشک اور بے رونق دیکھتا ہے کہ وہ ایک حد تک بے جان پڑی ہوئی ہے اس کی قوت خشک پڑی ہوئی ہوتی ہے جس میں سبزہ کا کہیں نام و نشان نہیں ہوتا اس طرح قبر میں مردہ بھی خشک پڑا رہتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو اس خشک زمین کی قوت نامیہ جنبش میں آ جاتی ہے اور سبزہ سے لہلہانے لگتی ہے اور پھولنے لگتی ہے اور ولادت حمل کی طرح ابھرنا آ جاتا ہے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں گویا کہ زمین کی ولادت قریب آ گیا ہے اور پھر باذن الٰہی ہر قسم کے تر و تازہ اور خوشنما جوڑا اگاتی ہے جس طرح بطن مادر سے ایک خوشنما بچہ پیدا ہوتا ہے پس جو خدا اس طرح مردہ زمین کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کے اجزاء منتشرہ کو جمع کر کے پھر اسی حالت پر لے آئے جس پر وہ پہلے تھا کیا یہ تخم تخم بطن کے مشابہ نہیں کہ جب تخم زمین میں ڈال دیا جاتا ہے تو گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر بعینہٖ سے خوشنما ہو کر زمین سے نکل آتا ہے جس طرح نطفہ سے

بچہ پیدا ہونے کے لیے ایک وقت مقرر ہے اسی طرح ختم دنیا کے بعد دوسری زندگی کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔

جہاں تک دونوں دلیلیں تحریر ہو چکیں اب آئندہ آیت میں ان دونوں دلیلوں کا نتیجہ ذکر فرماتے ہیں۔ اور وہ پانچ باتیں ہیں۔

(اول) یہ سب جو بتلایا خلقت انسان سے احیاء زمین تک ہوا، اسکی وجہ اور سبب یہ ہے کہ تم جان لو کہ مؤثر یہ ہے کہ اللہ ہی حق ہے یعنی خدائے برحق وہ ہے کہ جس کی قدرت کاملہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

(دوم) اور یہ کہ تحقیق وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے جیسا کہ نطفہ کو اور مردہ زمین کو زندہ کرنا تمہاری نظروں کے سامنے ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موت اور حیات اسکے قبضۂ قدرت میں ہے۔

(سوم) اور یہ کہ وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے اسکی قدرت مردہ زمین کے ساتھ مخصوص نہیں وہ تمام ممکنات پر قادر ہے۔

(چہارم) اور یہ کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے یعنی اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے جس میں کچھ شک نہیں۔

(پنجم) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان مُردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں مدفون ہیں اور اسی دوبارہ زندہ کرنے کا نام بعث بعد الموت ہے۔ غرض یہ کہ ان دلائل سے معلوم ہو گیا کہ قیامت کا آنا حق ہے ضرور آئیگی اسکے آنے میں ذرا شک نہیں اور باوجود ان دلائل واضحہ کے لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہے کہ جو اللہ کی قدرت اور حکمت یا اسکی بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتا ہے جیسے بعض ایسے لوگ ہیں ابوجہل اور نضر بن حارث وغیرہ کہ ان ذی علم اور روشن دلائل کے بعد بھی اللہ کی باتوں میں جھگڑتے ہیں۔ نہ انکے پاس علم اور عقل ہے اور نہ کوئی ہدایت اور عقلی دلیل ہے اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے کہ جو آسمانی کتاب سے پیش کر سکے اور اس کے علاوہ اسکے جھگڑے کی حالت یہ ہے کہ تکبر اور غرور سے اپنی گردن اور شانہ کو موڑ کر جھگڑتا ہے جیسا کہ متکبرین کا طریقہ ہے کہ شانہ اور گردن کو موڑ کر گفتگو کیا کرتے ہیں اور غرض اس کی یہ ہے کہ اس قسم کی بے سروپا باتوں سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے جیسے خود گمراہ ہے اسی طرح دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ دنیا کی ذلت وخواری اس کے تکبر اور غرور کی سزا ہے کیونکہ اس نے تکبر کیا تھا اور بے علم جھگڑا تھا اس لیے اللہ نے دنیا میں اسکو ذلیل کیا اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اور اس وقت اس سے یہ کہیں گے کہ یہ عذاب تیرے ان اعمال کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر بالکل ظلم کرنے والا نہیں۔ بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتے اور معاذ اللہ مجرم کو بغیر سزا دیئے نہیں چھوڑتے۔ یہ آیت بھی نضر بن حارث کے بارہ میں ہے۔ بدر کے دن وہ مارا گیا اور کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ یہ دنیا کی رسوائی تھی اور آخرت کی رسوائی اس کے علاوہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ

اور بعضا شخص ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر

فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۖ وَإِنْ

پھر اگر مل گئی اس کو بھلائی چین پکڑا اس سے اور اگر

أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ

مل گئی اس کو جانچ (آزمائش) پھر گیا الٹا اپنے منہ پر۔ گنوائی

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا

الْمُبِينُ ﴿١١﴾ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ

صریح۔ پکارتا ہے اللہ کے سوا ایسی چیز کو کہ

وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٢﴾

برا نہیں کرتی اور ایسی کہ اسکا بھلا نہیں کرتی۔ یہی ہے دور پڑنا بھول کر۔

يَدْعُو لَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۚ لَبِئْسَ

پکارے جاتا ہے البتہ جسکا ضرر پہلے پہنچے نفع سے۔ بیشک برا

الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ ﴿١٣﴾

دوست ہے اور برا رفیق۔

مذمت مذبذبین و متردّدین در بارۂ دین متین

قال اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ... الیٰ ... وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں منکرین اور مجادلین کی مذمت تھی۔ جو کھلم کھلا اور صریح طور پر قیامت کے منکر تھے۔ اب ان آیات میں مذبذبین اور متردّدین کی مذمت بیان کرتے ہیں جو محض دنیاوی طمع پر اسلام لے آتے ہیں مگر ان کے دل میں ابھی تک تردد باقی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ آتے اور اسلام لے آتے پس اگر انہیں وہاں مال اور اولاد کی ترقی معلوم ہوتی تو کہتے کہ دین اسلام اچھا دین ہے اور اگر کچھ اس کے خلاف ہوتا تو کہتے کہ اسلام کچھ اچھا دین

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ

جس کو یہ خیال ہو کہ ہرگز مدد نہ کریگا اسکو اللہ دنیا میں اور

الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ

آخرت میں تو تانے ایک رسی آسمان کو پھر کاٹ دے

فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

اب دیکھے کچھ گیا اس کی تدبیر سے اس کے جی کا غصہ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

اور یوں اتارا ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سوجھ

مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

دیتا ہے جس کو چاہے۔

بیانِ فلاحِ اہلِ ایمان و خیبت و خسران دشمنانِ بدسگالان

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا .... الی .... وَاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۔

ربط: گزشتہ آیات میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جو ایمان اور اسلام میں متذبذب اور متزلزل تھے اب ان آیات میں ان دیانتداروں کا حال ذکر کرتے ہیں جو ایمان پر پکے ہوتے ہیں اور اقوال و احوال پر ثابت قدم ہیں۔ حق جل شانہ نے ان آیات میں اول تو ایسے مؤمنین مخلصین کی فلاح اور کامیابی کا ذکر کیا اور اس کے بعد دشمنان اسلام کی ناکامی اور نامرادی کو بیان کیا کہ ان بدنصیبوں [illegible] اور ان منافقین کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ کی دنیا اور آخرت میں کوئی مدد نہیں کرے گا اور چند روز میں دین اسلام ختم ہو جائیگا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ گمان غلط ہے ان کے دل میں اسلام کا جو غیظ و غضب بھرا ہوا ہے وہ جتنی چاہیں تدبیریں کر لیں خوب سمجھ لیں کہ ان کا مقصد کبھی پورا نہ ہوگا۔ بعد ازاں فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو صدق دل سے ایمان لائے اور اچھوں سے نیک کام کیے ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے مکانوں اور درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے دوستوں کو عزت اور کرامت اور فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور منکرین و منافقین کو ذلیل و خوار کرتا ہے جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا و آخرت میں مدد

اور ایسا ہی اتارا ہم نے یہ قرآن واضح اور روشن آیتیں جن میں کوئی خفا اور ابہام نہیں جو شخص ان میں غور کرے اس پر صاف صاف حق واضح ہوجائے اور حقیقت یہ ہے کہ توفیق اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے مطلب یہ ہے کہ دلائل خواہ کتنے ہی واضح اور روشن کیوں نہ ہوں مگر ہدایت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے جسے وہ سمجھ دے وہی سمجھتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا

جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں

وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ

اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور جو

أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

شرک کرتے ہیں اللہ فیصلہ کریگا ان میں قیامت کے دن

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ

اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ

يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَ

کو سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَ

ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت

الدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور جانور اور بہت آدمی۔ اور بہت ہیں کہ ان پر ٹھہر

الْعَذَابُ ۗ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ۚ

چکا عذاب۔ اور جس کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی نہیں عزت دینے والا

إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿١٨﴾ هَٰذَانِ خَصْمَانِ

اللہ کرتا ہے جو چاہے ۔ یہ دو مدعی ہیں

اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ

جھگڑے ہیں اپنے رب پر سو جو منکر ہوئے ان کے واسطے

ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ

بیونتے (کاٹے) ہیں کپڑے آگ کے ۔ ڈالتے ہیں ان کے سر پر جلتا

الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾

پانی ۔ نچڑ جاتا ہے اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور کھال

وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن

بھی ۔ اور ان کے واسطے موگریاں ہیں لوہے کی ۔ جس بار چاہیں کہ نکل

يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا

پڑیں اس سے گھٹنے کے مارے ، پھر ڈال دیئے جائیں اس میں ۔ اور چکھتے رہو

عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا

جلن کی مار ۔ اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اور کیں بھلائیاں باغوں میں ، بہتی ان کے نیچے نہریں ۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَ

گہنا پہناویں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے اور موتی ۔ اور

لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ

ان کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی ۔ اور راہ پائی انہوں نے ستھری

بنایا اور شہد کی مکھی نے کیا بحسب الہام ربی کہ اس کے صلہ میں اس کو شیرینی عطا ہوئی۔

مسئلہ: یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق اور اہل باطل کے فیصلہ کا ذکر فرمایا اور تفصیل کے ساتھ اہل باطل کی انواع واقسام کو بیان فرمایا تھا۔ یہ تمام فرقے جن کا اوپر کی آیت میں ذکر ہوا حق اور باطل ہونے کی حیثیت سے دو فریق ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ یہ دو فریق یعنی مومن اور کافر اور اہل اطاعت اور اہل معصیت دو جھگڑنے والے فریق ہیں۔ ایک فریق مسلمانوں کا ہے اور دوسرا فریق کافروں کا ہے جس میں یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین سب داخل ہیں اس لیے کہ بہ اقسام کفر ملت واحدہ ہیں۔ ہدایت ربانی اور کتاب آسمانی کے نہ قبول کرنے میں سب شریک ہیں اور ایک ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ دو (۲) فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارہ میں جھگڑا کیا۔ مسلمانوں نے اللہ کے دین کو قبول کیا اور باقی پانچ مذکورہ فرقوں نے یعنی یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین نے دین اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور باہم جنگ وجدال اور قتل وقتال کا سلسلہ شروع ہوا جس کا آغاز معرکۂ بدر سے ہوا۔ چنانچہ بدر کے میدان میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہم، عتبہ اور شیبہ اور ولید کے مقابلہ پر نکلے۔ اللہ نے مسلمانوں کو عزت دی اور کافروں کو ذلیل کیا۔ اب آگے دونوں فریق کے اخروی انجام کو بتلاتے ہیں۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا سو اول تو ان کے لیے ان کے جثہ کے مطابق آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے یعنی حقیقتاً آگ کا لباس ہوگا جو ان کی معصیت کا سامان اور ان متکبرین کی ذلت کا نشان ہوگا اور دوم ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائیگا جس سے ان کے پیٹوں کی انتڑیاں اور بدن کی کھالیں گھل جائیں گی اور پھر ان کو ویسا ہی کر دیا جائیگا جیسے پہلے تھے كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ۔ اور سوم ان کے مارنے کے لیے لوہے کے بڑے بھاری گرز ہوں گے جو ان کے سروں پر مارے جائیں گے اور کبھی اس مصیبت سے ان کو نجات نہ ہوگی۔ چنانچہ جب کبھی شدت غم کی وجہ سے اس آگ سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں لوٹا دیے جائیں گے اور فرشتے ان سے کہیں گے کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ایک فریق مخاصم یعنی فریق کفار کا حال بیان فرمایا اب آئندہ آیات میں دوسرے فریق مخاصم یعنی فریق مومنین کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخرت میں نہایت درجہ ناز ونعمت اور عیش وعشرت میں ہوں گے اس آیت میں اہل ایمان کی چار نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) تحقیق اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا ان بندوں کو جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور نیک کام کیے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں ان کو سونے کے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جنت میں مومن کو تین قسم کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک کنگن سونے کا اور ایک چاندی کا اور ایک موتی کا۔ سونے اور موتی کے کنگن کا ذکر تو اس آیت میں ہے اور چاندی کے کنگن کا دوسری آیت میں ہے۔ وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ۔ اور ان کو لباس وہاں ریشمی ہوگا۔ اہل جہنم کے ثیاب نار کے مقابلہ میں ان کا لباس حریری ہوگا۔ چنانچہ

ثِیَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور ان کو دنیا میں پاکیزہ قول کی طرف ہدایت کی گئی اور قابل تعریف راستے کی طرف ان کو ہدایت کی گئی۔ پاکیزہ قول سے کلمہ توحید یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مراد ہے اور صراط حمید سے صراط مستقیم اور دین اسلام مراد ہے اس کے صلہ میں آج ان کو یہ نعمتیں اور کرامتیں مل رہی ہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ پاکیزہ قول سے جنت میں اللہ کی حمد و ثناء اور اس کی تسبیح و تقدیس کرنا مراد ہے اور صراط حمید سے طریق جنت مراد ہے اور سیاق کلام کا اقتضاء یہ ہے کہ گزشتہ آیات کی طرح ان دونوں آیتوں میں اخروی ہدایت مراد لی جائے کہ اہل جنت جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا۔ اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے اور ان کو سلام کریں گے وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی

اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ

راہ سے اور ادب والی مسجد سے جو ہم نے بنائی

لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ

سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر کا۔

وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ

اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھائیں گے ایک

عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝٢٥ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ

دکھ کی مار۔ اور جب ٹھیک کر دی ہم نے ابراہیم کو ٹھکانا اس

الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ

گھر کا کہ شریک نہ کریو میرے ساتھ کسی کو اور پاک رکھ میرا گھر

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ

طواف کرنے والوں کے لیے اور کھڑے رہنے والوں کے لیے اور رکوع و سجدہ والوں کے لیے۔ اور پکار دے

فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

لوگوں میں حج کے واسطے کہ آویں تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دبلے دبلے

يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ

اونٹوں پر چلے آتے راہوں دور سے۔ کہ پہنچیں اپنے بھلے کی جگہوں

لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى

پر اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں ذبح پر

مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا

چوپایوں مواشی کے جو اس نے دیئے ہیں ان کو، سو کھاؤ اس

وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ

میں سے اور کھلاؤ برے حال محتاج کو۔ پھر چاہیئے ختم کر دیں اپنا میل کچیل

وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ

یہ سن چکے اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کے ادب کی سو وہ بہتر ہے اس کو

عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى

اپنے رب کے پاس۔ اور حلال ہیں تم کو چوپائے مگر جو تم کو سناتے

عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا

ہیں سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچتے رہو جھوٹی بات سے

قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَ

ایک اللہ کی طرف کے ہو کر نہ اس کیساتھ ساجھی بنا کر اور

مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ

جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھر اچکتے

الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

ہیں اسکو اڑتے جانور، یا لے ڈالا اس کو باؤ نے کسی دور مکان میں۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى

یہ سن چکے، اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا، سو وہ دل کی

الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

پرہیزگاری سے ہے۔ تم کو چوپایوں میں فائدے ہیں ایک مقررہ وعدے تک۔

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

پھر ان کو پہنچنا اس قدیم گھر تک۔ اور ہر فرقے کو ہم نے

جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

مقرر دی ہے قربانی کہ یاد کریں نام اللہ کا ذبح پر

مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ

چوپایوں کے جو ان کو دیئے۔ سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی

اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

کے حکم میں رہو۔ اور خوشی سنا عاجزی کرنے والوں کو۔ وہ کہ جب نام لیجئے اللہ کا

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ

ڈر جاویں ان کے دل، اور سہنے والے جو ان پر پڑے اور

وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣٥

کھڑی رکھنے والے نماز کے۔ اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ

اور کعبے کے چڑھانے کے اونٹ، ٹھہرائے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی اللہ کے

فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

نام کی، تمہارا اس میں بھلا ہے۔ سو پڑھو ان پر نام اللہ کا قطار باندھ کر۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا

پھر جب گر پڑے ان کی کروٹ تو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ

الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ

صبر سے بیٹھے کو اور بیقراری کرتے کو اسی طرح تمہارے بس میں دیئے ہم نے وہ جانور شاید

تَشْكُرُوْنَ ۝٣٦ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا

تم احسان مانو۔ اللہ کو نہیں پہنچتا ان کے گوشت اور نہ لہو، لیکن

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا

اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب۔ اسی طرح ان کو بس میں دیا

لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ

تمہارے کہ اللہ کی بڑائی پڑھو اس پر کہ تم کو راہ سمجھائی اور خوشی

الْمُحْسِنِيْنَ ۝٣٧ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ

سنا احسان کرنے والوں کو۔ اللہ دشمنوں کو ہٹا دے گا ایمان والوں سے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝٣٨

اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی دغاباز ناشکر۔

سَوَآءَ ِالۡعَاکِفُ میں اقوال

قول اوّل

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عبادت اور مناسک حج کی ادائیگی میں برابری مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسجد حرام کی حاضری اور وہاں اگر عبادت کرنے میں شہری اور بیرونی سب برابر ہیں کسی شہری کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی بیرونی کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روک سکے۔

قول دوم

اور ابن عباسؓ اور صحابہؓ و تابعینؒ کی ایک جماعت یہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے تمام مکہ اور سارا حرم مراد ہے کیونکہ حدیبیہ کے دن مشرکین مکہ نے آپؐ کو اور آپ کے صحابہ کو حرم میں داخل ہونے سے روکا تھا اور سَوَآءَ ۨالۡعَاکِفُ فِیۡهِ وَالۡبَادِ۔ میں مساوات سے مکہ میں قیام اور سکونت اور نزول کے بارہ میں مساوات اور برابری مراد ہے مکہ کی زمینوں اور مکانات میں مقیم لوگوں کا اور باہر سے آنے والوں کا سب کا حق یکساں ہے۔ اور ان حضرات کے نزدیک مکہ کی زمین کسی کی ملک نہیں اور وہاں کے مکانات کا کرایہ لینا جائز نہیں اور یہی امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی ایک دلیل تو یہ آیت ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہؒ کی سند سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا پس اس کی اراضی کی بیع اور اس کے مکانوں کا کرایہ حرام کیا اور تیسری دلیل وہ ہے کہ جو علقمہ کنانیؓ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابوبکرؓ نے وفات پائی اور عمرؓ نے وفات پائی اور نہیں پکارا جاتا تھا مکہ کی زمینوں کو مگر سوائب جس کو جہاں ضرورت ہوتی تھی وہ ٹھہر جاتا تھا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور سوائب کے معنی وقف عام اور غیر مملوک کے ہیں اور ایک روایت میں عثمان غنیؓ کا نام اور زیادہ ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی مکہ کی زمینیں سوائب کے نام سے پکاری جاتی تھیں کوئی اپنی ملک کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۲ ج ۱۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۴ ج ۳)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اراضی مکہ وہاں کے باشندوں کی ملک ہیں ان کو بیع و شراء کا اور اپنے مکانات کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور اس پر چند حجتیں قائم فرماتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے حق میں فرمایا ہے۔ اَلَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ (اپنے گھروں سے نکالے گئے) اس آیت میں گھروں کی اضافت ان کی طرف فرمائی معلوم ہوا کہ گھر ان کے مملوک تھے۔

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہوا وہ امن سے ہے اور جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ بھی امن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ گھر اس کی ملک ہے۔

(۳) صحیحین میں اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ اسامہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کل کو مکہ میں اپنے مکان میں اتریں گے آپ نے فرمایا کیا عقیلؓ نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے اور بات یہ تھی کہ جب ابو طالب کا

نہیں رہ سکتا اور اس قدر بلندی سے گرنے کے بعد زندہ نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح جس نے شرک کیا وہ آسمان توحید کی بلندی سے شرک کی پستی کی طرف گرا اور مردار خوار پرندوں کی طرح نفسانی خواہشوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا وسوسہ شیطانی کی تند اور تیز ہوا نے اسکو بہت دور کسی وادی ضلالت میں پھینک دیا جس سے اس کی تمام ہڈیاں اور پسلیاں الگ الگ ہوگئیں۔ حاصل کلام یہ کہ شرک کرنے والا اس طرح ہلاک ہوتا ہے کہ پھر نجات کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۲۳ ج ۶)

یہ بات تو ختم ہوئی اب دوسری بات سنو اور وہ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی یادگاروں یعنی اس کے دین کی نشانیوں، علامتوں اور اس کی نامزد چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس میں شک نہیں کہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیزگاری سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ جس درجہ کا تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی عظمت ہوگی اسی درجہ کی تعظیم اس سے سرزد ہوگی۔ تقویٰ اور فجور کا اصل منشا اور منبع قلوب ہیں اور اعضاء ظاہری ان کے آثار کے مظہر ہیں۔ اور ان کا اثر ان اعضاء پر ظاہر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک نہیں بلکہ تقویٰ کی علامت ہے اور آثار توحید میں سے ہے اس لیے کہ عاشق کی شان یہ ہے کہ جو چیز اسکے محبوب کی طرف منسوب ہو یا اس کی نامزد ہو یا اس کے دین کی نشانی ہو۔ دل و جان سے اس کی تعظیم کرے۔

شعائر جمع شعیرۃ یا شعارۃ کی ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اس جگہ شعائر اللہ سے مناسک حج اور قربانی کے جانور مراد ہیں جیسا کہ آئندہ آیت سے معلوم ہوتا ہے اور تمہارے لیے ان چوپایوں میں جن کو تم نے اللہ کے لیے نامزد کردیا ہے جیسے قربانی کے جانور۔ ان میں تمہارے لیے ایک وقت مقررہ تک بہت سے فائدے ہیں کہ بحالت ضرورت یا بحالت اضطرار ان پر سواری کرنا بھی جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی کے جانور پر بحالت ضرورت سواری جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اضطرار اور غایت درجہ کی مجبوری کی حالت میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ تفصیل کے لیے شرح ہدایہ اور شرح بخاری دیکھیں۔ البتہ قربانی کے بعد ان کے گوشت اور کھال سے نفع اٹھانا جائز ہے۔

پھر ان ہدایا یعنی قربانی کے جانوروں کی حلال ہونے کی جگہ قدیم گھر کے قریب ہے یعنی منیٰ اور حدود حرم کے اندر اس کو خدا کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے۔ حدود حرم سے باہر ذبح جائز نہیں باقی مسائل جو ان آیات سے ماخوذ ہیں وہ کتب فقہ میں دیکھے جائیں۔

اور آپ سے پہلے جتنی امتیں گزری ہیں ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ اور مکان معین اور مقرر کیا تھا تاکہ ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں۔ ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام لیں۔ اللہ کے نام پر قربانی کرنے کا حکم تمام شریعتوں میں رہا ہے کہ ذبح کرتے وقت اس خدائے وحدہ لاشریک لہ کا نام لیں جس نے یہ نعمت عطا کی۔ خدا کے سوا کسی کے نام پر ذبح کرنا اور اس کی نذر و نیاز کرنا یہ بت پرستی میں شرک رہا ہے پس سمجھ لو کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی خدا ہے۔ سو تم اپنے آپ کو اسی ایک خدا کے حوالہ اور سپرد کردو اور خاص اسی کی اطاعت کرو اور اسی کی اطاعت پر جمے رہو۔ اور اے نبی خوشخبری

[illegible]

تتمہ کلام سابق (یعنی اہل ایمان کی طرف سے مدافعت)

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ

[illegible]

ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں یہ آیت غلبۂ اسلام کی بشارت ہے اور آخر سورت وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ کا آخر اور مکمل ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ
حکم ہوا ان کو جن سے لوگ لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ﴿۳۹﴾
اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ
وہ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور بے

حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ
دعوٰی نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ

النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ
لوگوں کو ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور

بِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ
عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ

اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ
کا بہت اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی

اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی
بیشک اللہ زبردست ہے زور والا۔ وہ کہ اگر ہم ان کو مقدور دیں ملک

الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا
میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں

كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ

ہوا میرا انکار؟ سو کتنی بستیاں ہم نے کھپا دیں اور وہ

هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ

گناہ گار تھیں اب وہ ڈھے پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور

بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿٤٥﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا

کتنے کنوئیں نکمے پڑے اور کتنے محل گچ کاری کے۔ کیا پھرے نہیں ملک

فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ

میں؟ جو ان کو دل ہوتے جن سے بوجھتے، یا

اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ

کان ہوتے جن سے سنتے؟ سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں

وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾ وَ

ہوتیں پر اندھے ہوتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں۔ اور

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾

اور ایک دن تیرے رب کے ہاں ہزار برس کے برابر ہے جو

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ

تم گنتے ہو اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گناہ گار تھیں

ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا

پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آنا ہے۔ تو کہہ لوگو! میں

ربع

رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ

رب کی طرف سے پھر اس پر یقین لاویں اور ڈھیں اسکے آگے ان کے دل اور اللہ

اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٤﴾

سوجھانے والا ہے یقین والے والوں کو راہ سیدھی۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ

اور منکروں کو ہمیشہ رہے گا اس میں دھوکا جب تک

تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ

آ پہنچے ان پر قیامت بے خبر یا آ پہنچے انکو آفت ایک دن

عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ

کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی۔ راج اس دن اللہ کا ہے ان میں چکوتی (فیصلہ) کریگا سو جو یقین

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾ وَ

لائے اور کیں بھلائیاں نعمت کے باغوں میں ہیں۔ اور

الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں سو ان کو ہے

مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾

ذلت کی مار۔

ذکر فتنۂ شیطان برائے امتحان مخلصان ومنافقان

قال اللہ تعالیٰ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ ... الیٰ ... فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ

ربط گزشتہ آیت وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ میں اس بات کا بیان تھا کہ مجادلین اور معاندین

بعض آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں اور دین حق کی تخریب کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں ابطال آیات کی سعی اور اس میں جدوجہد ان معاندین اور معاصرین کی قدیمی عادت ہے اور اس سلسلہ میں شیطان طرح طرح کے فتنے برپا کرتا رہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہے ڈالتا رہتا ہے جو کافروں اور ضعیف الایمان لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔ اسے نبی آپ اس قسم کے فتنے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ ہر نبی اور رسول کے زمانہ میں اسی قسم کا فتنہ پیش آیا ہے جب کبھی کسی نبی اور رسول نے اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر لوگوں کو سنایا تو شیطان نے آیات الٰہیہ میں طرح طرح کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال دیئے جس سے لوگ شبہات کے دلدل میں پھنس گئے بعد میں اللہ تعالیٰ آیات محکمات کو نازل کرتا ہے جس سے تمام شیطانی شکوک اور شبہات کی جڑ کٹ جاتی ہے اور حکم خداوندی ایسا صاف اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ سب شیطان کا فتنہ ہے جس سے اللہ کا مقصود مخلصین اور منافقین کا امتحان اور آزمائش ہے لہٰذا اے نبی آپ اس قسم کے فتنہ کو دیکھ کر رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

شان نزول

مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں ایک قصہ ذکر کیا ہے جو اشکال کا سبب بنا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی تفسیر سے پہلے اس قصہ کو ذکر کر دیا جائے وہ قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ نجم ایک مجلس میں پڑھی جس میں مشرکین مکہ بھی حاضر تھے جب آپ اس آیت — أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ۔ پر پہنچے تو شیطان نے اس کے ساتھ آپ کی طرف سے یہ الفاظ پڑھ دیئے۔

تلک الغرانیق العلیٰ۔ وان شفاعتھن لترتجی۔ ∴ یہ بت بہت اونچے مرتبہ والے اور معظم و محترم ہیں اور ان کی سفارش قبول ہونے کی امید کی جاتی ہے

شیطان نے یہ عبارت آپ کے لہجہ میں آپ کے کلام کے ساتھ اس طرح ملا کر پڑھی جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ الفاظ آپ ہی کی زبان سے نکلے ہیں۔ کافر ان الفاظ کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے موافق ہو گئے کہ بتوں کی تعریف میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اس قدر خوش ہوئے کہ جب مسلمانوں نے اس سورت کے ختم پر سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور کافروں میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو سوائے ولید بن مغیرہ کے اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی سنگریزوں کی بھر لی اور اس پر سجدہ کیا۔ مکہ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو قریش بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب محمدؐ نے اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے کہ میری تلاوت میں وہ چیز بھی پڑھ دی گئی جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور خوف زدہ اور پریشان ہو گئے۔ اس پر آپ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ قصہ عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے جس کو امام قرطبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ اور جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔

قریب سے گزر سکے جیسا کہ سورۂ جن میں ہے اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا لِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّہِمۡ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیۡہِمۡ ۔ یعنی جب وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اور وحی الٰہی کی حفاظت کے زبردست انتظامات ہوتے ہیں کہ کوئی شیطان قریب یا بعید سے وحی ربانی میں کوئی القاء نہ کر سکے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول اللہ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچا دے پس اگر یہ بھی القاء شیطانی سے محفوظ نہ رہے تو پھر فرشتوں کی رصد اور ان کے پہروں کا کیا فائدہ ؟ (دیکھو روح المعانی ص ۱۴۳ ج ۲۹ و ص ۱۶۵ ج ۱۷)

نیز قرآن کریم میں ہے۔ وَ اِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ۔ یعنی اس کتاب عزیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے کسی باطل کی مجال نہیں کہ وہ آگے یا پیچھے سے وہاں آ سکے بہرحال یہ امر قطعاً محال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے القاء سے کسی چیز کو خلط کر دیں اور ایک القاء شیطانی اور وحی جبرئیلی میں اور قرآن اور غیر قرآن میں امتیاز نہ ہو اور معاذ اللہ آپ کی زبان سے قرآن میں کوئی حرف اور کوئی لفظ زیادہ ہو جائے جو اللہ نے آپ پر نازل نہیں کیا اور شیطان وحی خداوندی میں کوئی آمیزش کر دے اور آپ کو اس پر تنبیہ نہ ہو اور آپ یہ نہ سمجھ سکیں کہ وحی ربانی تو یہ ہے اور یہ محض القاء شیطانی ہے۔ غرض یہ کہ یہ امر ناممکن ہے کہ نبی کو وحی اور غیر وحی میں کوئی اشتباہ لاحق ہو جائے۔ اشتباہ کا واقع ہونا علامت ہے نقصِ نبوت کی اور اللہ کا نبی اس سے پاک اور منزہ ہے۔

(۶) نیز اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو علاوہ اس کے کہ یہ واقعہ آیات مذکورہ کے خلاف ہے ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ قرآن کریم اور وحی الٰہی سے وثوق اور اعتماد اٹھ جائیگا اور اس اطمینان زائل ہو جائے گا اس لیے کہ اس واقعہ کی طرح دوسری جگہ بھی القاء شیطانی سے وحی الٰہی اور پیغام خداوندی میں کمی اور زیادتی کا جواز اور امکان نکل آئے گا کہ ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی القاء شیطانی سے احکام الٰہیہ اور ہدایات خداوندی میں اسی قسم کی کمی اور زیادتی اور تغیر اور تبدل پیش آیا ہو اور لازم آئے گا کہ حسب حکم خداوندی یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۔ احکام خداوندی کی پوری پوری اور صحیح صحیح تبلیغ نہ ہوئی ہو ایسی صورت میں وحی الٰہی پر یقین نہیں رہ سکتا کہ بالیقین یہ پوری اور صحیح وحی ہے اور بعینہٖ وہی وحی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ القاء شیطانی کی وجہ سے اس میں غیر وحی کی آمیزش ہو گئی ہو غرض یہ کہ ایسی صورت میں وحی الٰہی پر اعتماد اور یقین نہیں رہتا بلکہ وحی الٰہی مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۳ ج ۶ و روح المعانی ص ۱۶۱ ج ۱۷)

(۷) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ کلام قرآنی باہم متضاد اور متناقض اور مختلف ہو جائے گی اس لیے کہ اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَ الۡعُزّٰی الخ۔ سے تو بتوں کی مذمت مقصود ہے اور تلک الغرانیق العلی۔ سے بتوں کی مدح مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ ایسا صریح اختلاف اور واضح تناقض و تضاد حاضرین مجلس پر اور خاص کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی رہا یہ ناممکن ہے کہ صاحب نبوت پر یہ اختلاف اور تضاد مخفی رہے۔

(۸) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ تلک الغرانیق العلی ایک معمولی عبارت ہے اور نظم قرآنی حد اعجاز کو پہنچی

صورت میں ظاہر ہوا اور کفر اور کو حباب کا ایمان دلایا کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ ۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی مجلس میں آپ کی قرأت کے وقت شیطان کسی انسان کی صورت میں ظاہر ہوا ہو اور وہاں بیٹھ کر یہ الفاظ پڑھے ہوں۔ دیکھو حاشیۂ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی صفحہ ۳۹۰ ج ۳۔

غرض یہ کہ یہ الفاظ حضور پر نور نے ہرگز ہرگز اپنی زبان مبارک سے نہیں پڑھے بلکہ حق جل و علا کا علم محیط ہے تصرف بھی تھا شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر پڑھ دیئے جن کو کفار نے سن کر مشہور کر دیا جو فتنہ کا سبب بن گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس خبر کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلا دیا کہ یہ سب القاء شیطانی تھا وہ وہاں نہ تھی اور بتلا دیا کہ جاری و قدیم عادت ہے کہ ہم شیطان کو اس قسم کے القاء پر اول قدرت دیتے ہیں اور بعد میں اس کا ازالہ کر دیتے ہیں اور ہمارا مقصود اس سے ایک قسم کا امتحان اور آزمائش ہوتی ہے جس سے کچے اور پکے ایمان والوں اور مذبذب اور کچے ایمان والوں کا حال ظاہر کر دیا جاتا ہے لہٰذا آپ اس سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ حضرات اہل علم تفسیر قرطبی صفحہ ۸۰ ج ۱۲ اور احکام القرآن لابن العربی صفحہ ۲۹۱ ج ۳۔ اور احکام القرآن للجصاص صفحہ ۳۰۹ ج ۳ اور حاشیۂ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی صفحہ ۳۹۰ ج ۳ ملاحظہ کریں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں علماء کے دو مسلک ہیں ایک مسلک تو جمہور علماء کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قصہ مذکورہ بالکل باطل ہے۔ اکثر کی یہی تفسیریں اسی مسلک پر مبنی ہیں۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں کچھ صحت اور ثبوت رکھتا ہے۔ اس دوسرے مسلک کی بناء پر صرف ایک تفسیر ہے جس کو قاضی ابو بکر بن عربی اور قرطبی اور قاضی بیضاوی نے اس عنوان سے ذکر کیا کہ اگر بالفرض والتقدیر کثرت طرق اور اسانید پر نظر کر کے اس واقعہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو پھر آیت کی تفسیر اس طرح کی جائے جو ہم ان حضرات سے نقل کر چکے ہیں اس تفسیر سے اگرچہ بہت سے اشکالات دور نہ ہوں گے مگر ان شاء اللہ تعالیٰ اکثر اشکالات تو ضرور دور ہو جائیں گے اور امام قرطبی اور قاضی ابو بکر ابن عربی نے بھی فرمایا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر اس قصہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو آیت کی اس طرح تفسیر کی جائے تا کہ کوئی اشکال لازم نہ آئے۔

ك قال البيضاوي وهو رد لما روي عن قصة الغرانيق) مردود عند المحققين وان صح فابتلاء يتميز به الثابت على الايمان من المتزلزل فيه و قال ابن الشيخ والظاهر ان مثل القصة ان يتكلم فيه الشيطان عند سكوته عليه السلام بعد قوله وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى فانها اقرب الاحتمالات المذكورة الى الصحة فيكون المعنى ما من رسول ولا نبي قبلك الا امكنّا الشيطان ان يلقي في قراءتهم مثل ما القى في قراءتك هذه ما تمنيت فلا تهتم لذلك فانا نجعل ذالك فتنة لضعاف قومهم وهداية اخرى يعني الثابت على الايمان والمتزلزل فيه انتهى كلام شيخ زاده حاشية البيضاوي۔

دوسری اور تیسری تفسیر

جن لوگوں نے اس قصہ کو موضوع نہیں بلکہ کسی درجہ میں ثابت مانا تو بعض نے اس قصہ کی یہ تاویل کی ہے کہ غرانیق علیٰ سے ملائکہ مقربین مراد ہیں، بت مراد نہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں حرف استفہام مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے قریش کیا یہ غرانیق جو تمہارے نزدیک بڑے عالی مرتبہ ہیں کیا ان سے کسی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے ہرگز نہیں مگر یہ دونوں قول سراسر متکلف ہیں جن سے قلب مطمئن نہیں ہوتا (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

تتمہ بیان سابق

اب اس کے بعد آئندہ آیات بیان سابق کا تتمہ ہیں جن میں یہ بتلاتے ہیں کہ کفار بجائے ایمان اور معاجزین ہمیشہ آپ کی نبوت و رسالت میں شک کرتے رہیں گے اور آپ کے بیان ذکر کرتے رہیں گے اور ابطال آیات کی سعی کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے یا موت آجائے اس لیے فرماتے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے قرآن کی طرف سے یا القاء شیطانی کی وجہ سے شک اور شبہ میں ——— یا ہمیشہ جدال و خصام میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ آ پہنچے ان پر ناگہانی قیامت کبریٰ یا قیامت صغریٰ یعنی ان پر موت آجائے یا آ پہنچے ان پر ایک منحوس دن کی آفت منحوس دن سے جنگ بدر کا دن مراد ہے یا قیامت کا دن مراد ہے عقیم اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ گویا کہ وہ دن بانجھ عورتوں کی طرح ہے جو کسی خیر اور بھلائی کو نہیں جنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ معاجزین اور معاندین اپنے کفر اور عناد اور جدال و خصام پر سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ بغیر مشاہدۂ عذاب کے کفر اور عناد سے باز نہ آئیں گے مگر اس وقت کا باز آنا نفع نہ دے گا۔ اس دن یعنی قیامت کے دن بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی یعنی آج تو بادشاہوں کو اپنی سلطنت اور بادشاہت کا دعویٰ ہے مگر اس روز سوائے خدا کی بادشاہت اور حکومت کے کسی کی حکومت کا ظاہری اور مجازی طور پر بھی نام و نشان نہ رہے گا۔ اور بادشاہ حقیقی کی حکومت سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس دن وہ بادشاہ حقیقی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ ان دو فریق کے حق میں ہوگا۔ جن کی تفصیل آئندہ آیت میں ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ نعمت کے باغوں میں آرام سے ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کے لیے ذلت و خواری کا عذاب ہوگا۔ اس روز لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کر دیا جائے گا کہ جن متکبرین نے انبیاء کا مذاق کیا سو ان کے اس تکبر کے مقابلہ میں ان کو ذلت و خواری کا عذاب دیا جائے گا۔ حق اور اہل حق کے ذلیل کرنے والے اس دن ذلیل اور رسوا ہوں گے۔

ف اشارہ اس طرف ہے کہ مِرْيَةٍ کے دو معنی آتے ہیں ایک شک اور شبہ کے اور دوسرے معنی مراء اور جدال کے یعنی لجاج اور مخاصمت کے آتے ہیں۔ آیت میں ہر معنی صحیح اور درست ہے۔ واللہ اعلم

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ

اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر

قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَ

مارے گئے یا مر گئے البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاصی۔ اور

اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ

اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا۔ البتہ پہنچاوے گا ان کو

مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

ایک جگہ جس کو وہ پسند کریں گے اور اللہ سب جانتا ہے تحمل والا۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ

یہ سن چکے ، اور جس نے بدلا دیا جیسا اس سے کیا تھا ، پھر اس پر کوئی زیادتی

عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

کرے تو البتہ اس کی مدد کرے گا اللہ۔ بیشک اللہ درگزر کرتا ہے بخشتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ

یہ اس واسطے کہ اللہ لے لیتا (داخل کرتا) ہے رات کو دن میں اور دن

النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ

کو رات میں اور اللہ سنتا ہے دیکھتا۔ یہ اس

بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

واسطے کہ اللہ وہی ہے صحیح اور جس کو پکارتے ہیں اس کے سوا

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

وہی ہے غلط ، اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا۔

اور بندے ہلاک ہو جائیں۔ دیکھو یہ خدا کی کیسی رحمت ہے۔ بیشک اللہ بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ قیامت کے دن یہ زمین و آسمان سب لپیٹ دیئے جائیں گے۔

دلیل ششم

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ

اور وہ وہی ہے کہ جس نے تم کو زندگی بخشی اور عدم کے بعد تم کو وجود عطا کیا اور تم کو جہاں میں لا کر پھر جب تمہاری اجل آ جائے گی تو تم کو موت دے گا اور اس وقت تم اسکا مشاہدہ کرتے رہتے ہو کہ اس عالم میں سب کوئی آتا ہے اور کوئی جاتا ہے پھر قیامت میں تم سب کو دوبارہ زندہ کریگا پس سمجھ لو کہ وہ موت اور حیات اور وجود اور عدم کا مالک ہے جس کی قدرت پر نظر کرو۔ اور حیات اور عاقبت سے قیامت کا انکار نہ کرو۔ بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے کہ اس کو اس قدر تغیرات میں دیکھ کر بھی خدا کی ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور بجا احسان نہیں مانتا اور مجازی الوہیت اور صوامت کا قائل نہیں ہوتا۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ

ہر فرقے کو ہم نے ٹھہرا دی ہے ایک راہ بندگی کی کہ وہ اسطرح

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ۚ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ

کرتے ہیں بندگی، سو چاہئے تجھ سے جھگڑا نہ کریں اس کام میں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف بیشک

لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ

تو ہے سیدھی راہ سوجھا۔ اور اگر تجھ سے جھگڑنے لگیں تو تو کہہ دے اللہ

اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اللہ فیصلہ کریگا تم میں

يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ

قیامت کے دن جس چیز میں تم کئی راہ تھے۔ کیا تجھ

تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ

کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں ۔

اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧٠﴾

یہ سب لکھا کتاب میں ہے یہ اللہ پر آسان ہے ۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا جس کی سند نہیں اتاری

سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا

اس نے اور جس کی خبر نہیں ان کو ۔ اور

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٧١﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

بے انصافوں کا کوئی نہیں مددگار ۔ اور جب سنائیے ان کو

اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

ہماری آیتیں صاف تو پہچانے منکروں کے منہ بگڑی

الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

شکل ۔ نزدیک ہوتے ہیں کہ دوڑ پڑیں ان پر جو پڑھتے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ

ہیں ان کے پاس ہماری آیتیں تو کہہ میں تم کو بتاؤں ایک چیز ہے

ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ

سے بری ۔ وہ آگ ہے ۔ اس کا وعدہ دیا ہے اللہ نے منکروں کو ۔ اور

بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾

بہت بری ہے پھر جانے کی جگہ ۔

تہدید مجادلین دربارۂ احکام شریعت

قال اللہ تعالیٰ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا ..... الی ..... وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۔

ربط: گزشتہ آیات میں دلائل توحید کو بیان کیا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ قرون ماضیہ میں ہر امت کو ایک خاص شریعت عطا کی گئی جو اس زمانے کے مناسب تھی اور اب اخیر میں آپکو یہ شریعت عطا کی گئی تمام شریعتیں اپنے اپنے وقت میں حق تھیں اور واجب الاتباع تھیں اب اخیر زمانہ میں یہ شریعت کاملہ ہے جو آخری شریعت ہے سب پر اسکا اتباع واجب ہے کسی کو اس میں مجادلہ اور منازعت کا حق نہیں چنانچہ فرماتے ہیں ہر امت کے لیے ہم نے ایک شریعت اور بندگی کی ایک راہ مقرر کر دی جس پر وہ چلتے رہے اسی طرح ہم نے آپکو ایک شریعت عطا کی پس لوگوں کو چاہیئے کہ دین کی کسی بات میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور اس طمع میں نہ پڑیں کہ آپ کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اپنی جگہ سے آپ کو پھسلا دیں بلکہ چاہیئے کہ آپکی شریعت کی پیروی کریں اور آپ انکی منازعت کی طرف التفات نہ کریں۔ آپ حق پر ہیں اور آپ سے منازعت کرنے والے باطل پر ہیں۔ پس آپ اپنے حق پر قائم رہیئے اور اسی پر جمے رہیئے اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی طرف ملاطفت اور نرمی کے ساتھ دعوت دیتے رہیں۔ اور انکی منازعت کی طرف التفات نہ کیجئے بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں جس میں کسی طرح کی کجی نہیں توحید اور اصول دین میں تمام انبیاء متفق رہے البتہ شریعت کے لیے عبادات اور بندگی کے طریقے بدلتے رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپکو ایک خاص شریعت عطا کی ہے جس کی پیروی قیامت تک سب پر لازم ہے لیکن اصول دین ہمیشہ ایک ہی رہا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہی سیدھی راہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور آپ لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں پھر یہ لوگ آپ سے کیوں جھگڑا کرتے ہیں۔ توحید تو ایک مسلم امر ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اسکا حق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے اور اگر باوجود اس کے وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ انکے جواب میں فقط اتنا کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ وہ تم کو تمہارے اعمال کی سزا دیگا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں اختلاف کرتے ہو اس روز تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں منسک سے شریعت اور منہاج یعنی طریقہ عبادت کے معنی مراد ہیں لفظ منسک نسک سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبادت کے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ منسک سے ذبح اور قربانی کے معنی مراد ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ منسک سے شریعت اور مطلق طریقہ عبادت مراد ہے جس کے عموم میں ذبائح بھی داخل ہیں۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۳ ج ۶ اور روح المعانی ص ۱۸۴ ج ۱۷)

اب آئندہ آیات میں اثبات توحید اور ابطال شرک کے لیے اپنے کمال علم کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا علم آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے تحقیق یہ یعنی آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا جاننا اور ازل سے علم

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا

بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔ اللہ کی قدر نہیں

اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

سمجھی جیسی اسکی قدر ہے۔ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ

اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور

النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا

آدمیوں میں۔ اللہ سنتا ہے دیکھتا۔ جانتا ہے جو ان

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے اور اللہ تک پہنچ ہے

الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

ہر کام کی۔

بیان مثال معبودات باطلہ برائے ابطال شرک

قال اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں مشرکین کی جہالت کو بیان کیا کہ جن چیزوں کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل و سند نہیں۔ اب ان آیات میں شرک کی شناعت اور قباحت کو اور مشرکین کی حماقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں کہ جن چیزوں کو یہ معبود بنائے ہوئے ہیں وہ چیزیں قابل عبادت نہیں۔ عبادت کے لائق تو وہ ذات ہے کہ جو قادر مطلق ہو اور یہ بت تو عاجز مطلق ہیں۔ ایک ادنیٰ سی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور اگر مکھی ان کی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑانے کی بھی قدرت نہیں رکھتے، چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! تمہارے سمجھنے کے لیے ایک مثال بیان کی جاتی ہے تو اس مثال کو کان کھول کر خوب غور سے سنو۔ تحقیق جن چیزوں کو تم خدا

تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ۚ۩ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ
بھلا پاؤ ۔ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جو چاہیے اس کی محنت
هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ
اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں
حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ
کچھ مشکل ۔ دین تمہارے باپ ابراہیم کا ۔ اس نے نام رکھا
الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ
تمہارا مسلمان حکم بردار ۔ پہلے سے اور اس قرآن میں تا رسول ہو
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں
عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
پر ۔ سو کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى
اور مضبوط پکڑو اللہ کو وہ تمہارا صاحب ہے سو خوب صاحب
وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾
ہے اور خوب مددگار ۔

خاتمہ سورت بر ترغیب اعمال و تاکید اعتصام بملت اسلام

قال اللہ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ... الیٰ ... وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۔
(ربط) گذشتہ آیات میں شرک کا ابطال اور توحید و رسالت کا اثبات فرمایا اب ان آیات میں مسلمانوں کو

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ④ وَالَّذِيْنَ هُمْ

اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں - اور جو اپنی

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ⑤ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ

شہوت کی جگہ تھامتے ہیں ۔ مگر اپنی عورتوں پر یا

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ⑥ فَمَنِ

اپنے ہاتھ کے مال پر سو ان پر نہیں اُلاہنا - پھر جو

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ⑦ وَ

کوئی ڈھونڈھے اس کے سوا سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے - اور

الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ⑧ وَ

جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں - اور

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ⑨ اُولٰٓئِكَ هُمُ

جو اپنی نماز سے خبردار ہیں - وہی ہیں

الْوٰرِثُوْنَ ⑩ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا

میراث لینے والے - جو میراث پاویں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے - وہ اسی میں

خٰلِدُوْنَ ⑪

وہ پڑے

صفات مؤمنین مفلحین

قال تعالیٰ: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ..... الیٰ ..... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ،

ربط: گزشتہ سورت کے آخر میں اعمال خیر کا حکم اور فلاح کی امید کا ذکر تھا، اب ان آیات میں

ساتویں صفت نماز کی پابندی

اور ساتویں صفت یہ ہے کہ جو پنج گانہ نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یعنی نمازوں سے غفلت نہیں کرتے بلکہ ان پر قائم اور ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنے وقت پر ان کو ادا کرتے ہیں۔ شروع کلام میں نماز کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ فلاح کا زیادہ تر دارومدار نماز پر ہے ایسے ہی اہل ایمان جن میں ایمان کے یہ شعبے اور یہ صفتیں جمع ہوں، فردوس بریں کے وارث ہوں گے جو جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور یہی فلاح اور کامیابی کا بلند ترین مقام ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ مومنون مکی ہے اور شروع سورت میں جن مومنین مخلصین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اولین مصداق مہاجرین اولین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز و فلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن

اور ہم نے بنایا آدمی کو چن لی مٹی

طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ

سے۔ پھر رکھا اس کو بوند کر کر ایک جمے ٹھہراؤ میں۔ پھر

خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

بنائی اس بوند سے پھٹکی پھر بنائی اس پھٹکی سے بوٹی،

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ

پھر اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت۔ پھر

أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿١٤﴾

اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں، سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا

ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ

پھر تم اس کے پیچھے مرو گے۔ پھر تم قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ

کھڑے کیے جاؤ گے ۔ اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے اوپر سات

طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ وَ اَنْزَلْنَا

راہیں اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر ۔ اور اتارا ہم نے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَ

آسمان سے پانی ماپ کر پھر اس کو ٹھہرا دیا زمین میں اور

اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ

ہم اس کو لے جاویں تو سکتے ہیں ۔ پھر اگا دیے تم کو اس

بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ

سے باغ کھجور اور انگور کے ۔ تمہارے واسطے ان میں میوے

كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ

بہت اور انہی میں سے کھاتے ہو ۔ اور وہ درخت جو نکلتا ہے طور

سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ وَ اِنَّ

سینا سے لے کر اگتا ہے تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کو ۔ اور تمہارے

لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا

واسطے چوپاؤں میں دھیان کرنا ہے ۔ پلاتے ہیں ہم تم کو ان کے پیٹ کی چیزوں سے

وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ

اور تمہارے ان میں بہت فائدے ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہو ۔ اور

عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

ان پر اور کشتی پر لدے پھرتے ہو ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے لوگو! تحقیق ان چوپایوں میں تمہارے لیے بڑی عبرت اور نصیحت کا سامان ہے۔ اگر تم ان میں خوب غور کرو تو خدا کی قدرت کو اور اس کی نعمت کو سمجھ سکتے ہو ہم ان کے پیٹوں کے اندر سے جو خالص دودھ نکالتے ہیں اس میں سے ہم تم کو پلاتے ہیں خدا کی عجیب قدرت ہے کہ وہ خدا فرث اور دم یعنی گوبر اور خون کے درمیان سے تمہارے لیے ایک نہایت خوش ذائقہ اور خوشگوار اور لذیذ غذا نکالتا ہے جس میں گوبر اور خون کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی یعنی دودھ جو تمہاری غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے اور کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے سوائے خدا تعالیٰ کے کون ایسا کر سکتا ہے۔ (اس مضمون کی زیادہ تفسیر سورۂ نحل میں گزر چکی ہے) اور اس کے علاوہ خود بھی تمہارے لیے ان چوپایوں میں بہت سے فوائد ہیں۔ ان کے بال اور کھال اور صوف اور اولاد وغیرہ تمہارے کام آتے ہیں اور یہ جانور تمہارے فرماں بردار ہیں کام دیتے ہیں اور ان میں سے بعض جانوروں کو تم کھاتے ہو یعنی ان کا گوشت کھاتے ہو اور خشکی میں تم ان چوپایوں پر سوار ہوتے ہو اور ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو اور دریا میں تم کشتیوں پر لدے پھرتے ہو اور ان پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہو یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

اب آگے کشتی کی مناسبت سے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جن سے کشتی کی صنعت کا آغاز ہوا اور اس کے بعد دیگر انبیاء کرام کے واقعات ذکر فرماتے ہیں جن میں یہ بات بتلاتے ہیں کہ انبیاء کرام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ منکرین توحید اور مکذبین رسل کا کیا انجام ہوا۔ لہٰذا ان کے واقعات سے عبرت پکڑو

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس تو اس نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اس

غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ

کے سوا کیا تم کو ڈر نہیں۔ تب بولے سردار جو

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ

منکر تھے اس کی قوم کے یہ کیا ہے ایک آدمی ہے جیسے تم۔ چاہتا ہے کہ

أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ۚ مَا

بڑائی کرے تم پر ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے ۔ ہم نے نہ

سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ

نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں ۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد

بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ

ہے کہ اس کو سودا ہے سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک ۔ بولا اے رب

انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ

تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ۔ پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی

الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ

ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے، پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور ابلے تنور تو

فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا

تو ڈال لے اس میں ہر چیز کا جوڑا دوہرا ۔ اور اپنے گھر کے لوگ مگر

مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي

جس کی قسمت میں آگے پڑ چکی بات ۔ اور نہ کہہ مجھ سے ان

الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ

ظالموں کے واسطے ان کو ڈوبنا ہے ۔ پھر جب چڑھ چکے تو

وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

اور تیرے ساتھ والے کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے

نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي

چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے ۔ اور کہہ اے رب اتار مجھ کو

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝۲۹ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

برکت کا اتارنا اور تو ہے بہتر اتارنے والا ۔ اس میں نشانیاں

لَاٰيٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝۳۰

ہیں ، اور ہم ہیں جانچنے والے ۔

قصۂ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۔

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جو عبادت کا مستحق ہو اس لیے کہ وہی تمہارا خالق ہے کیا پس تم ڈرتے نہیں کہ اپنے خالق کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں شریک کرتے ہو کہیں وہ خالق تم کو تباہ نہ کر دے۔ اس پر اس کی قوم کے سرداروں اور صاحب ثروت لوگوں نے عام لوگوں سے یہ کہا نہیں ہے یہ شخص جو تم کو توحید کی طرف بلاتا ہے مگر تم ہی جیسا ایک آدمی ہے پیغمبری کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی فضیلت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سردار بن کر تم کو اپنا تابع اور محکوم بنائے اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنا پیغام بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو اتار دیتا۔ علاوہ ازیں یہ انوکھی بات ہم نے اپنے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی کہ آدمی بھی مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ تو کچھ بھی نہیں صرف ایک آدمی ہے جس کو جنون آ گیا ہے، ساری دنیا کے خلاف یہ کہتا ہے کہ معبود صرف ایک ہے سو ایک وقت تک انتظار کرو یا تو مر جائے اور قصہ ختم ہو یا جنون سے ہوش میں آ جائے۔ نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی دعوت اور نصیحت کا اثر نہیں ہوتی اور اسی کشمکش میں نو سو سال گزر گئے تو ان کے ایمان سے مایوس ہو کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے پروردگار میری مدد کیجئے اور میرا بدلہ لیجئے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں یعنی ان کو غارت کر کہ میرے جھٹلانے کی سزا پائیں پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان پر وحی نازل کی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ کیا اب عنقریب طوفان آنے والا ہے لہٰذا ایک کشتی تیار کرو تاکہ تم اور تمہارے متبعین اس کشتی میں سوار ہو کر غرق سے نجات پائیں پس جب ہمارا حکم عذاب کے متعلق آ پہنچے تو تنور جوش میں آ جائے یعنی تنور میں سے پانی اُبلنے لگے تو اس وقت اس کشتی میں ہر قسم کے حیوانات سے ایک ایک جوڑا یعنی نر و مادہ دو عدد بٹھا لینا جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لو مگر ان گھر والوں میں سے جس کی بابت اس کے کفر کے باعث ڈوبنے کا حکم صادر ہو چکا ہے۔

اس کو سوار مت کرو، اشارہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان اور اس کی بیوی کی طرف ہے جو باوجود بھی ایمان نہ لانے کے کفر پر قائم رہے اور یہ بھی ممکن ہو کہ مجھ سے ان لوگوں کے بارہ میں کوئی بات نہ کرنا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر کیا ان کی نجات کے بارہ میں کوئی حرف سفارش کا زبان پر نہ لانا تحقیق یہ لوگ ضرور غرق کیے جائیں گے، ان کا اصل مقصد کے یہ نجات کی دعا کرنا ممکن ہے کہ ان کی ہلاکت کو دیکھ کر مقتضائے شفقت و رحمت آپ ان کے لیے دعا مانگنے لگیں تو ایسا نہ کرنا، یہ لوگ دریائے ضلالت میں تو پہلے ہی غرق ہو چکے ہیں اب وقت آگیا کہ ان کو دریائے ہلاکت میں بھی غرق کر دیا جائے۔ پھر جب عذاب الٰہی کے ظہور کے وقت تو اور جو ایمان والے تیرے ساتھ ہیں، اطمینان کے ساتھ سب کشتی میں سوار ہو جائیں تو اللہ کا شکر بجا لانا اور یہ کہنا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے نجات دی ہم کو ظالم قوم سے کہ ان کے درمیان سے ہم کو نکال لیا، کافروں کے درمیان میں رہنا ایک مصیبت ہے اور خدا کے دشمنوں سے جدا ہو جانا اللہ کی عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔

با محبان باش در قعر جہنمیں تا توانی روئے اعدا نہ بیں

حضرت نوح علیہ السلام کے اصحاب و احباب طوفان آنے سے پہلے ہی باطنی طور پر ایمان اور اتباع صحیح کی کشتی پر سوار ہو چکے تھے اس لیے صرف اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور نوح کو یہ دعا تو ہم نے تم کو کشتی پر سوار ہونے کے وقت بتلائی تھی اور اب جب تم کشتی سے اترنے لگو تو یہ کہنا اے میرے پروردگار مجھے کشتی سے زمین پر اتار مبارک اتارنا یعنی اترنا بھی برکت کے ساتھ ہو اور جس جگہ اتروں وہ بھی برکت والی ہو، نزول بھی بابرکت ہو اور منزل بھی بابرکت ہو اور اے پروردگار تو سب سے بہتر اتارنے والا اور ٹھکانا دینے والا ہے آپ کی پناہ میں داخل ہونے کے بعد تو کوئی خطرہ ہی نہیں بیشک نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں اور اس معاملہ میں جو قوم نوح کے ساتھ ہوا، عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم تو امتحان کرنے والے تھے اس تمام ماجرے سے مقصود امتحان اور آزمائش تھا۔ سو دکھلا دیا کہ ایمان اور کفر کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، ایمان نجات کی کشتی ہے اور کفر ہلاکت کا طوفان اور سیلاب ہے۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا ءَاخَرِينَ ﴿٣١﴾

پھر اٹھائی ہم نے ان سے پیچھے ایک سنگت اور

فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ

پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول ان میں کا کہ بندگی کرو اللہ کی

مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ ٱلْمَلَأُ

کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا، پھر کیا تم کو ڈر نہیں۔ اور بولے سردار

مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَ

اس کی قوم کے جو منکر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور

أَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

آرام دیا تھا ان کو ہم نے دنیا کے جینے میں۔ اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم

يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿۳۳﴾

کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو، اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔

وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿۳۴﴾

اور کبھی تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بیشک خراب ہوئے۔

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا

کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں۔

أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾

کہ تم کو نکلنا ہے۔ کہاں ہو سکتا ہے کہاں ہو سکتا ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے؟

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ

اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو

بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ

پھر اٹھنا نہیں۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے۔ باندھ لایا اللہ پر جھوٹ

كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي

اور ہم اس کو نہیں ماننے والے۔ بولا اے رب میری مدد کر

بِمَا كَذَّبُونِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿۴۰﴾

کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جاویں گے پچھتاتے۔

ظاہر کرتے ہیں کہ کیا یہ پیغمبر تم کو اس کا وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاؤ گے تو تم حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے بہت بعید ہے بہت بعید ہے وہ بات جس کا تم کو وعدہ دیا جا رہا ہے قیامت کا قائم ہونا اور مُردوں کو قبروں سے اٹھانا بعید از عقل و امکان ہے جس کا وقوع کبھی نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہے کوئی زندگی مگر یہی ہماری دنیاوی زندگی قدیم سے اسی طرح سلسلہ جاری ہے کہ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ اسی طرح جاری رہے گا۔ اور ہم نہیں ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں یہ شخص تو کچھ بھی نہیں مگر ایک آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی دوبارہ زندہ ہوگا۔ یہ سب جھوٹ ہے اور ہم تو ہرگز اس بات کو ماننے والے نہیں اور نہیں اس شخص کی خبر کو بالکل یقینی نہیں۔ اس پر رسول نے کہا اے میرے پروردگار ان کی تکذیب اور عداوت کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ عنقریب یہ لوگ اپنے کفر اور تکذیب پر سخت نادم ہوں گے۔ ہم نے ان کو جو مہلت دی ہے وہ ذرا پوری ہو جائے۔ چنانچہ جب وہ مہلت پوری ہوگئی تو ایک کرخت آواز نے ان کو وعدہ برحق کے موافق پکڑ لیا کہ جبریل امین نے ایک سخت آواز دی جس سے ان کے دل اور جگر پھٹ گئے پس ہم نے ان کو خس و خاشاک کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا پس پھٹکار ہو ظالموں پر جس طرح سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے اسی طرح عذاب الٰہی کا سیلاب ان کو بہا کر لے گیا اور اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔

فائدہ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ قوم ثمود کا ہے اس لیے کہ صیحہ یعنی کرخت آواز اور چنگھاڑ سے وہی لوگ ہلاک کیے گئے۔ واللہ اعلم

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ

پھر اٹھائیں ہم نے ان سے پیچھے سنگتیں۔ اور نہ پہلے

مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا

جاوے کوئی قوم اپنے وعدہ سے نہ پیچھے رہیں۔ پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول

تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ

لگاتار۔ جہاں پہنچا کسی امت پاس ان کا رسول اس کو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہم ایک

بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ

کے پیچھے دوسری اور کر ڈالا ان کو کہانیاں۔ سو دور ہو جائیں جو لوگ

کے نزدیک مثل بہائم کے ہیں، یعنی نہیں کہ ہم کو یہ چارہ اور گھاس دانہ کیوں خوب دیا جا رہا ہے، مقصود ذبح کرنا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾

البتہ جو لوگ اپنے رب کے ڈر سے اندیشہ رکھتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِیْنَ

اور جو لوگ اپنے رب کی باتیں یقین کرتے ہیں۔ اور جو لوگ

هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ

اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ اور جو لوگ دیتے ہیں جو دیتے

اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

ہیں اور ان کے دلوں میں ڈر ہے کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔

اُولٰٓىِٕكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

وہ دوڑ دوڑ لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے۔

ذکر صفاتِ اہلِ صدق و ایمان

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ... الیٰ ... وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ

ربط: اوپر کی آیتوں میں ان اہل جہالت و ضلالت کا ذکر تھا کہ جو سرکش اور معاصی میں مسابقت کرنے والے تھے اب ان آیات میں ان اہل صدق اور اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہیں کہ جو خیرات اور اعمال صالحہ میں مسابقت کرنے والے ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی پانچ صفتیں بیان فرمائیں۔ (۱) اللہ سے ڈرتے ہیں (۲) اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں (۳) شرک نہیں کرتے (۴) نیک عمل کرتے ہیں مگر باوجود اس کے ان کو اپنے ایمان اور عمل پر ناز نہیں بلکہ ان کو ہر وقت آخرت کا خوف لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ ہمارا عمل قبول ہوگا یا نہیں۔ (۵) ان کو آخرت کا یقین ہے ایسے لوگ حق تعالیٰ کے

إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ

تم ہم سے چھڑائے نہ جاؤ گے - تم کو سنائی جاتیں میری آیتیں تو

عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ

تم ایڑیوں پر الٹے بھاگتے تھے - اس سے بڑائی کر کر

بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾

ایک کہانی والے کو چھوڑ کر چلے گئے۔

ترغیب اعمال خیر و بیان حال و مآل اہل طغیان

قال اللہ تعالیٰ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ... الیٰ ... سَامِرًا تَهْجُرُونَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں جن اعمال خیر کی مدح فرمائی تھی اب ان آیات میں ان کی ترغیب دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ وہ افعال و اعمال جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اور جن لوگوں کو ان نیکیوں کی طرف رغبت نہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ احکام اسلام سخت اور دشوار ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جب خدا کا عذاب دیکھتے ہیں تب ہوش آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جن اعمال خیر میں اہل ایمان مسارعت اور مسابقت کر رہے ہیں یہ اعمال کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اس لیے کہ ہم کسی شخص کو اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے مثلاً جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے وہ بیٹھ کر پڑھ لے وغیرہ وغیرہ یعنی ہم بندہ کو اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس کی وہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے یعنی ہر شخص کا نامہ اعمال ہمارے پاس محفوظ ہے جو قیامت کے دن لوگوں کا حال ٹھیک ٹھیک بیان کر دے گی خلاف واقع اس میں کچھ نہیں لکھا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی جو انہوں نے نہیں کیا وہ لکھ دیا جائے اور جو کیا ہے اس کو نہ لکھا جائے کتاب سے اس جگہ نامہائے اعمال مراد ہیں جن کو قیامت کے دن خود پڑھ لیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔ اور نطق سے مراد بیان اور اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ نامہ اعمال قیامت کے دن تمہارے سب کاموں کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے گا اور بلا کمی و زیادتی تمہارے اعمال کو ظاہر کر دے گا کوئی بات اس میں خلاف واقع نہ ہوگی۔

بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ

ہے ان کو نصیحت، سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے۔ یا تو ان سے

خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَ

مانگتا ہے کچھ حاصل، سو حاصل تیرے رب کا بہتر ہے اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا۔ اور

إِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ

تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر۔ اور جو لوگ

لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ﴿٧٤﴾

نہیں مانتے پچھلا گھر، راہ سے ٹیڑھے ہو رہے ہیں۔

وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِم مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي

اور اگر ہم ان کو رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف ہے ان پر تو برابر لگے رہیں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا

اپنی شرارت میں بہکے۔ اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں، پھر

اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿٧٦﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا

نہ دبے اپنے رب کے آگے اور نہیں گڑگڑاتے۔ یہاں تک کہ جب کھولیں گے

عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٧﴾

ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا، تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی۔

بیان اسباب جہالت و ضلالت متکبرین و معرضین

قال اللہ تعالیٰ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ... الی ... إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۔

ربط: گزشتہ آیات میں متکبرین کی جہالت اور ضلالت کا اجمالی بیان تھا اب ان آیات میں ان کی

[illegible]

جہالت اور ضلالت کے اسباب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان کا رد فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ کن وجوہ اور اسباب کی بناء پر کفر اور انکار پر آمادہ ہو رہے ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ ان لوگوں کی گمراہی کا سبب ان پانچ باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے۔

(۱) یا تو یہ وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کیا جو آپ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ اور جو شان میں توریت اور انجیل سے کہیں بلند اور برتر ہے اور فصحاء و علماء اس کے معارضہ سے عاجز ہیں۔

(۲) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی بعثت کو بدعت اور امر عجیب جانا۔

(۳) یا یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے حال سے اور آپ کے صدق اور امانت سے واقف نہیں حالانکہ ہیں پڑھا لکھا نہیں مگر علم اور حکمت کے چشمے ان کی زبان فیض ترجمان سے جاری ہیں ذرا غور تو کریں۔

(۴) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ معاذ اللہ حضور پر نور مجنون اور دیوانہ ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ حضور پر نور تو عقل مجسم ہیں جس نے آپ کو دیکھا گویا اس نے عقل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

(۵) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے کچھ مالی منفعت کے امیدوار اور طلب گار ہیں۔

حق جل شانہ نے کفار کی ان باتوں کو نقل کر کے سب کا جواب دیا اور بتلا دیا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ نہیں کہ یہ لوگ قرآن کریم کے ظاہری اور معنوی اعجاز سے واقف نہیں یا آپ کی صداقت اور امانت سے یا آپ کی فہم و فراست سے واقف نہیں یا آپ کو پہچانتے نہیں یا آپ ان سے کسی مالی منفعت کے امیدوار ہیں ان میں سے انکار کی کوئی بھی وجہ نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور غرور اور تکبر کی وجہ سے حق کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ حق کا اتباع کریں چاہتے یہ ہیں کہ حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے۔ بالفرض اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ لوگ بڑے سرکش ہیں بغیر کسی عذاب اور بلاء آسمانی کے حق کے سامنے جھکنے والے نہیں۔ (دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص۳ ج۳ و حاشیہ صاوی علی تفسیر جلالین)

چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو قرآن اور صاحب قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اور کفر اور انکار پر تلے ہوئے ہیں آخر اس کا کیا سبب ہے پس یا تو اس کی تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس قرآن میں غور نہیں کیا کہ قرآن کا لفظی اور معنوی اعجاز ان پر ظاہر ہو جاتا اور جان لیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور سراپا حق اور صدق ہے اور دلائل توحید اور دلائل نبوت پر مشتمل ہے۔

یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی انوکھی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی تاکہ یہ عذر کریں کہ ہم نہیں کتاب اور پیغمبر کی کوئی خبر ہی نہیں ان سے پہلے پیغمبر بھی آچکے ہیں اور ان پر اللہ کی کتابیں بھی نازل ہو چکی ہیں۔

یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اور اس کی امانت اور صداقت اور فہم و فراست

کو نہیں جانا پہچانا، اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔ سو یہ غلط ہے یہ سب لوگ آپ کو اور آپ کے حسب و نسب کو اور صدق و دیانت اور امانت کو پہچانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔ پھر انکار کی کیا وجہ، سوائے حسد کے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور علماء بنی اسرائیل تو آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اور ہرقل شاہ روم کا آپ کے حسب و نسب اور صدق اور امانت کے متعلق سوال کرنا اور ابوسفیانؓ کا جواب دینا معروف و مشہور ہے۔

یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ کو جنون ہے سو یہ صریح عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے جن مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ آپ آراستہ ہیں اور جن کا آپ دوسروں کو حکم دیتے ہیں یہ سب آپ کے کمال عقل اور کمال حکمت کی روشن دلیل ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی دعوت کو جنون اور دیوانگی بتلانا یہ خود جنون اور دیوانگی ہے یہ سب باتیں غلط ہیں کچھ بھی نہیں بلکہ تکذیب کی اصلی وجہ یہ ہے کہ یہ نبی ان کے پاس حق بات لے کر آیا ہے جس کی صحت اور حسن اور خوبی میں کسی عاقل کو کلام نہیں۔ اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے متنفر اور بیزار ہیں کیونکہ وہ حق بات ان کی نفسانی خواہشوں اور طبعی آرزوؤں کے خلاف ہے اور نفس پرستوں کا کسی چیز سے ناخوش ہونا بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ حق کی پیروی چاہئے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو حق کے تابع کر دے۔ اور اگر بالفرض حق ان کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو جاتا تو آسمان و زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ سب تباہ و برباد ہو جاتے کیونکہ نظام عالم عجیب و غریب حکمتوں اور مصلحتوں پر چل رہا ہے اور لوگوں کی خواہش اور اغراض مختلف ہیں اور عالم میں جو بھی فساد ہے وہ نفسانی خواہشوں کی بنا پر ہے بلکہ ہم نے ان کو ایسی چیز نہیں دی جو ان کی تباہی اور بربادی کا سبب بنے بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت کی چیز لائے ہیں یعنی ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس میں ان کے لیے وعظ و نصیحت ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہم ان کے پاس ان کی عزت اور شرف کی چیز لائے ہیں پس وہ لوگ اپنی نصیحت کی چیز سے یا اپنی عزت و شرف کی چیز سے منہ موڑنے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ اپنی نصیحت سے اور اپنی عزت اور شرف کی چیز سے روگردانی سخت حماقت ہے۔

یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ آپ ان سے کچھ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں یا تبلیغ رسالت پر آپ ان سے اجرت چاہتے ہیں اس وجہ سے آپ پر حرص اور طمع کی تہمت رکھتے ہیں جن لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کی اجرت کی اور ان کے مال و دولت کی ذرہ برابر ضرورت نہیں تیرے پروردگار کا مال و دولت اور اس کا عطیہ سب سے بہتر ہے آسمان و زمین کے خزانے تیرے پروردگار کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے آپ ان سے کیا اجرت مانگتے آپ تو علی الاعلان فرماتے تھے قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔

اور تحقیق آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی دعوت دیتے ہیں آپ کا مقصود تو آخرت ہے معاذ اللہ اجرت آپ کا مقصود نہیں اور آپ کی راہ ایسی سیدھی ہے کہ تمام عقلاء سلیم گواہی دیتے ہیں کہ وہ راہ راست ہے اس میں کسی طرح کی کجی نہیں۔

وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے ، اور کچھ نہیں

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ

نقلیں ہیں پہلوں کی ۔ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس کے بیچ

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا

ہے بتاؤ اگر تم جانتے ہو ! اب کہیں گے اللہ کو ۔ تو کہہ پھر تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ

سوچ نہیں کرتے ۔ تو کہہ کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور مالک

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

اس بڑے تخت کا ! بتاویں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈر نہیں رکھتے !

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَ

تو کہہ کس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی ! اور وہ بچا لیتا ہے ، اور

لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ

اس سے کوئی نہیں بچا سکتا ، بتاؤ اگر تم جانتے ہو ۔ اب بتاویں گے اللہ کو

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ

تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو پڑ جاتا ہے ۔ کوئی نہیں ہم نے ان کو پہنچایا سچ ۔ اور وہ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ

البتہ جھوٹے ہیں ۔ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا

مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ

حکم چلے ، یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنے بنائے کو اور

لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا

چڑھ جاتا ایک پر ایک ۔ اللہ نرالا ہے ان کے

يَصِفُونَ ﴿٩١﴾ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا

بتانے سے ۔ جاننے والا چھپے اور کھلے کا ۔ وہ بہت اوپر ہے اس سے

يُشْرِكُونَ ﴿٩٢﴾

جو یہ شریک بتاتے ہیں۔

تذکیر انعامات و ذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ ... الی ... فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کے اسباب جہالت و ضلالت کا بیان تھا اور ان سب کا اصل منشاء حشر و نشر کا انکار تھا کہ یہ لوگ جزاء اور سزا اور قیامت کے قائل نہ تھے اس لیے اب آئندہ آیات میں اپنی نعمتوں کو یاد دلاتے ہیں تاکہ اس کا شکر کریں اور اپنی قدرت کاملہ کے آثار کو ذکر کرتے ہیں تاکہ مردوں کو دوبارہ زندہ کیے جانے میں شک نہ کریں اور قیامت اور جزاء اور سزا پر ایمان لے آئیں کہ جس خدا کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں اس کے نزدیک مردوں کا زندہ کرنا کیا بڑی بات ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چار دلائل بیان فرمائے جو دلائل وحدانیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیل اول

اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل۔ اگر حق تعالیٰ تمہارے لیے یہ اعضاء پیدا نہ کرتا تو تم نہ سن سکتے اور نہ دیکھ سکتے اور نہ سمجھ سکتے ان کے بغیر زندگی موت سے بدتر ہے تم کو یہ عجیب و غریب نعمتیں اس لیے عطا کیں کہ تم خدا کا خوب ہی شکر کرو لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو تو کیا ایسا ناشکرا اس کا مستحق نہیں کہ اس پر دفعۃً عذاب کا دروازہ کھول دیا جائے۔

سو اس کے جواب میں بھی ضرور وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کا ہے تو پھر آپ ان سے یہ کہیے کہ پھر تم خدا سے ڈرتے کیوں نہیں کہ تم اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز سمجھتے ہو جس ذات کی قدرت کی یہ شان ہو اسے مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز ان سے یہ بھی کہ آپ ان منکرین بعثت سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ بتلاؤ کہ وہ کون ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی اور حکومت ہے اور اس کے ہاتھ میں ہر شے کا اختیار ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے برخلاف پناہ نہیں دی جا سکتی۔ بتلاؤ اگر تم کچھ جانتے ہو تو وہ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں تو اللہ ہی کے لئے خاص ہیں تو آپ ان سے یہ کہیے کہ اچھا بتلاؤ کہ پھر تم کہاں سے جادو کر دیئے گئے ہو یعنی ان واضح دلائل کے بعد تمہاری عقلیں کہاں چلی گئیں کہ اس کی توحید میں شک کرنے لگے اور اس کی وحدانیت میں شریک بنانے لگے اور باوجود اس علم و اقرار کے اس کے غیر کو پوجنے لگے، خوب سمجھ لو کہ اللہ ایک ہے اور بعث حق ہے اور یہ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ نہیں بلکہ ہم ان کے پاس حق اور صدق لے کر آئے ہیں۔ اس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور بلاشبہ یہ مشرکین ہی جھوٹے ہیں جو خدا کے لیے شریک اور اولاد ٹھہراتے ہیں اور اس بارہ میں ان کے پاس کوئی دلیل اور برہان نہیں۔ اللہ تو وحدہ لا شریک ہے کوئی اس کا ہم جنس نہیں اس لیے کہ اللہ نے کسی کو اولاد نہیں ٹھہرایا نہ بیٹا اور نہ بیٹی اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے بالفرض اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا یعنی خدائی تقسیم ہو جاتی اور ہر خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا کر لیتا تاکہ اس کی قدرت اور سلطنت کا علم ہو اور لوگ جان لیں کہ یہ فلانے خدا کی مخلوق ہے اور ہرگز پسند نہ کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق کے ساتھ رل مل جائے اس لیے کہ جب دو خدا ہوتے تو ان کی مخلوق بھی دو حصوں میں منقسم ہوتی اور ہر ایک خدا اپنی سلطنت اور ملکیت کو علیحدہ کر لیتا تاکہ دوسرا خدا اس خدا کی حدود ملکیت و سلطنت میں مداخلت نہ کر سکے ایک بادشاہ بھی کبھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ اس کی حدود سلطنت دوسرے کی حدود سلطنت کے ساتھ رل مل جائیں۔ ہر بادشاہ کا نشان اور مہر الگ ہوتی ہے تاکہ اس کارخانہ کی چیز دوسرے کارخانہ کی چیز سے مشتبہ نہ ہو سکے۔ خلاصہ یہ کہ ایک خدا کبھی اس پر راضی نہیں ہو سکتا کہ دوسرا خدا اس کی ملک اور اس کے ملک میں شریک اور دخیل ہو سکے اور ایک خدا ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے کی طرف منسوب ہو سکے۔ تمام دنیا کی سلطنتوں کا قاعدہ ہے کہ ایک بادشاہ کی حدود سلطنت دوسرے بادشاہ کی حدود سلطنت سے جدا اور ممتاز ہوتی ہیں اور ہر سلطنت کا امتیازی نشان علیحدہ ہوتا ہے پس اسی طرح اگر دو خدا ہوتے تو ہر ایک کی مخلوق اور ہر ایک کی حدود سلطنت دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتے۔ لیکن مخلوقات میں کوئی علامت فرق کی نظر نہیں آتی کہ یہ مخلوق اس خدا کی ہے اور وہ مخلوق اس خدا کی ہے معلوم ہوا کہ خدا ایک ہی ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں اور اگر دو خدا ہوتے تو آخر کار ان دونوں خداؤں میں لڑائی اور جھگڑا ہوتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اور ہر ایک اپنا غلبہ چاہتا اور اپنی جمعیت اور طاقت فراہم کر کے دوسرے پر حملہ کر دیتا اور پھر اس لڑائی میں لامحالہ ایک دوسرے پر غالب آتا اور زور آور کمزور کو دبا لیتا اور اس کا ملک اس سے لے لیتا اور دوسرا مغلوب ہو جاتا جیسا کہ دنیا کا دستور ہے۔ اور جو مغلوب ہو جاتا وہ خدائی کے قابل نہ رہتا اور وہ ایک غالب

ہوتا وہی خدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دو خداؤں کی لڑائی سے نظام عالم درہم برہم ہو جاتا اور سارا جہان تہ و بالا ہو جاتا اور دو خداؤں کی جنگ میں عالم کا محکم نظام ایک دن بھی قائم نہ رہتا مگر جب دیکھتے ہیں کہ نظام عالم میں کوئی خلل اور فساد نہیں، اور نہ کوئی علامت فرق کی نظر آتی ہے کہ یہ چیز اس خدا کی مخلوق ہے اور وہ چیز فلاں خدا کی مخلوق ہے اور نہ کسی مخلوق پر کسی خدا کی خاص علامت ہے کہ یہ فلاں خدا کی ہے، پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور ممتاز نہیں اور نہ آپس میں کوئی لڑائی اور جھگڑا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سارا کارخانہ ایک ہی خدا کے اختیار سے چل رہا ہے اور سارے عالم کا خالق ایک ہی خدا ہے اور یہ سارا عالم ایک ہی خدا کی مخلوق ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں اسے نہ بیٹے کی ضرورت ہے اور نہ کسی شریک کی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۳ ج ۶) اور اس دلیل کی مفصل تقریر سورۂ انبیاء کی آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اللہ منزہ ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے لیے بتاتے ہیں یعنی نہ اس کے لیے اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خدا اوّل تو علو اور غلبہ کو چاہتا ہے کہ دوسرے پر غالب آ جاؤں اور اگر بالفرض ایک خدا سے دوسرے خدا پر چڑھائی ممکن نہ ہوئی تو کم از کم وہ اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور ممیز ہی تو ضرور کرے گا شرکت اور خلط ملط پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔

دلیلِ دیگر

وہ تو غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب اور شہادت کا جاننے والا نہیں، پس معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے کہ اگر دو خدا ہوں تو لامحالہ دونوں عالم الغیب ہوں گے اور ہر ایک کو علم اپنے ماسوا کو محیط ہوگا تو لازم آئے گا کہ ہر خدا ایک ہی اعتبار سے محیط بھی ہو اور غیر محاط بھی ہو اور یہ بات عقلاً محال ہے۔ پس وہ بالا و برتر ہے اس سے جس کو وہ اس کا شریک بناتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔

قُلْ رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ﴿٩٣﴾

تو کہہ اے رب کبھی تو دکھاوے مجھ کو جو ان کو وعدہ ملتا ہے۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٩٤﴾ وَإِنَّا عَلَىٰ

تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہگار لوگوں میں۔ اور ہم کو قدرت

أَنْ نُرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ ﴿٩٥﴾ ادْفَعْ بِالَّتِي

ہے کہ تجھ کو دکھادیں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں ۔ بُری بات کے جواب

هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿٩٦﴾ وَ

میں وہ کہہ جو بہتر ہے ۔ ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں ۔ اور

قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿٩٧﴾ وَأَعُوذُ

کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے ۔ اور پناہ

بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ﴿٩٨﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ

تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آویں ۔ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں کسی کو

الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا

موت ، کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیجو ، شاید کچھ میں بھلا کام کرلوں

فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِنْ

اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ، کوئی نہیں ، یہ ایک بات ہے کہ وہ کہتا ہے ، اور ان کے

وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾ فَإِذَا نُفِخَ فِي

پیچھے اٹکاؤ ہے جس دن تک اٹھائے جاویں ۔ پھر جس وقت پھونک ،

الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٠١﴾

ماریے صور میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں اس دن ، نہ آپس میں پوچھنا ۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَ

سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں سو وہی لوگ کام کے نکلے ۔ اور

مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ

جس کی ہلکی ہوئیں تولیں سو وہی ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان ،

ثلث

فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا

دوزخ میں سدا رہا کریں گے ۔ لپٹی ہے ان کے منہ پر آگ اور وہ اس میں

كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا

بدشکل ہو رہے ہیں ، تم کو سناتے نہ تھے ہماری آیتیں ! پھر تم ان کو جھٹلاتے

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا

تھے ۔ بولے اے رب ! زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ

قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا

بہکے ۔ اے رب ! نکال لے ہم کو اس میں سے ، اگر ہم پھر کریں تو

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ

ہم گنہگار ۔ فرمایا پڑے رہو پھٹکارے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ۔ ایک

كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ

فرقہ تھا میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ! ہم یقین لائے سو معاف کر

لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ

ہم کو اور رحم کر ہم پر اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے ۔ پھر تم نے ان کو

سِخْرِيًّا حَتّٰىٓ اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ

ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھولے ان کے پیچھے میری یاد اور تم ان سے ہنستے

تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ

رہے ۔ میں نے آج دیا ان کو بدلہ ان کے صبر کا کہ وہی ہیں

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ

مراد کو پہنچے ۔ فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں

سِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ

کی گنتی سے ؟ بولے ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم ، تو پوچھ لے

الْعَادِّينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ

گنتی والوں سے ۔ فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم

كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾

جانتے ہو ☆

تلقینِ دعا و آدابِ تبلیغ و دعوت و ذکر احوال

و اہوالِ آخرت برائے تخویفِ اہلِ شقاوت

قال اللہ تعالیٰ قُل رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۔

ربط : اوپر کی آیتوں میں کفار کے عناد و طغیان کا بیان تھا کہ وہ بطور تمسخر یہ کہتے تھے کہ آپ کے منکرین پر عذاب کب آئے گا ۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مناسب وقت دعا کی تلقین فرماتے ہیں کہ کافروں کی ایذا رسانی اور بدکلامی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں بلکہ ان کی بدی کا نیکی سے جواب دیں اور یقین رکھیں کہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ دیر یا بسویر ضرور آکر رہے گا اور اس کے بعد قیامت کے احوال اور اہوال بیان کیے کہ اس دن ہماری آیات کے ساتھ ان کے تمسخر کا انجام ان کے سامنے آجائے گا ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ حق تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار اگر تو مجھ کو میری زندگی میں اس عذاب کا مشاہدہ کرا دے جس کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالموں میں شامل نہ کر یعنی اگر وہ عذاب میری زندگی اور میری موجودگی میں نازل ہو تو مجھے اس عذاب سے محفوظ رکھنا ۔ اللہ کے رسول کا ظالموں کے ساتھ عذاب میں شامل ہونا قطعاً ناممکن ہے لیکن اظہار عبدیت کے لیے ایسی دعا فرمائی ۔ بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ خدا کے عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے ۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظلم کی نحوست سے عذاب عام آتا ہے جس کی لپیٹ میں بے قصور بھی آجاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۔

عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ

اس کے رب کے نزدیک۔ بیشک بھلا نہ ہوگا منکروں کا۔ اور تو کہہ اے رب

اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

معاف کر، اور رحم کر، اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے۔

خاتمہ سورت برتہدید اہل غفلت از حساب آخرت

قال اللہ تعالیٰ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔

ربط: اب سورت کو اہل غفلت کی تنبیہ اور تہدید پر ختم کرتے ہیں کہ جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں کیا جائے گا اور کسی کو کوئی جزاء اور سزا نہیں ملے گی یہ گمان بالکل غلط ہے اور اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ سے بتلا دیا کہ قیامت کے دن کافروں کو کوئی فلاح نصیب نہ ہوگی۔ اس روز فلاح ان اہل ایمان کو نصیب ہوگی جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور خشوع وخضوع کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس سورت کی ابتداء قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے فرمائی اور اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ پر اس سورت کو ختم فرمایا۔ شروع سورت میں اہل ایمان کے فلاح اور کامیابی کی خبر دی اور اخیر سورت میں کافروں کی ناکامی اور فلاح سے محرومی کی خبر دی۔ اور وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ فلاح کا اصل دارومدار اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت پر ہے۔ لہٰذا اگر فلاح چاہتے ہو تو توبہ استغفار کی راہ اختیار کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم لوگ حساب وکتاب اور جزاء اور سزا کے منکر ہو اور کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یونہی لغو اور بے کار بغیر کسی حکمت اور مصلحت کے پیدا کیا اور کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد پھر ہماری طرف واپس نہیں آؤ گے اور نیکی اور بدی کی تم کو سزا نہیں ملے گی۔ تمہارے دونوں خیال غلط ہیں، تمام اہل عقل اور دانش جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عبث یعنی بے فائدہ اور خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔ اہل عقل کہتے ہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔

اور تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قیامت کے دن تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے اور جزاء وسزا کچھ نہیں۔ دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے حشر ونشر کا امکان ہے اور کل انبیاء ومرسلین نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے جن کا صدق دلائل قطعیہ سے واضح ہے۔

پس اللہ تعالیٰ بڑا عالی شان ہے جو بادشاہ برحق ہے کہ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ پیدا کرے۔ اور بادشاہ اور سلطنت کے وفاداروں اور اطاعت شعاروں کو انعام ملنا اور بادشاہ وسلطنت کے باغیوں اور غداروں اور مجرموں کو سزا ملنا لوازم سلطنت میں سے ہے اور عین حکمت اور مصلحت ہے اور کسی حکومت میں یہ آزادی نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے۔ قانون کی پابندی سب پر لازم ہے۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رب ہے عرش عظیم کا۔ جو تمام آسمانوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس جو عرش عظیم کا مالک ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود سمجھ کر پکارے جس کے معبود ہونے کی اس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تو ایسے مشرک کا اللہ کے ہاں ضرور حساب و کتاب ہوگا اور ضرور اس کو اس کی سزا ملے گی کیونکہ خدا کی وحدانیت کے بے شمار دلائل ہیں اس کے مقابلہ میں بے دلیل کسی کو معبود ٹھہرانا ایسے شخص سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ضرور سزا دی جائے گی۔ بلاشبہ کافروں کو فلاح اور کامیابی نہیں بلکہ یہ ابد الآباد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے اور کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے

شروع سورت میں اہل ایمان کے لیے فلاح کو ثابت کیا اور خاتمہ سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔ اے نبی آپ اور آپ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود واقعی یہ تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے گو اعمال صالحہ کتنے ہی ہوں استغفار سے گریز نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ۔

فائدہ جلیلہ اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر ختم سورت تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لیے ایک سریہ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح و شام یہ آیتیں پڑھا کریں اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب ارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ اخرجہ ابن السنی وابن منده وابو نعیم بسند حسن۔ (روح المعانی صفحہ ٧٢ ج ١٨)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی عبداللہ بن مسعودؓ نے اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیا تو وہ اچھا ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین رکھنے والا آدمی اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اخرجہ الحکیم الترمذی وابو یعلیٰ وابن المنذر وابو نعیم فی الحلیة وآخرون عن ابن مسعود۔ روح المعانی صفحہ ٧٢ ج ١٨)

اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہؓ بنت صدیقؓ کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہؓ کی عصمت اور نزاہت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے۔ دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔

آیاتها ۶۴ ۲۴ سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رکوعاتها ۹

سورۂ نور مدنی ہے اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ

ایک سورت ہے جو ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی، اور اتاریں اس میں باتیں صاف

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

شاید تم یاد رکھو۔

تمہید اجمالی احکام سورت دربارۂ عفت وعصمت

قال اللہ تعالیٰ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے اتارا ہے، جو عفت اور عصمت کے احکام پر مشتمل ہے، جیسے حد زنا اور حد قذف اور حکم لعان اور حکم استیذان اور حکم غض بصر یعنی نظر اور نگاہ کو نامحرموں کو دیکھنے سے محفوظ رکھنے کا حکم وغیرہ وغیرہ۔ اور ہم نے ان احکام کو مقرر کیا ہے، یعنی یہ احکام ہمارے نازل کردہ اور مقرر کردہ ہیں ان میں کوتاہی اور کمی کرنا یا یہ معنی ہیں کہ ان احکام کو ہم نے فرض اور لازم کیا ہے۔ تم پر ان احکام کی تعمیل لازم ہے اور ہم نے اس سورت میں تمہارے لیے واضح اور روشن آیتیں نازل کیں جو ایسی ہدایتوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے تمہارا دل منور ہو جائے۔ شاید نصیحت پکڑو اور سمجھو کہ بدکاریوں اور بے حیائیوں سے دل کا نور رخصت ہو جاتا ہے اور جانو کہ نفس کی تطہیر بغیر ان حدود اور تعزیرات کے ممکن نہیں کہ جو تم کو اس سورت میں بتلا دی گئیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سورت میں معاشرہ کا دستور العمل بتلا دیا کہ زنا سے بچو اور عورتوں کو بے حیائی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا پوری آیت اس طرح ہے۔

الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم اخرجه النسائی وصححه الحاکم دیکھو فتح الباری ص۱۲۴ ج۱۲ باب الاعتراف بالزنا

شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کر ڈالو قطعی طور پر۔ یہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے بطور عبرت ہے تاکہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آجائیں اور اللہ غالب ہے بڑی حکمت والا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب خطب الناس فقال لا تشکوا فی الرجم فانه حق۔ (فتح الباری ص۱۲۳ ج۱۲)

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ رجم کے حکم میں شک نہ کرنا۔ اس لیے کہ رجم کا حکم بالکل حق ہے۔

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمرؓ نے قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا تو میں اپنے ہاتھ سے قرآن کے حاشیہ پر یہ آیت لکھ دیتا۔

الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما نکالا من الله والله عزیز حکیم۔

(دیکھو فتح الباری ص۱۲۴ ج۱۲)

بے شمار روایتوں سے ثابت ہے کہ آیت رجم جو اوپر مذکور ہوئی وہ اسی طرح سے نازل ہوئی۔ تلاوت اگرچہ اس کی منسوخ ہو گئی مگر اس کا حکم بلاشبہ باقی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کے موافق عمل کیا اور آپ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے بار بار رجم کے حکم کا اعلان فرمایا۔ مقصود یہ تھا کہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے قرآن میں نازل ہوا اور اب اگرچہ اس آیت کی تلاوت منسوخ ہے مگر اس کا حکم بدستور باقی ہے اور اس حکم سے اعراض اور انحراف گمراہی ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح موطا ص۱۴۴ ج۴)

حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا کہ آئندہ چل کر کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے کہ جو رجم کے حکم کا انکار کریں اور یہ کہیں کہ رجم کا حکم صراحۃً قرآن میں موجود نہیں۔ اس فتنہ کے انسداد کے لیے بار بار آیت رجم کا برسر منبر اعلان فرمایا تاکہ آئندہ کسی گمراہ کو رجم کے انکار کی مجال نہ رہے۔

حضرات اہل علم تفصیل کے لیے فتح الباری باب الاعتراف بالزنا اور باب رجم الحبلیٰ کی مراجعت کریں۔ حافظ عسقلانیؒ نے ان ابواب کی شرح میں حضرت عمرؓ کے خطبہ کے بارے میں جو روایتیں وارد ہوئی تھیں ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نیز زرقانی شرح موطا امام مالک ص۱۴۴ ج۴ کتاب الحدود دیکھیں جس میں آیت رجم کا ذکر ہے۔

اور امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں کتاب المحاربین کے ذیل میں رجم پر مختلف ابواب اور تراجم قائم فرمائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ رجم محصن کا حکم قطعی اور یقینی ہے۔

حضرت عمرؓ کو بھی اسی قسم کا یہ خطرہ تھا کہ آئندہ زمانہ میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہم رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے۔ حضرت عمرؓ کا یہ گمان صحیح نکلا اور خوارج اور اہل بدعت نے یہی کہہ کر رجم کے حکم کا انکار کر دیا کہ قرآن میں تو صرف جلد یعنی کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ رجم یعنی سنگسار کرنے کا حکم مذکور نہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے نور بصیرت سے پہلے ہی اس فتنہ کو دیکھ لیا اور اس کا انسداد فرما دیا اور اس شدت کے ساتھ حکم رجم کا اعلان فرمایا کہ آئندہ چل کر کسی کو انکار کی مجال نہ رہے۔

نکتہ — شریعت کے جس طرح تمام احکام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں اسی طرح زنا کے بارہ میں جو حکم دیا گیا وہ بھی سراسر حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

زنا کے بدترین خصلت ہونے میں تو کسی عاقل کو شبہ ہی نہیں۔ شریعت نے اس بے حیائی کے انسداد کے لیے یہ حکم دیا کہ اگر زناکار غیر شادی شدہ ہے تو اس کو اس نفسانیت کی سزا میں سو کوڑے لگائے جائیں مگر اس کو مار نہ ڈالے بلکہ سو کوڑے مار کر اسے زندہ رہنے دیا جائے اور اگر یہ حرام کار شادی شدہ ہے تو اب اس کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ وہ حرام کاری میں مبتلا ہو اس لیے شریعت نے ایسے شخص کے رجم کا حکم دیا تاکہ ایسے خبیث کے وجود سے اللہ کی زمین بالکل پاک ہو جائے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ

بدکار مرد نہیں بیاہتا مگر عورت بدکار یا شرک والی۔ اور بدکار عورت

لَا یَنْکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی

کو بیاہ نہیں لیتا مگر بدکار مرد یا شریک والا۔ اور یہ حرام ہوا ہے

الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

ایمان والوں پر۔

حکم دوم نکاح زانی و زانیہ

قال اللہ تعالیٰ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً ... الیٰ ... وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

ربط۔ گزشتہ آیت میں زنا کی سزا کو بیان کیا۔ اب آئندہ آیت میں زنا کے متعلق ایک دوسرا حکم

بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

پیچھے اور سنوار پکڑی۔ تو اللہ بخشتا ہے مہربان۔

حکم سوم حد قذف

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

گزشتہ آیت میں زانیہ سے نکاح کی حرمت بیان کی اب اس آیت میں کسی پر زنا کی تہمت لگانے والے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جو کسی پر بغیر ثبوت کے زنا کی تہمت لگائے اس کی کیا سزا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں پھر ان کے زنا کے ثبوت پر چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی کوڑے لگاؤ اور آئندہ ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو ایسے ہی لوگ خدا کے نزدیک فاسق ہیں کہ انہوں نے ایک پاکدامن کو بے آبرو کیا اور بلا ثبوت کے اس پر زنا کی تہمت لگائی مگر جن لوگوں نے تہمت لگانے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی حالت کی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق معاف کر دیا اور فسق کا نام ان سے اٹھ گیا مگر توبہ کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی اس لیے کہ وہ بندہ کا حق ہے توبہ کرنے سے اس کو یہ فائدہ پہنچا کہ اب اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اس لیے کہ قذف یعنی تہمت لگانے کا جو گناہ اس کے ذمہ تھا وہ توبہ سے رفع ہو گیا۔ باقی رہی حد سو یہ اس کی دنیوی سزا ہے کہ تو نے کسی پاکدامن کو بلا ثبوت کے کیوں بے آبرو اور خوار کیا یہ اسی کوڑے بلا ثبوت تہمت کی دنیوی سزا ہے جس سے مقصود دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔ یہ سزا توبہ کرنے سے بالاجماع ساقط نہیں ہو سکتی۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول ہو سکتی ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے کے بعد فسق کے دائرہ سے تو باہر ہو جائے گا مگر اس کی شہادت اور گواہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود رہے گی اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد اس کے فسق کا حکم بھی ختم ہو جائے گا اور عدم قبول شہادت کا حکم بھی اس سے اٹھ جائے گا۔

فائدہ

جاننا چاہیے کہ اس آیت میں قاذف یعنی تہمت لگانے والے کے تین حکم مذکور ہیں۔ ایک ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً یعنی اسی کوڑے لگانا۔ دوم لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا یعنی اس کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ سوم اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ایسے لوگ فاسق ہیں۔ اب تین حکموں کے بعد تائبین کا استثناء فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ۔۔۔ تو علماء نے اختلاف کیا کہ یہ استثناء تینوں حکموں میں سے کس حکم کی طرف راجع ہے سو اس پر تو ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ استثناء پہلے حکم یعنی اسی کوڑے مارنے کی طرف راجع نہیں تہمت لگانے والے پر حد قذف یعنی اسی کوڑوں کی مار

بالاجماع جاری ہوگی چاہے وہ توبہ کرے یا نہ کرے، اب رہ گئے دو جملے ایک وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا یعنی ان کی شہادت قبول نہ کرو، دوسرا جملہ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یہ لوگ فاسق ہیں، اب اخیر میں جو اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کا استثناء مذکور ہے تو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس استثناء کا تعلق دونوں جملوں سے ہے یعنی توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی اور فسق کا حکم بھی اس سے دور ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کا تعلق صرف اخیر جملہ سے ہے یعنی توبہ سے اس کا فسق تو دور ہو جائے گا مگر شہادت اس کی ہمیشہ کے لیے مردود رہے گی اور قاضی شریحؒ اور ابراہیم نخعیؒ اور سعید بن جبیرؒ اور مکحولؒ اور ابن زیدؒ بھی اسی طرف گئے ہیں اور یہی مذہب سفیان ثوریؒ کا ہے اور قواعد عربیت کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ جب کئی جملوں کے بعد کوئی استثناء آتا ہے تو تینوں سے متعلق کرنا، یا صرف اخیر جملہ سے اس کو متعلق کرے۔ اور اس آیت میں یہ استثناء بالاجماع پہلے جملہ کی طرف راجع نہیں کیونکہ توبہ کر لینے سے بالاجماع حد ساقط نہیں ہوتی اور یہ امر بھی متعین ہے کہ یہ استثناء جملہ اخیرہ کی طرف ضرور راجع ہے اب درمیانی جملہ وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا محل بحث رہا، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ استثناء اخیر جملہ کی طرف راجع کیا جائے کیونکہ وہ اس کے قریب ہے اور متصل ہے۔ نیز قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں توبہ کا ذکر آتا ہے وہ اس کا تعلق حقوق اللہ اور احکام آخرت سے ہے۔ ذکر دنیوی احکام سے اس لیے مناسب یہ ہے کہ یہ استثناء فقط وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے متعلق ہو کیونکہ فسق کا تعلق احکام آخرت سے ہے۔ اور درمیانی جملہ وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً کا مضمون احکام دنیا سے متعلق ہے جیسا کہ پہلے جملہ کا حکم فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً احکام دنیا سے متعلق ہے، پس بغور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا کو فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا جائے اور تائبین کے استثناء کو فقط اخیر جملہ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے متعلق کیا جائے۔ پس وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ کی جزاء فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا کا مجموعہ ہوئی اور وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ جملہ مستانفہ ہے جو قذف کے جزاء اور سزا بیان کرنے کے بعد لایا گیا ہے اور اسلوب کلام بھی یہی بتلا رہا ہے کیونکہ پہلے فَاجْلِدُوْهُمْ اور وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا دونوں خطاب کے صیغے ہیں اور جملہ انشائیہ ہیں جن میں ایک امر ہے اور ایک نہی ہے اور جملہ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ مستقل جملہ ہے جو سابق خطاب کے طرز کے بعد لایا گیا ہے اور یہ جملہ خبریہ اسمیہ ہے۔ پہلے دو جملوں کی طرح جملہ انشائیہ طلبیہ نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف یعنی وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کا عطف جملہ اسمیہ خبریہ یعنی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ پر کیا جائے اور وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا چونکہ جملہ انشائیہ طلبیہ ہے اس پر اس کا عطف نہ ہو کیونکہ جملہ انشائیہ طلبیہ پر جملہ اسمیہ خبریہ یعنی وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کا عطف باعتبار قواعد بلاغت جائز ہی نہیں یا مناسب نہیں۔

فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

پھر جب نہ لائے شاہد تو وہ لوگ اللہ کے ہاں وہی ہیں جھوٹے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہر دنیا اور آخرت میں

لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ

البتہ تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی۔ جب لینے لگے

بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور

وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ

تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات۔ اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی ہے۔ اور کیوں نہ

اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ

جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لاویں یہ بات!

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ

اللہ تو پاک ہے یہ بڑا بہتان ہے۔ اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ

تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ

پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر تم یقین رکھتے ہو۔ اور کھولتا ہے اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ

تمہارے واسطے پتے۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ

اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں ان کو دکھ کی

أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا
مار ہے دنیا اور آخرت میں ۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں
تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ
جانتے ۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہر اور یہ کہ اللہ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
نرمی کرنے والا ہے مہربان (تو کیا کچھ نہ ہوتا) اے ایمان والو! نہ چلو قدموں پر
الشَّيْطَانِ ۚ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ
شیطان کے، اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے، سو وہ تو یہی بتلاوے گا
بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ
بے حیائی اور بری بات، اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر
مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن
نہ سنورتا تم میں ایک شخص کبھی ۔ و لیکن سنوارتا ہے اللہ جس کو
يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ
چاہے، اور اللہ سب سنتا ہے جانتا ۔ اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے
مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ
تم میں اور کشائش والے اس پر کہ دیویں ناتے والوں کو اور محتاجوں کو
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا
اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں ۔ اور چاہئے معاف کریں اور درگزر کریں کیا
تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾
تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے، اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا

جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والی بے خبر ایمان والیوں کو ان کو پھٹکار

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾ يَوْمَ

دنیا میں اور آخرت میں، اور ان کو بڑی مار ہے۔ جس دن

تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا

بتادیں گی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں، جو کچھ کرتے

يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَ

تھے۔ اس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا جو چاہیے، اور

يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۲۵﴾ الْخَبِيثَاتُ

جان لیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا۔ گندیاں ہیں

لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ

گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے اور ستھریاں ہیں واسطے ستھروں کے

وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ

اور ستھرے واسطے ستھریوں کے۔ وہ لوگ بے لگاؤ ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں،

لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۲۶﴾

ان کو بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی۔

بیان برأت و نزاہت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا از افک و تہمت

و نصیحت مومنین و فضیحت منافقین

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۔

ربط: گزشتہ آیات میں مطلق محصنات یعنی عام مسلمان اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان فرمایا، اب ان آیات میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان کرتے ہیں اس لیے کہ آپ کا رتبہ بوجہ ام المؤمنین ہونے کے اور بوجہ زوجۂ سید المرسلینؐ ہونے کے تمام محصنات مؤمنات سے بہت بلند اور برتر ہے، یہاں سے یعنی إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ سے لے کر اٹھارہ آیتوں تک یعنی أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ تک یہی مضمون چلا گیا ہے جس میں عائشہ صدیقہؓ کی براءت اور نزاہت کو بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ام المؤمنین اور زوجۂ سید المرسلینؐ پر تہمت لگانا کفر اور نفاق ہے۔ عام محصنات مؤمنات پر تہمت لگانے والا فاسق اور فاجر اور مردود الشہادۃ ہے مگر ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور دیگر ازواج مطہراتؓ پر تہمت لگانے والا کافر اور منافق ہے اور ان آیات کے خاتمہ پر حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ اس بارہ میں نص صریح ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی اس براءت اور نزاہت کی شہادت کے بعد بھی عائشہ صدیقہؓ اور دیگر ازواج مطہراتؓ کے بارہ میں بدگمانی کرے وہ بلاشبہ کافر ہے اور حق تعالیٰ کی اس شہادت کا منکر ہے۔ (دیکھو صاویؒ حاشیہ جلالین ص۱۳۶ ج۳) اور تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں عائشہ صدیقہؓ کی براءت اور نزاہت کے بارہ میں نازل ہوئیں جو منافقین نے آپ پر تہمت لگائی تھی۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے خلاصہ اس کا یہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۵ھ میں غزوۂ بنی المصطلق سے واپس آ رہے تھے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے ہمراہ تھیں اور ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا اور اس پر ایک ہودج تھا، اسی ہودج میں ام المؤمنین سوار کی جاتی تھیں اور اسی ہودج میں اتاری جاتی تھیں، واپسی میں ایک منزل پر نزول ہوا کوچ سے پہلے حضرت عائشہؓ قضاء حاجت کے لیے پڑاؤ سے دور چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کے گلے میں جو سکوں کا ہار تھا ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں دیر لگ گئی یہاں پیچھے کوچ ہو گیا جو لوگ اونٹ پر ہودج کسا کرتے تھے انہوں نے یہ خیال کر کے کہ ام المؤمنین ہودج ہی میں ہیں، ہودج کو اونٹ پر کس دیا چونکہ اس زمانہ میں عورتیں نہایت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، موٹی تازی نہیں ہوتی تھیں، اور اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر بھی کم تھی اس لیے ہودج کسنے والوں کو کچھ شبہ بھی نہ ہوا اور اونٹ کو لے کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے جب لشکر روانہ ہو گیا تب عائشہ صدیقہؓ کو ہار مل گیا اور آپ پڑاؤ

علہ قال الصاوی قوله تعالی إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ الخ شروع فی ذکر الآیات المتعلقة بالافک وهی ثمانیة عشر تنتهی بقوله أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ومناسبة هذه الآیات لما قبلها ان الله تعالی لما ذکر ما فی الزنا من الشناعة والقبح وذکر ما یترتب علی من رمی غیره به وذکر انه لا یلیق بآحاد الامة فضلا عن زوجة سید المرسلین صلی الله علیه وسلم ذکر ما یتعلق بذلک انتهی کلامه۔

گی سے صرف یہ تین تھے جو دلی منافقین تھے اور عام اہل اسلام اس خبر سے غایت درجہ رنجیدہ اور ملول تھے اس لیے ان آیات میں ان کی تسلی فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم اس بہتان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو ظاہر میں اگرچہ برا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں کچھ برا نہیں بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بہ نفس نفیس اس کا متولی اور کفیل بنا اور آسمان سے عائشہ صدیقہؓ کی برأت میں اور اہل ایمان کی مدح میں اور منافقین کی فضیحت اور مذمت میں اٹھارہ آیتیں نازل کیں جو قیامت تک اہل علم کے سینوں میں محفوظ رہیں گی اور مسجدوں اور محرابوں میں نمازوں میں ان کی تلاوت کرتی رہیں گی یہ تو لسان صدق ہے دنیا اور آخرت میں جس سے تمہاری بزرگی اور عظمت شان سب پر ظاہر ہوگئی اور دشمنان اسلام ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہوگئے سو یہ بہتان تمہارے حق میں برا نہیں ہوا بلکہ ان کے حق میں برا ہوا اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کا اجر اس کے علاوہ رہا۔ یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لیے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا۔ بالخصوص یہ خطاب آنحضرت ﷺ اور عائشہ صدیقہؓ اور ابوبکر صدیقؓ اور ان کے گھر والوں کو ہے جن پر صدمہ کا پہاڑ آ گرا۔ یہ آیتیں نازل کر کے ان کو تسلی بخشی اور دنیا کو متنبہ کر دیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کا اور خاص کر عائشہ صدیقہؓ کا کیا مرتبہ ہے۔

ان میں سے ہر شخص کے لیے اسی قدر سزا ہے جس قدر اس نے گناہ کمایا ہے۔ جس شخص نے جس قدر اس فتنہ میں حصہ لیا بقدر حصہ وہ سزا کا مستحق ہے۔ اس لیے کہ بعضے اس خبر کو سن کر ہنستے تھے اور بعض نے کچھ زبان سے بھی کہا تھا بعض خاموش رہے مگر بولنے والے کو منع نہ کیا۔ اس مختصر جملہ میں اس قسم کے تمام لوگوں پر عتاب ہے اور وہ شخص جس نے اس میں بڑا حصہ لیا اس کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے اس سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے دنیا کی ذلت کے علاوہ آخرت میں بھی ذلیل اور خوار ہوگا۔ اس آیت میں منافقین کے سرغنہ عبداللہ بن ابی کو تہدید فرمائی۔ اب آئندہ آیات میں ان مومنین کو نصیحت فرماتے ہیں کہ جو نادانستہ طور پر منافقین کی اس سازش کا شکار ہوگئے تھے بعض اس خبر کو سن کر خاموش ہوگئے اور بعض نے اس خبر کو نقل کیا اگرچہ وہ اس خبر کو سچا نہیں سمجھتے تھے لیکن نقل کرنے سے ایک درجہ میں منافقین کے معاون بنے اس لیے آئندہ آیت میں اس قسم کے مسلمانوں کو نصیحت اور ملامت فرماتے ہیں کہ جب تم نے اس بات کو سنا تو ایمان والے مردوں نے جن میں حسانؓ اور مسطحؓ بھی آگئے اور ایمان والی عورتوں نے جن میں حمنہؓ بھی آگئیں اپنے بھائی بہنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا اور سنتے ہی فوراً زبان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جھوٹ ہے یعنی مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ نیک گمان رکھتے اور اپنے جیسا ان کو سمجھتے اور صاف کہہ دیتے کہ یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔ حضرت عائشہؓ کی طہارت اور نزاہت اور ان کا ام المؤمنین ہونا اور ان کا ذات اطہر کی زوجیت میں ہونا اور صفوانؓ کا مرد صالح اور متقی ہونا اور عبداللہ بن ابی کا منافق ہونا اور دشمن رسول ہونا اور اس کا جھوٹا ہونا یہ سب باتیں تمہارے سامنے تھیں۔ پھر دشمنان رسول کی ایک جھوٹی افواہ پر تم نے کیسے کان لگایا اور یہ سب امور تمہارے سامنے جب اس بات کو ذکر کیا تو سنتے ہی کہہ دیا کہ سب جھوٹ ہے صدیق کی بیٹی اور نبی کی بیوی کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا۔

غرض یہ کہ ان آیات میں قاذفین منافقین کے علاوہ ان مومنین اور مومنات پر اصالۃً ملامت ہے جنہوں نے اس خبر کو سن کر خاموشی اختیار کی یا تردد میں رہے یا بطور تذکرہ اس خبر کو نقل کیا ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ سنتے ہی کہہ دیتے ھٰذَآ اِفۡكٌ مُّبِیۡنٌ یہ صریح بہتان ہے۔

یہ لوگ اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے کیونکہ اثبات گناہ کے لیے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ پس جب یہ لوگ اس پر چار گواہ نہ لاسکے تو ایسے لوگ قانون شریعت کے موافق اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ کیونکہ شریعت نے جب یہ قاعدہ اور یہ قانون مقرر کر دیا کہ ثبوت گناہ کے لیے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ دعوے میں ذاتی معاینہ کافی نہیں بلکہ ثبوت کے لیے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے پس جو شخص کسی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور چار گواہ نہ پیش کرسکے تو قانون شریعت کے مطابق وہ شخص جھوٹا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو لیکن عدالتی ثبوت کے لیے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے بغیر ثبوت کے ایسی سنگین بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت میں عنداللہ کے معنی فی علم اللہ کے نہیں بلکہ فی حکم اللہ اور فی قانون اللہ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دعوائے زنا میں چار گواہ نہ پیش کرسکے تو وہ قانون خداوندی اور ضابطۂ شریعت کے اعتبار سے جھوٹا ہے گو واقع میں وہ سچا ہو اس لیے کہ بغیر ثبوت فراہم ہوئے اس کو اجازت نہ تھی کہ زبان سے ایسی بات نکالے اس لیے قانون شہادت اور ضابطۂ گواہی کے اعتبار سے اس کو کاذب کہنا جائز ہے اگرچہ وہ فی الواقع اور فی علم اللہ صادق ہے لیکن عدالت میں تو قانون شہادت کے اعتبار سے اس کے صدق اور کذب کو جانچا جائے گا جو شخص کسی پر زنا کا دعویٰ کرے اور چار عینی گواہ نہ پیش کرسکے تو وہ از روئے قانون جھوٹا ہے۔

اور اے مسلمانو! اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس چیز کے چرچے میں تم پڑے تھے تو اس میں تم کو بڑا بھاری عذاب پہنچتا۔ اللہ نے تم کو ایمان کی برکت سے توبہ کی توفیق دی اور تمہارا قصور معاف کیا اور عذاب سے بچا لیا اور یہ عذاب عظیم تم کو اس وقت پہنچتا جبکہ تم اپنی زبانوں سے باہم اس بات کو نقل کرتے تھے۔ اور منہ سے وہ بات کہتے تھے جس کی تمہیں خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی اور معمولی بات سمجھتے ہو اور یہ خیال کرتے ہو کہ اس میں کچھ گناہ نہیں حالانکہ وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی اور بھاری ہے خاص کر ام المومنین کی شان میں ایسی صریح ابطال چیز کو زبان پر لانا جرم عظیم ہے اور چونکہ اس بات کا جرم عظیم ہونا بالکل واضح ہے تو تم نے سنتے ہی یوں کیوں نہ کہہ دیا کہ ہماری مجال نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان سے نکالیں سبحان اللہ یہ تو بہت ہی بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کے رسول معظم کی بیوی فاجرہ ہو کسی درجہ میں کافرہ تو نبی کی بیوی ہو سکتی ہے مگر فاجرہ اور زانیہ عورت ہرگز ہرگز کسی نبی کی بیوی نہیں ہو سکتی حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی بیبیاں کافرہ تھیں مگر معاذ اللہ فاجرہ نہ تھیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ جو خبیث کسی نبی کی زوجہ کو فاجرہ بتلاتا ہے وہ درپردہ نبی کو دیوث بتاتا ہے چنانچہ سورۂ تحریم کی اس آیت کا تتمۂ

نہیں۔ عجب نہیں کہ مقتضائے بشریت غصہ میں اگر کسی حد تک تجاوز ہو جائے تو وہ بھی کسی درجہ میں خطوات الشیطٰن کا اتباع ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ابوبکر صدیقؓ شیطان کے قدموں کے اس معمولی اثر سے بھی محفوظ رہیں اس لیے آئندہ آیت نازل فرمائی۔

اور جو لوگ تم میں سے صاحبانِ فضل اور وسعت ہیں ان کو اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی قسم نہ کھانی چاہئے یعنی مقتضائے بشریت کسی ناراضگی کی بنا پر ان کی امداد و اعانت ہی کی ترک نہ کرنی چاہئے یہ شان فضل و وسعت کے خلاف ہے اشارہ مسطحؓ کی طرف ہے کہ وہ ابوبکر صدیقؓ کے رشتہ دار ہیں ان کے خالہ زاد بھائی ہیں اور مسکین ہیں اور مہاجر ہیں نادانی سے اس تہمت میں مبتلا ہو گئے اور اہل فضل و وسعت کو چاہئے کہ قصور معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے یعنی جب تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے تو تم بھی دوسروں کے قصور معاف کرو۔ تخلقوا باخلاق اللہ کا یہی مقتضا ہے کہ عفو اور صفح اختیار کریں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کو ابوبکرؓ پر پڑھا تو ابوبکرؓ نے کہا بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کرے اور مسطحؓ کا وظیفہ جاری کر دیا بلکہ پہلے سے دگنا کر دیا اور قسم کھائی کہ اب کبھی بند نہ کروں گا اور اپنی گزشتہ قسم کا کفارہ دیا۔

اب آئندہ آیات میں عام عنوان سے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر لعنت اور عذاب آخرت کا ذکر کرتے ہیں جس سے اصل مقصود حضرت صدیقہؓ پر تہمت لگانے والے پر دنیا اور آخرت کی لعنت اور عذاب عظیم کو بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ الزام لگاتے ہیں ایسی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو ایسی پاک دامن اور بھولی بھالی ہیں کہ انہیں ابھی باتوں کی خبر بھی نہیں اور وہ ایمان والیاں ہیں تو ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے جس دن ان کے برخلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ہاتھ اور پیر بھی گواہی دیں گے ان اعمال پر جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی قیامت کے دن ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی تو زبانیں خود بخود بولیں گی اور ان کے ہاتھ اور پیر بھی بولیں گے اور ان کے قول اور اعمال کی شہادت دیں گے دنیا میں انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے بولتا ہے اور زبان اس کے ارادہ کی ترجمان ہوتی ہے اور اس کے ارادہ کے تابع ہوتی ہے مگر قیامت کے دن زبان خود بخود بولے گی اور سچ سچ کہہ دے گی اور زبان کا بولنا اس کے ارادہ کے تابع نہ ہوگا۔

نکتہ: چونکہ تہمت لگانے والے نے زبان سے تہمت لگائی تھی تو اس سے چار گواہوں کا مطالبہ ہوا جو وہ پیش نہ کر سکا اس لیے آخرت میں اس کے بالمقابل پانچ چیزیں گواہی دیں گی، زبان کے مقابلہ میں تو زبان بولے گی اور سچ سچ کہہ دے گی اور چار گواہوں کے مقابلہ میں دو ہاتھ اور دو پیر اس کے جھوٹ کی گواہی دیں گے اس طرح اس کے جھوٹ پر چار گواہ قائم کیے جائیں گے اور لعنت اور عذاب کی سزا اس کے لیے ثابت ہو جائے گی۔

اس روز اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری ٹھیک ٹھیک جزا دے گا۔ اور اس وقت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ

اے ایمان والو! مت جایا کرو کسی گھروں میں اپنے گھروں کے سوا

حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

جب تک کہ بول چال نہ کر لو اور سلام دے لو ان گھر والوں پر، یہ بہتر ہے تمہارے حق

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا

میں، شاید تم یاد رکھو۔ پھر اگر نہ پاؤ ان میں کسی کو، تو ان میں

تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا

نہ جاؤ، جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو اور اگر تم کو کہے کہ پھر جاؤ،

فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨﴾

تو پھر جاؤ اسی میں خوب ستھرائی ہے تمہاری، اور اللہ جو کرتے ہو جانتا ہے۔

لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ

نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں

مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ

کوئی نہیں بستا، ان میں کچھ چیز ہو تمہاری، اور اللہ کو معلوم ہے جو ظاہر کرتے ہو

وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾

اور جو چھپاتے ہو۔

حکم پنجم استیذان

قال اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ ..... الیٰ ..... وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ

ربط: گزشتہ آیات میں زنا اور زنا کی تہمت کے احکام بیان کیے، اب اس آیت میں کسی کے گھر

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں

فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ

اپنے ستر ۔ اس میں خوب ستھرائی ہے ان کی، اللہ کو خبر ہے جو

بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ

کرتے ہیں ۔ اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ٹک

مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر، اور نہ دکھلائیں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى

اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے ، اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی

جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ

اپنے گریبان پر ، اور نہ کھولیں اپنا سنگار، مگر اپنے خاوند کے آگے یا

اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

اپنے باپ کے یا خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا خاوند کے بیٹے کے،

اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ

یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے

اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ

یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے ہاتھ کے مال کے ، یا کمیروں کے جو

اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ

مرد کچھ غرض نہیں رکھتے ۔ یا لڑکوں کے جنہوں نے نہیں

يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ

پہچانے عورت کے بھید۔ اور نہ دھمکاویں اپنے پاؤں سے

لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا

کہ جانا جاوے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار۔ اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر

أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾

اے ایمان والو! شاید تم بھلائی پاؤ۔

حکم ششم متعلق بہ نظر و بصر

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ ۔۔۔ الی ۔۔۔ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

(ربط) یہ چھٹا حکم ہے جو مرد کا عورت کو دیکھنے سے اور عورت کا مرد کو دیکھنے سے متعلق ہے اور نگاہ کی حفاظت کا حکم، عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کا بے مثال سامان ہے۔ گزشتہ آیات میں زنا کی سزا اور زنا کی تہمت لگانے کے احکام کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اسبابِ زنا کے احکام بیان کرتے ہیں، یعنی ان چیزوں کی ممانعت کرتے ہیں کہ جو زنا کا سبب اور ذریعہ بنتی ہیں تاکہ ان پر عمل کرنے سے خود زنا سے محفوظ رہے اور بندوں کے اتہام اور اشتباہ سے محفوظ رہ سکے۔ مثلاً مرد کا عورت کو دیکھنا اور عورت کا مرد کو دیکھنا ایک عظیم فتنہ ہے کیونکہ کسی کا چہرہ دیکھنے سے اس کا حسن و جمال معلوم ہو جاتا ہے تو طبعی طور پر اس کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور نفس کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے اور چہرہ کی کشش نفس کو کوشش پر آمادہ کرتی ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

برق نگاہِ یار میرا کام کر گئی

اس لیے ان آیات میں اہل ایمان کو نظر اور بصر کے احکام اور آداب بتلاتے ہیں تاکہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں اور اس بارہ میں مردوں کے حکم کو مقدم کیا کہ وہ اصل طالب اور متقاضی ہیں اور عورتیں بوجہ حیاء کے ان سے کم ہیں۔ نیز گزشتہ آیات میں کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی، سو اس کی وجہ یہی تھی کہ کسی کے زنانہ اور گھر اندر پر تمہاری نظر نہ پڑے اور یہ ناگہانی نظر آئندہ چل کر کسی فتنہ کا سبب نہ بن جائے جیسا کہ حدیث میں ہے انما جعل الاستیذان من اجل البصر یعنی کسی کے گھر میں کسی کی نگاہ داخل ہو گئی تو پھر اجازت لینے کی کیا ضرورت رہی۔

اس سے آیندہ آیات میں مرد و عورت کو علیحدہ علیحدہ نظر نیچی رکھنے کا مزید حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنے نور ایمان کی حفاظت چاہتے ہیں تو اپنی نگاہ نیچی رکھیں۔ یعنی جن چیزوں کا دیکھنا حلال نہیں ان کی طرف نظر نہ اٹھائیں۔ لیکن جن چیزوں کا مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے ان کو بالکل نہ دیکھیں اور جن چیزوں کا فی حد ذاتہٖ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت کے ساتھ دیکھنا جائز نہیں تو ان کو نظر شہوت سے نہ دیکھیں۔ ناجائز نظر دیباچہ زنا ہے اور اگر اتفاق سے نظر پڑ جائے تو نگاہ دوسری طرف پھیر لیں۔ غرض یہ کہ نظر اور بصر میں درجات ہیں، بعض صورتوں میں معاف ہے اور بعض صورتوں میں حرام ہے اس لیے مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِنْ تبعیضیہ انہیں درجات اور مراتب کے فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بڑھایا گیا۔

اور اہل ایمان کو چاہیے کہ اپنی شرمگاہوں کی بھی حفاظت کریں یعنی اپنی شہوت کو ناجائز محل میں استعمال نہ کریں جس میں زنا اور لواطت سب آگئے یا یہ معنی ہیں کہ ہر وقت اپنی شرمگاہوں کو مستور رکھیں مطلب یہ ہے کہ حفاظت ستر یعنی ان کا مستور رکھنا مراد ہے اور خلوت اور تنہائی میں بھی اپنی شرمگاہ کی طرف نظر رکھنا مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگرچہ تو تنہا ہو جب بھی اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھنا اللہ تعالیٰ زیادہ احق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

یہ نیچی آنکھ اور نگاہ کی اور شرمگاہ کی حفاظت ان کے حق میں بڑی ستھرائی ہے اور پاکیزہ ترین خصلت ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو ان کی نجاست اور گندگی سے پاک رکھنے والی چیز ہے اور یہ پاکیزگی مؤمنین کو مشرکین سے اور منافقات کی کثافت سے ممتاز کرنے والی ہے۔

اور بے شک اللہ ان چیزوں سے باخبر ہے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تمہاری نگاہ کس طرف اور کس لیے اٹھ رہی ہے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے زنا کی ممانعت فرمائی اور دوسری آیت میں شرمگاہ کے زنا کی ممانعت فرمائی اس لیے کہ نامحرم کی طرف نظر کرنا زنا کا پیش خیمہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔ نامحرم کو دیکھنا یہ زنا کے قریب جانا ہے یہ آنکھ کا زنا ہے جو شرمگاہ کے زنا کا پیش خیمہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام سے باخبر ہے۔ جہاں کہیں بھی نظر اٹھاؤ گے تمہاری نظر اس چیز پر بعد میں پڑے گی اور اللہ کی نظر تم پر پہلے پہنچ جائے گی لہٰذا تم کو ڈرتے اور بچتے رہنا چاہیے۔

اب آئندہ آیات میں عورتوں کو بھی یہی حکم دیتے ہیں کہ نگاہ نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ مگر عورتوں کے حق میں اس کے علاوہ بعض دیگر احکام کا اضافہ ہے اور اسی طرح اے نبی آپ ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اگر مقتضائے ایمان تم کو اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت درکار ہے تو فقط مردوں کے نیچی نگاہ کرنے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ عورتوں کو بھی چاہیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور غیروں کے دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بند رکھیں اور جس چیز کی طرف نظر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر

فلا يتطلع الخصي فيحتاج الى ذلك يورث الشهوة. قال ابن الصلاح جيد الاسناد كذا في شرح الجامع الصغير.	تو اس کی ستر گاہ کی طرف نظر ڈالے یہ دیکھنا خیال پیدا کرتا ہے۔ ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ ہے۔

(۲) یا اپنے باپ دادوں کے سامنے (۳) یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے کہ شوہروں کے باپ بمنزلہ تمہارے باپ کے ہیں (۴) یا اپنے بیٹوں کے سامنے (۵) یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے جو دوسری بیوی سے ہوں (۶) یا اپنے بھائیوں کے سامنے (۷) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے (۸) یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے یہ سب بمنزلہ اولاد کے ہیں اور ہر وقت ان کی آمد و رفت ہے اور ان کی طرف سے فتنہ کا اندیشہ نہیں یہ سب محارم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محارم کی فطرت میں ایک طبعی نفرت رکھ دی ہے کہ مرد اپنی ماں اور خالہ اور بہن کو دیکھتے ہیں مگر دل میں برا خیال نہیں آتا۔ اور ان محارم کی طرف سے فتنہ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ مگر یہ زمانہ فتنہ و فساد کا ہے اور انگریزی تعلیم نے اور انگریزی تہذیب نے فطرت انسانی کو خراب کر دیا ہے اس لیے اس زمانہ میں محارم کے بارہ میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ محارم کے سامنے آنا بھی اسی شرط کے ساتھ جائز ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں حدثنا علی قال ثنا عبد اللہ قال ثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس قوله تعالى ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها قال والزينة الظاهرة الوجه وكحل العين وخضاب الكف والخاتم فهذه تظهر في بيتها لمن دخل من الناس عليها۔

(تفسیر ابن جریر ص [illegible] ج ۱۸)

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس کا یہ فرمانا۔ فهذه تظهر في بيتها لمن دخل من الناس عليها کہ عورت اپنی زینت صرف اپنے گھر میں ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کو اس کے سامنے آنے اور گھر میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں ابداء زینت سے اپنے گھر کی حدود میں زینت کا ظاہر کرنا اور ان لوگوں کے سامنے آنا مراد ہے جن کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت ہے یعنی محارم معاذ اللہ سڑکوں اور بازاروں میں زینت کا ظاہر کرنا مراد نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن محرموں کو اس کے گھر میں آنے کی شرعاً اجازت ہے جیسے باپ اور بھائی ان کے سامنے اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے اور کھولنے میں مضائقہ نہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ سوائے محرم کے کسی کے سامنے عورت کو اپنی زینت کا کھولنا جائز نہیں (تفسیر ابن جریر)

عـه۔ قال ابن جرير في قوله تعالى ولا يبدين زينتهن يقول جل ذكره ولا يظهرن للناس الذين ليسوا لهن بمحرم زينتهن اھ

یا اپنی خاص عورتوں پر، مراد یہ ہے کہ عورت دوسری عورتوں کے سامنے اگر اپنی زینت یعنی چہرہ اور ہاتھوں کو کھولا رکھیں تو یہ بھی جائز ہے اور اپنی عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو قریبی رشتہ دار ہوں یا ان کی خدمت گزار ہوں اس کے پاس اُٹھنے بیٹھنے والی ہوں، بشرطیکہ نیک چلن ہوں اور بہت سے سلف کے نزدیک اپنی عورتوں سے مسلمان عورتیں مراد ہیں تو ان کی دینی بہنیں ہیں ان کے سامنے آنا جائز ہے، کیونکہ کافر عورتیں اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے مروی ہے اور متقی کافرہ عورت مسلمان عورت کے حق میں بمنزلہ اجنبی مرد ہے اس لیے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک مسلمان عورت کو کافر عورت سے پردہ کرنا واجب ہے۔

یا ان کے سامنے آنا بھی جائز ہے جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی اپنی باندیاں یا اپنا غلام اگرچہ وہ نامحرم ہو اس کے سامنے آنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ غلام نیک چلن ہو اور پاک دامن ہو ورنہ نہیں، جمہور علماء کے نزدیک مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ میں لونڈی اور غلام دونوں داخل ہیں اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے صرف باندیاں مراد ہیں، وہ غلام مراد نہیں جیسا کہ سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آیت النور تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، اس آیت میں مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ سے صرف باندیاں مراد ہیں اور غلام مراد نہیں اور یہی قول عبداللہ بن مسعودؓ اور مجاہدؒ اور عطاءؒ اور حسنؒ اور ابن سیرینؒ اور شعبیؒ کا ہے اور یہی قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے خاص کر اس زمانہ میں۔

مسئلہ کسی بیگم صاحب کا تنہا موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانا جب کہ ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں ہو تو یہ صورت بلاشبہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے اور ڈرائیور کو نیک سمجھنا حماقت ہے، ایسے وقت میں تو نفس اور شیطان دونوں کو بھی ستر کے طور پر بنا دیتا ہے، یا ان کے ساتھ رہنے والے مردوں کے سامنے آنا بھی جائز ہے جو تم سے وابستہ ہیں اور تمہارا کام دھندا کرتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ مرد ایسے ہوں کہ عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یعنی ایسا آدمی جو نہ عورت کی خواہش رکھتا ہو اور مثلاً وہ نامرد ہو تو وہ خدمت کے لیے آ سکتے ہیں یا وہ چھوٹے لڑکے جو ابھی عورتوں کے حال اور کیفیت سے واقف نہیں اور جانتے بھی نہیں کہ مباشرت کیا چیز ہے تو عورتوں کو ایسے بچوں لڑکوں کے سامنے آ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں جب سمجھنے لگیں گے اور ہوشیار ہو جائیں گے تو ان کو منع کر دیا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ پہلی آیت وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں ستر اور کشف عورت کے مسئلہ کا بیان تھا کہ عورت کو کن حصوں اور کن مواضع زینت اور کن اعضاء کا کھلا رکھنا جائز ہے اور کن اعضاء کا چھپانا واجب ہے اور اس کے بعد والی آیت یعنی وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الخ میں مسئلہ بیان فرمایا کہ عورت کو کس کے سامنے آنا جائز ہے۔ سو بتلا دیا کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا قطعاً حرام ہے اور حکم سابق سے یہی صورتیں مستثنیٰ فرمائی دو بارہ ہیں، خلاصہ یہ کہ جن سے نکاح جائز ہے ان

فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ

اپنے فضل سے اور اللہ سمائی والا ہے سب جانتا۔ اور آپ کو تھامتے رہیں

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ

جن کو نہیں ملتا بیاہ جب تک مقدور دے ان کو اللہ

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

اپنے فضل سے۔

حکم ہفتم و حکم ہشتم

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ...... الیٰ ...... حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔

ربط: گزشتہ آیات میں ہر طرف سے شہوانی خواہشوں اور زنا کی روک تھام کا انتظام تھا۔ اب آئندہ آیات میں نکاح کا حکم دیتے ہیں جو عفت کا سامان ہے اور زنا سے بچنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ ان آیتوں میں ناکتخدا یعنی غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے متعلق دو حکم ذکر ہیں۔ ایک حکم تو یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت ہو ان کا نکاح کر دیا جائے۔ کما قال تعالیٰ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآىِٕكُمْ۔ یہ سورت کا ساتواں حکم ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت نہ ہو وہ صبر کریں اور ضبط نفس سے کام لیں۔ یعنی حرام سے بچیں یہ روزہ ان کے لیے باعث حفاظت ہوگا اور عجب نہیں کہ اس صبر اور حفاظت کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنا عطا فرما دے۔ کما قال تعالیٰ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ یہ سورت کا آٹھواں حکم ہے۔

حکم ہفتم بابت نکاح مجرداں

اور جو تم میں سے مجرد ہوں یعنی بے شادی شدہ ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ہوں اور خواہ ابتداء سے مجرد ہوں یا بیوی کی وفات یا طلاق سے مجرد ہو گیا ہو تو تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور اسی طرح تمہارے غلام اور باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہیں ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تاکہ نکاح سے ان کو طہارت اور

سے کچھ روپیہ پیسہ تم کو مل جائے، اس لالچ پر کسی کو زنا اور بدکاری پر مجبور کرنا بہت ہی شرمناک کام ہے اور جو شخص ان کو زناکاری پر مجبور کرے باوجودیکہ وہ اس سے بچنا چاہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اکراہ و اجبار کے بعد بخشنے والا مہربان ہے مجبوری اور بےکسی کی حالت میں اگر گناہ کیا جائے تو اس کے واسطے اللہ سے مغفرت کی امید ہے۔

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ

اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی اور ایک دستور ان کا

الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٣٤﴾

جو ہو چکے ہیں تم سے آگے، اور نصیحت ڈر والوں کو۔

خاتمۂ احکام عشرۂ مذکورہ بر امتنان ہدایت و نصیحت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ ... الیٰ ... وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۔

ربط: یہاں تک نفس کو رذائل اور خباثت سے پاک کرنے کے لیے دس احکام بیان فرمائے اب ان کے خاتمہ پر بطور امتنان و اظہار احسان فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہاری ہدایت اور نصیحت کے لیے یہ احکام نازل کیے تاکہ تم ان رذائل اور خباثت اور گندگیوں سے پاک ہو جاؤ اور تمہارے دل منور اور روشن ہو جائیں۔ اور تم عفیف اور پاکدامن بن جاؤ۔ اور وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ کے زمرہ میں داخل ہو کر اس فلاح کے مستحق ہو جاؤ جس کا اللہ تعالیٰ نے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ میں وعدہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے تمہاری ہدایت کے لیے تمہاری طرف واضح اور روشن احکام نازل کیے جن سے تم پر حلال و حرام اور طیب اور خبیث کا فرق واضح ہو جائے۔ اور جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کی مثالیں اور ان کے عجیب واقعات بیان کیے کہ تم سے پہلے گزشتہ امتوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی اور بے حیائیوں کے مرتکب ہوئے ان کا حال اور مآل تمہارے سامنے بیان کیا تاکہ اس سے عبرت پکڑو اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت اتاری تاکہ وہ اللہ کی نصیحتوں سے فائدہ اٹھائیں اور خدا کے پرہیزگار بندے بن جائیں اور متقین کے طریقہ کو چھوڑ کر فاسقین کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ ان آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین صفتیں بیان کیں۔

(۱) آیاتٍ مُّبَیِّنٰت (۲) وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ (۳) وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی ۔ مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک

فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ

طاق اس میں ایک چراغ ۔ چراغ دھرا ایک شیشہ میں ۔ شیشہ

كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

جیسے ایک تارا ہے چمکتا ، تیل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت والے

زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ

وہ زیتون ہے نہ سورج نکلنے کی طرف نہ ڈوبنے کی طرف ، لگتا ہے

زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

اس کا تیل کہ روشن ہو اٹھے ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ ۔ روشنی پر روشنی ،

يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ

اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے ۔ اور بتاتا ہے اللہ کہاوتیں

لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ

لوگوں کو ۔ اور اللہ سب چیز جانتا ہے ۔ ان گھروں میں کہ اللہ

اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا

نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا یاد کرتے ہیں اس کی

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا

وہاں صبح اور شام ۔ وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سوداگری میں اور نہ

بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

بیچنے میں اللہ کی یاد سے ۔ اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے ۔

اصطلاح شریعت میں محدث یعنی ملہم اور متفرس سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ کو کوئی بات پیش آتی ہے اور اس بارہ میں ان کو حکم شرعی کا علم نہیں ہوتا مگر نور باطنی کی وجہ سے ان کو امر حق کے متعلق صحت رائے نصیب ہو جاتا ہے اور وہ پہلے ہی سے اس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی فطرت سلیم میں قبول حق کی استعداد اس درجہ قوی تھی کہ قریب تھا کہ بدون وحی یا سماع اور کھلانے ہی جل اٹھے اب مثلاً اس کو دیا سلائی دکھائی اور ذرا آگ لگا دی تو نورٌ علیٰ نور اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ لہذا اس نور فطرت کے ساتھ اگر نور شریعت بھی مل جائے تو یہ روشنی اس قدر تیز ہو جائے کہ نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن جائے اور حدیث میں آیا ہے استفت قلبک وان افتاک المفتون یعنی جب تجھے کوئی بات پیش آئے تو اپنے دل سے فتویٰ لے اگرچہ مفتی فتویٰ دیا کریں سو یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کا قلب آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو اور نفسانی خواہشوں اور گناہوں کی کدورت سے پاک ہو۔ تو ایسوں کے لیے جائز ہے کہ اپنے قلب سلیم سے استفتاء کر لیا کریں۔ باقی ہر چراغ دل مشرقی یا مغربی خواہشات اور شہوتوں کے کشید کردہ تیل سے جل رہا ہو اس سے استفتاء جائز نہیں۔

غرض یہ کہ نور ہدایت جو مومن کا حصہ ہے وہ اللہ کی خاص رحمت اور خاص عنایت سے اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو اپنے اس خاص نور کی راہ دکھاتا ہے جو اس کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے یہ نور محض اس کا فضل اور احسان ہے جس کو چاہے اپنے فضل سے نواز دے اس نور کی ابتدا بھی اسی کی طرف سے ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اس نور کی انتہاء اور تکمیل بھی اسی کی مشیت سے ہے جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا یَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ اس آیت میں نور ہدایت سے نور توفیق مراد ہے جو ان لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔ جن پر اللہ کی خاص نظر عنایت ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ ان پر حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون اس نور کے لائق ہے اور کون نہیں ہے جو دینے والا ہے وہ جاننے والا بھی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ تمام کائنات کو ان کے وجود سے پہلے علم تام اور علم محیط تھا۔ اس آیت میں ہدایت عامہ کا بیان ہے جس میں تمام لوگ شریک ہیں جیسا کہ لفظ للناس عموم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ضرب مثال پر جو ہدایت مرتب ہوتی ہے وہ ہدایت عامہ ہے اور گزشتہ آیات یعنی یَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ میں ہدایت خاصہ کا بیان تھا کیونکہ اس لفظ مَنْ يَّشَاۗءُ مراد تھا جو خصوص پر دلالت کرتا ہے۔

بہر حال جمہور علماء کے نزدیک اس آیت میں نور مومن کی مثال بیان کی گئی ہے کہ اس کے آئینہ دل میں ہدایت اور معرفت کا ایک چراغ روشن ہے ———

——— اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ مشکوٰۃ سے حضور کا سینہ مبارک مراد ہے اور زجاجہ سے آپ کا قلب منور مراد ہے جو نور الٰہی سے روشن اور منور ہے جس کی اصل اور حقیقت

بلکہ ہر وقت آخرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ بھی دے یعنی وعدہ کے علاوہ بلا استحقاق اپنے فضل سے زیادہ عطا فرمائے گا جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ ہو یا زیادتی فضل سے دیدار خداوندی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزاء اعمال کے علاوہ مزید اپنے دیدار پُرانوار سے مشرف فرمائے گا۔ کما قال تعالیٰ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔ اس آیت میں زیادت سے دیدار خداوندی مراد ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ اس کے جود و کرم کی کوئی حد نہیں وہ مالک مطلق ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں جس کو جتنا چاہے دے۔ یہ اس کا فضل ہے ذاتی استحقاق کسی کا نہیں۔

فائدہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبادت اور تجارت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں اور دین و دنیا کے منافی نہیں لہٰذا جن لوگوں کو یہ خیال ہے کہ دین کا کام کرنے سے آدمی دنیا سے جاتا رہتا ہے۔ بالکل غلط ہے اللہ اور اس کے رسول نے تجارت اور زراعت اور صنعت و حرفت کو فرض قرار دیا جس پر دنیا کا دارومدار ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ یعنی کسب حلال فرض ہے۔ البتہ دنیا کی محبت ممنوع ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ حب الدنیا رأس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے شریعت نے حلال طریقہ سے ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے البتہ اس کے احکام بتلاتے ہیں اور عقلاً یہ درست ہے دنیا کی کون سی حکومت ہے جس میں تجارت اور زراعت وغیرہ کے متعلق احکام موجود نہیں اور یہ احکام دنیا کی متمدن اور مہذب حکومتوں کے احکام سے ہزار درجہ بہتر اور آسان ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ علماء شریعت کسب دنیا سے منع کرتے ہیں بالکل غلط ہے قرآن اور حدیث میں اور کتب فقہ میں ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے اور اس کے احکام بتلائے ہیں اور بے کاری کو ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ افلاس بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ کاد الفقر ان یکون کفرا قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک پہنچا دے۔

شریعت نے کہیں یہ نہیں کہا کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ دو اور حقوق کو معطل کر کے بیٹھ رہو بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ حلال طریقہ سے دنیا کماؤ اور اس کے حقوق ادا کرو اور کسی حالت میں قانون شریعت کے دائرہ سے باہر نہ نکلو۔ دنیا کی وہ کون سی متمدن حکومت ہے کہ جہاں کے باشندے تجارت اور زراعت اور صنعت و حرفت میں قانون حکومت سے آزاد ہوں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ

اور جو لوگ منکر ہیں، ان کے کام جیسے ریت جنگل میں۔ پیاسا جانے

الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ

اس کو پانی، یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا اور

لطائف الاشارات

جاننا چاہیے کہ ابتداء آیت میں نورِ ہدایت اور نورِ توفیق کا ذکر کیا بعد ازاں یہ بتلایا کہ وہ نورِ ہدایت اتباعِ شریعت اور التزامِ مساجد میں منحصر ہے اور فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ سے یہی مساجد مراد ہیں کہ جن کی تعظیم واجب ہے بعد ازاں یہ بتلایا کہ نورِ ہدایت کے لیے دوامِ ذکر اور دوامِ تسبیح اور رجالِ آخرت کی صحبت ضروری ہے فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ ... یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ سے دوامِ ذکر اور دوامِ تسبیح کی طرف اشارہ ہے اور رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ سے رجالِ آخرت کی صحبت کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ بعد ازاں لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا سے کمالِ قرب کی طرف اشارہ ہے اور وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ سے محبین اور مخلصین اور اولیاء عاشقین کی طرف اشارہ ہے۔

بعد ازاں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو نورِ ہدایت اور نورِ توفیق سے محروم ہیں۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ سے ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو نورِ ہدایت میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔

بعد ازاں کافروں کے اعمال کی دو مثالیں بیان کیں اس لیے کہ کافروں کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو بظاہر مستحسن اور پسندیدہ ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور خیرات اور مہمان نوازی اور مظلوم کی امداد وغیرہ سو پہلی قسم کے اعمال بظاہر خیر اور حسن ہیں مگر ان کے قبول کے لیے ایمان شرط ہے اس لیے ایسے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی کہ دور سے نظر آتا ہے اور پیاسا اس سے امید لگائے رکھتا ہے اور جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ملتا۔

اور دوسری قسم اعمال کی وہ ہے کہ جو ظاہر میں بھی قبیح ہیں جیسے بت پرستی اور ظلم وغیرہ وغیرہ اس قسم کے اعمال کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان

وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ

اور زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہر ایک نے جان رکھی اپنی طرح کی

تَسْبِیْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝٤١ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

بندگی اور یاد اور اللہ کو معلوم ہے جو کرتے ہیں۔ اور اللہ کی حکومت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

آسمان اور زمین میں ، اور اللہ ہی کی طرف پھر جانا ہے ۔ تو نے نہ دیکھا کہ

اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا

اللہ ہانک لاتا ہے بادل پھر ان کو ملاتا ہے پھر ان کو رکھتا ہے تہ بہ تہ

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ

پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے ان کے بیچ سے اور اتارتا ہے آسمان

مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ

سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور

يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۗ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ

بچا دیتا ہے جس سے چاہے ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جاوے

بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

آنکھیں ، اللہ بدلتا ہے رات اور دن ۔ کچھ ہیں اس میں دھیان

لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ

کی جگہ ہے آنکھ والوں کو ۔ اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والا ایک

مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ

پانی سے ، پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر اور کوئی ہے کہ چلتا ہے

عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۗ يَخْلُقُ

دو پاؤں پر ، اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر ، بناتا ہے

اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

اللہ جو چاہتا ہے ، بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ۔ ہم نے

ب

اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى

اتارد یں آیتیں کھول بتانے والی اور اللہ چلادے جس کو چاہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

سیدھی راہ پر۔

ذکرِ تسبیحِ کائناتِ عالم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى. اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... اِلٰى ... يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔

(ربط) اوپر کی آیتوں میں رجال آخرت اور مردان جنت کی تسبیح اور نماز کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں تمام مخلوقات کی تسبیح اور نماز اور نیاز کا ذکر کرتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، مگر یہ لوگ جہالت کے ظلمات اور تاریک سمندر کی گہرائیوں میں غرق ہیں اور خدا کی تسبیح اور نماز و نیاز سے غافل ہیں۔ اور سراب کو آب سمجھے ہوئے ہیں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں قلوب مومنین کے انوار کا اور قلوب کفار کی ظلمات کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیات میں دلائل توحید کو بیان کرتے ہیں جو اہل بصیرت کے لیے انوار ہدایت ہیں اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے دلائل بیان فرمائے جن سے خدا تک پہنچنے کا راستہ نظر آنے لگے۔ پس اے لوگو اگر ظلمتوں اور اندھیروں سے نکل کر نور میں داخل ہونا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کے دلائل قدرت و عظمت میں غور کرو۔

قسم اول

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... اِلٰى ... وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ

اے مخاطب کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور سب پرندے درآنحالیکہ وہ ہوا میں اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں۔ سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنی نماز کو اور تسبیح کو جان رکھا ہے جو اس کے لائق ہے خدا تعالیٰ نے جس کو جو طریقہ الہام کیا اس کے موافق وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں، کوئی فعل اور کوئی ذرہ اس پر پوشیدہ نہیں غرض یہ کہ تمام کائنات اپنے اپنے حال کے لائق اور موافق اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ كَمَا قَالَ تَعَالٰى. وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اس کے سوا

اور توفیق سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آئے پھر پھر

فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ

جاتا ہے ایک فرقہ ان میں سے اس پیچھے۔ اور وہ لوگ نہیں

بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

ماننے والے۔ اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِن يَكُن

ان میں فیصلہ چکا دے، تب ہی ایک فرقہ ان میں منہ موڑتے ہیں۔ اور اگر ان کو

لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٤٩﴾ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

کچھ پہنچتا ہو تو چلے آویں اس کی طرف قبول کر کر۔ کیا ان کے دل میں روگ ہے

أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَ

یا دھوکے میں پڑے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ اور

رَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ

رسول اس کا؟ کوئی نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں۔ ایمان والوں کی بات

الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

یہ تھی، جب بلائیے ان کو اللہ اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو

أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾

ان میں کہ کہیں ہم نے سنا اور مانا۔ اور وہ لوگ انہی کا بھلا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے، اور ڈرتا ہے اللہ سے اور بچ کر چلے اس

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

سے سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچے۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر

اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ

تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ نکلیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ، حکم برداری چاہیے جو دستور ہے۔ البتہ

اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو۔ تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو

الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا

رسول کا۔ پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے

حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

جو بوجھ تم پر رکھا، اور اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ۔ اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

پہنچا دینا کھول کر۔

ذکر مہتدین و غیر مہتدین یعنی مخلصین و منافقین

قال اللہ تعالیٰ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔

ابتداء گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ راہ حق روشن اور واضح ہے مگر توفیق اور ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے کما قال وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض کو ہدایت ہوگی اور بعض کو نہیں ہوگی اس لیے آئندہ

آیت میں ہر دو فریق کی مذمت سے تفصیل فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ زبان سے تو دعویٰ ایمان اور اطاعت کا ذکر کرتے ہیں مگر ان کے دل اطاعت اور یقین سے خالی ہیں، یہ گروہ منافقین کا ہے کہ باوجود واضح نشانیوں کے راہ راست پر نہیں چلتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر دل سے راضی نہیں اور ان ہی کا ذکر پہلے کیا۔

اور بعض وہ ہیں کہ جو دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کے وفادار اور اطاعت شعار ہیں یہ گروہ مخلصین کا ہے۔ ان کا ذکر بعد میں کیا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور یہ منافق لوگ زبان سے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس اقرار کے بعد ان میں کا ایک فریق اللہ اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑ لیتا ہے اور یہ لوگ دل سے مؤمن نہیں۔ یہ آیت بشر نامی منافق کے بارہ میں نازل ہوئی اس کا ایک یہودی کے ساتھ ایک زمین کے متعلق جھگڑا تھا یہودی نے کہا کہ ہم اپنا فیصلہ محمد ﷺ کے پاس لے جاتے ہیں جو وہ فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے اور بشر نے کہا نہیں، ہم اپنا فیصلہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے وقت میں ان کے دعوائے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان لوگوں کی عمرابی کا یہ حال ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ اللہ کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے ایک فریق منہ موڑنے والا ہو جاتا ہے، یعنی جب ان کے ذمہ کسی کا حق نکلتا ہے تو رسول کے فیصلہ سے منہ موڑتے ہیں اور اگر اتفاق سے حق ان کے لیے ہو تو سر تسلیم خم کرتے ہوئے آپ کی طرف چلے آتے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ آپ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ حق پر ہوگا۔ اور ہم کو آپ کے فیصلہ سے حق مل جائے گا۔ ایسے لوگ جو ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ ایمان اور اسلام نہیں بلکہ خود غرضی اور ہوا پرستی ہے۔

اب آگے ان کے اعراض اور روگردانی کے اسباب بطور تردید بیان کرتے ہیں جس سے مقصود ان کی توبیخ ہے۔ کیا ان کے دلوں میں کفر اور نفاق کی بیماری ہے یا حرص اور طمع اور مال کی محبت کی بیماری ہے اس وجہ سے آپ کے پاس آنے سے اعراض کرتے ہیں یہ بیماری ان کے دلوں میں ایسی مستحکم ہو چکی ہے کہ اس کے زائل ہونے کی امید نہیں۔

یا دین اسلام کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے اسلامی عدالت میں مقدمہ لانے سے کتراتے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ بے انصافی کریں گے۔ اللہ اور اس کا رسول تو اس سے منزہ اور مبرا ہیں بلکہ یہی لوگ ظالم اور بے انصاف ہیں کہ حرص اور طمع اور خود غرضی میں مبتلا ہیں اس لیے رسول کے پاس فیصلہ لانے سے گھبراتے ہیں کہ اس کی بارگاہ میں حرص اور طمع اور خود غرضی کا گزر نہیں۔

یہ تو منافقین کا حال تھا اب آگے مؤمنین مخلصین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حال ذکر کرتے ہیں کہ ان کے دل اور زبان میں کوئی فرق نہیں۔ مؤمنوں کا قول تو بس یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی مقدمہ میں اللہ اور اس کے

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں نیک کام،

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ

البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو

مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى

اور جما دے گا ان کو دین ان کا، جو پسند کر دیا

لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ

ان کو اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن۔ میری بندگی کریں گے

لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ

شریک نہ کریں گے میرا کسی کو، اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس پیچھے، سو وہی

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ

لوگ ہیں بے حکم۔ اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور

اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ

حکم میں چلو رسول کے، شاید تم پر رحم ہو۔ نہ خیال کر کہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ

یہ جو منکر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ

اور ان کا ٹھکانا آگ ہے، اور بری جگہ ہے

الْمَصِيْرُ ۝

پھر جانے کی

بشارت حکومت و وعدۂ خلافت برائے اہل ایمان و اطاعت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... الٰى ... وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۔

ربط: گزشتہ آیات میں اہل منافقین کا حال بیان کیا جو دن رات مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے پھر اس کے بالمقابل مؤمنین مخلصین کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا اور عند اللہ ان کی کامیابی اور کامرانی اور فائز المرامی کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں اہل ایمان اور اہل طاعت کو دینی اور دنیوی نعمتوں اور کرامتوں اور سعادتوں کی بشارت دیتے ہیں تاکہ ایمان اور اعمال صالحہ کی راہ میں اہل اسلام کو جو مشکلات پیش آئیں ان کا ازالہ ہو جائے اور مؤمنین صالحین سے وعدہ فرماتے ہیں کہ تم کفار اور منافقین کی چیرہ دستی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہو تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسی دنیا میں ہم تم کو رسول کی وفات کے بعد اپنے نبی کا جانشین بنائیں گے اور زمین کی حکومت تم کو عطا کریں گے اور دشمنان اسلام پر تم کو غلبہ دیں گے اور تم کو زمین کا مالک اور فرمانروا بنائیں گے جسے یہ سازشیں کرنے والے دیکھ اور جل کر رہ جائیں گے۔ اللہ تم کو عزت دے گا اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل و خوار کرے گا اور دین اسلام جو خدا کے نزدیک پسندیدہ دین ہے جس کے مٹانے پر یہ کفار اور منافقین تلے ہوئے ہیں اس دین کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے جانشینوں کے ہاتھوں سے مضبوط اور مستحکم کرے گا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کو کفار اور منافقین کی سرکوبی پر مسلط اور مقرر کرے گا اور دین اسلام کے بارے میں کفار اور منافقین کی اندیشہ دوانیوں کا خاتمہ کر دیگا۔

اور اس وقت اہل اسلام کو جو دشمنان اسلام سے خوف لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو امن سے بدل دے گا حق جل شانہ کا یہ وعدہ ان مؤمنین صالحین سے تھا جو نزول آیت کے وقت حاضر اور موجود تھے جیسا کہ لفظ مِنْكُمْ بصیغۂ خطاب صراحۃً اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ سو وہ زمانہ ایسا خوف کا تھا کہ مسلمان دین کا کوئی کام کھلم کھلا نہیں کر سکتے تھے ہجرت کے بعد بھی ایک عرصہ تک کافروں کا خوف رہا۔ مہاجرین اور انصار دن رات کمر بستہ اور ہتھیار بند رہتے تھے، معلوم کس وقت کوئی مدینہ پر چڑھ آئے۔ چنانچہ طبرانی اور حاکم نے بسند صحیح ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام عرب دشمن ہو گیا۔ مسلمان خوف کے مارے ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے ایک مرتبہ بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کبھی ایسے دن بھی آئیں گے کہ ہم آرام سے رات کو سویا کریں گے اور سوائے خدا کے اور کسی کا خوف ہم کو نہ ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور بادشاہت اور نبی کی خلافت اور جانشینی کی بشارت دے کر ان کی تسکین فرما دی۔ اور بتلا دیا کہ یہ ہمارا وعدہ ہے جو ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا تم کیوں گھبراتے ہو تمہیں سلطنت ملنے والی ہے اور اللہ

تم کو زمین کا حکمران بنائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اللہ نے وعدہ دے دیا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ ان کو اسی ایمان اور عمل صالح کی برکت سے اپنی زمین میں ضرور خلیفہ یعنی بادشاہ بنائے گا جس طرح اس نے اگلے لوگوں کو اسی ایمان کی بدولت زمین میں خلیفہ اور بادشاہ بنایا تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام کو ان کا خلیفہ اور جانشین بنایا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ یعنی بادشاہ اور فرمانروا بنایا تھا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگوں کو سلطنت عظیمہ اور جاہ و جلال عطا کیا تھا کما قال تعالیٰ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ایسے ہی اس امت کو ایسی عظیم سلطنت ملے گی جو قوت اور شوکت میں ضرب المثل ہوگی لفظ مِنْكُمْ میں حرف مِنْ اگر بیانیہ ہو تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے مؤمنین صالحین سے یعنی اے حاضرین تم سے اس لیے کہ اس وقت تم ہی مؤمنین صالحین کا مصداق ہو اور اگر مِنْ تبعیضیہ ہو تو ترجمہ اس طرح ہوگا۔ اے افراد عالم اور اے ابنائے آدم تم میں سے جو مؤمنین صالحین اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں ان سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم دنیا میں ان کو نعمتیں عطا فرمائیں گے اوّل استخلاف فی الارض یعنی زمین میں ان کو نبی کا جانشین اور بادشاہ بنائیں گے۔ اور دوئم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور ان کے لیے مضبوط اور مستحکم کر دے گا ان کے دین کو جس کو خدا نے ان کے لیے پسند کیا ہے مراد پسندیدہ دین اسلام ہے۔ کما قال تعالیٰ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ اور مطلب یہ ہے کہ ان کو حکومت اور بادشاہت دینے سے مقصود یہ ہوگا کہ دین اسلام ایسا مضبوط اور مستحکم ہو جائے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو ہلا نہ سکے۔ اور بے خوف و خطر اس دین پر عمل کریں گے اور دین اسلام تمام دینوں پر قاہر اور غالب ہوگا کما قال اللہ تعالیٰ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور بدل دے گا۔ ان کے خوف و ہراس کو امن و امان اور سکون اور اطمینان سے یعنی مسلمانوں کے دلوں سے کافروں کا خوف نکل جائے گا اور اہل اسلام کو امن و امان اور سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے گا یعنی پہلے مسلمانوں کو کافروں سے خوف اور اندیشہ رہا کرتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو امن دے گا۔ یہ اللہ کے تین وعدے ہیں جن کی بطور پیشین گوئی خبر دی گئی ہے۔ صبح کی سپیدی کی طرح یہ وعدے ظہور میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل بنے کہ آپ نے اپنے خادموں کے متعلق جس نعمت اور کرامت کی خبر دی تھی وہ ہو بہو ظاہر ہوئی۔

اور یہ لوگ سلطنت اور بادشاہت مل جانے کے بعد عام دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے۔ بلکہ پیغمبر کے جانشین اور قائم مقام ہوں گے میری عبادت اور بندگی میں لگے رہیں گے اور میری عبادت میں ذرہ برابر کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے نہ شرک جلی کریں گے اور نہ شرک خفی۔

خلفاء راشدین کے زمانہ میں عبادت کا بازار خوب گرم ہوا اور کفر و شرک خوب ذلیل و خوار ہوا۔ اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور کفر و شرک بیخ و بن سے اکھڑ گیا۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت کہ جس سے دین حق مضبوط اور مستحکم ہو جائے حق جل شانہ کی ایک

بچ جائے گا۔

سوم، تبدیل خوف امن سے یعنی دشمنوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ اہل اسلام کو سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ رہے گا بلکہ اس کے برعکس روئے زمین کے کافر مسلمانوں کی قوت و شوکت سے لرزاں اور ترساں ہوں گے۔

یہ تینوں وعدے حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان لوگوں سے فرمائے جو نزول آیت کے وقت زمین پر موجود تھے اور نزول آیت سے پہلے ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ تین وعدے فرمائے کہ ہم تم کو دنیاوی زندگی میں یہ تین نعمتیں عطا کریں گے۔ سو الحمد للہ یہ وعدۂ الٰہی حرف بحرف پورا ہوا۔ صدق اللّٰہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ احزاب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرمایا اور آپ کی وفات سے پہلے ہی مکہ مکرمہ اور خیبر اور بلاد یمن اور بحرین اور طائف وغیرہ وغیرہ سب فتح ہو گئے اور آپ کی وفات کے بعد اللہ کے یہ تینوں وعدے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر پورے ہوئے جن کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور کسی منکر کو انکار کی جرأت نہ ہوئی۔

پہلا وعدہ استخلاف فی الارض کا تھا یعنی زمین میں تم کو خلافت اور سلطنت عطا کریں گے سو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ایسی بادشاہت عطا کی کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے ہاتھ آئیں اور اس وقت روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں سب سے بڑی تھیں۔ عہد فاروقی میں دونوں زیر و زبر ہو گئیں اور آپ کے زمانہ میں بلاد شام اور بلاد عراق اور بلاد مصر اور اکثر اقلیم فارس فتح ہو گئے اور دن بدن دائرہ فتوحات کا وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ دنیا میں جو سلطنت باقی رہ گئی وہ اس قابل نہ تھی کہ اسلامی حکومت کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے اور اسی کا نام اقتدار اعلیٰ ہے۔

دوسرا وعدہ تمکین دین متین کا تھا یعنی جو دین خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو گا وہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا سو اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ مشرق سے مغرب تک اسلام پھیل گیا اور ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر ہو گئے یعنی ہر جگہ اسلامی عدالتیں قائم ہو گئیں۔ غرض یہ کہ ان حضرات کے زمانہ میں دین اسلام کے قدم روئے زمین پر ایسے جم گئے کہ ظاہری اسباب میں ان کا اکھڑنا ناممکن ہو گیا اور بظاہر کوئی قوت ایسی نہ رہی کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب ہو سکے۔

تیسرا وعدہ عطاء امن بعد الخوف تھا وہ بھی بحمدہ تعالیٰ پورا ہوا اور مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے دشمنوں سے نجات ملی اور امن و امان کی یہ کیفیت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے دور خلافت میں اور خاص کر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کو کافروں کا کوئی خوف و خطرہ نہ تھا۔ معاملہ برعکس ہو گیا، بجائے مسلمانوں کے کافر خوف زدہ ہو گئے۔ جس طرح مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا، اسی طرح کافروں کا امن خوف سے بدل گیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ کے یہ تینوں وعدے خلفائے راشدین کے ہاتھوں پورے ہوئے۔

مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی اس کے بعد ملک عضوض ہو گا۔ معلوم ہوا کہ یہ وعدہ حاضرین اور موجودین سے تھا۔ لہٰذا بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ اس وعدہ کے مصداق امام مہدیؑ ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے بالکل غلط ہے اس لیے کہ امام مہدیؑ اس وقت موجود نہ تھے۔ وعدہ تو حاضرین سے ہو اور مراد اس سے وہ شخص ہو کہ جو حاضرین موجودین کے گزر جانے کے صدہا برس بعد پیدا ہو یہ سراسر جہل اور غیر معقول ہے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک چاروں خلیفہ اس وعدہ الٰہی کے مصداق ہیں اور خوارج حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں اور شیعہ خلفاء ثلاثہ کو خارج سمجھتے ہیں اور یہ دونوں قول باطل ہیں۔ حق یہ ہے کہ چاروں خلفاء کی خلافت، خلافت نبوت تھی اور علی الخصوص ان چاروں حضرات کی خلافت علی منہاج النبوت تھی اور اسی خلافت حقہ راشدہ کی مصداق تھی جس کا اس آیت میں وعدہ کیا گیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کا جہاد و قتال تنزیل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو نزول قرآن کے منکر تھے اور حضرت علیؓ کا قتال تاویل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو بظاہر نزول قرآن کو تو مانتے تھے مگر تاویلات فاسدہ کر کے اصل مقصد کو فنا کر دیتے تھے۔ خلیفہ اول نے کفر اور ارتداد کے فتنہ کا مقابلہ کیا۔ امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نہ ہوتے تو ہم کو باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے۔

فوائد و لطائف

۱۔ استخلاف کے معنی خلیفہ بنانے کے ہیں جس سے عرف عام میں بادشاہ بنانا مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ یَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ اس آیت میں لفظ خلیفہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہ اور فرمانروا بنانا مراد ہے اور حدیث میں ہے سیکون فی آخر الزمان خلیفۃ یحثی المال حثیا الحدیث۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضور پرنورؐ سے یہ وعدہ کیا کہ آپؐ کے بعد آپ کے صحابہ کو زمین کا بادشاہ بنائیں گے۔

۲۔ اور لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ان میں کی ایک جماعت کو خلیفہ بنانے والا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ فلاں قوم حاکم یا جبار یا بااقتدار ہے حالانکہ خلیفہ اور حاکم اور بااقتدار ان میں سے معدودے چند ہی ہوتے ہیں نہ کہ سب مگر ہیں آ سب کی طرف نسبت کی جاتی ہے کیونکہ حکومت اور دولت میں سب ہی شریک ہوتے ہیں اور جس قوم کی حکومت ہوتی ہے اس کا ہر فرد بادشاہ ہی کہلاتا ہے کما قال تعالیٰ وَجَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا اور وہ سلطنت تمام قوم کی سلطنت کہلاتی ہے۔

۳۔ آیت میں استخلاف کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی ان کو خلیفہ بنانے والا ہو گا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ استخلاف بغیر اسباب ظاہری کے ظہور میں آئے گا۔

صرف غائبین مراد ہوں۔ لہٰذا فقط امام مہدیؑ کا روئے زمین پر تسلط اس وعدۂ الٰہی کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ امام مہدیؑ نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ چونکہ وعدۂ استخلاف مؤمنین صالحین سے ہے سو اس وعدہ کے اولین مصداق تو خلفاء اربعہ ہیں اور آخری زمانہ میں آخری مصداق امام مہدیؑ ہوں گے۔

نیز لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ کا لام حالیت کو مؤکد کرکے استقبال کی نفی کرتا ہے اور کسی زبان کا یہ قاعدہ نہیں کہ صیغہ حاضر بول کر حاضرین کا کوئی فرد مراد نہ ہو بلکہ صرف آئندہ کے غائبین مراد ہوں۔ وعدہ تو حاضرین سے اور مراد ہوں آئندہ زمانہ کے غائبین سو یہ دھوکہ اور فریب ہے جس سے اللہ کا کلام منزہ ہے۔

۵۔ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آپ کے ان متبعین سے ہے جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف تھے اور مرتے دم تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں گے۔ مرتدین اور منافقین سے یہ وعدہ نہیں تھا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعدۂ استخلاف کی علت یہی ایمان اور عمل صالح ہے اور اس وعدہ کا باعث اور موجب صرف ایمان اور عمل صالح ہے اس لیے کہ جب مشتق پر حکم لگایا جاتا ہے تو مبداء اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے۔ لہٰذا جو اس صفت میں اول نمبر ہوگا اس کو یہ انعام (خلافت) اول دیا جائے گا اور تقسیم انعام کا طریقہ بھی یہی ہے کہ جو اول نمبر ہوتا ہے اس کو انعام میں مقدم رکھا جاتا ہے اور چونکہ خلفائے راشدین اس صفت میں سب سے اول اور مقدم تھے اس لیے انعام خلافت میں بھی وہ مقدم ہوئے اور اس بات کا علم کہ ایمان اور عمل صالح میں سب سے اول اور مقدم کون ہے، صحابہ کرام سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صحابہ نے جس کو ایمان اور عمل صالح میں اول سمجھا اس کو خلیفۂ اول بنایا اور جس کو دوم اور سوم اور چہارم سمجھا اس کو خلیفۂ دوم وسوم وچہارم بنایا۔ نیز اس قید سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وعدۂ خلافت ایمان اور عمل صالح کی بنا پر ہے نہ کہ قرابت کی بنا پر ورنہ قرابت میں سب سے اول حضرت سیدہؓ ہیں اور پھر امام حسنؓ اور پھر امام حسینؓ اور پھر حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ۔ پس اگر خلافت بربنائے قرابت مانی جائے تو اس اعتبار سے بھی حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم بنتے ہیں۔ اہل سنت نے کیا قصور کیا جو ان کو خلیفۂ چہارم بنانے سے مطعون کیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ اگر خلیفۂ چہارم بھی بنے تو وہ مہاجرین اور انصار ہی کے بنانے سے بنے شیعوں کی طرف سے حضرت علیؓ کو کچھ بھی نہیں ملا اور اگر عباسؓ کی قرابت کا لحاظ کیا جائے تو وہ حضور پر نورؐ کے چچا تھے اور چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے تو اس اعتبار سے شاید حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم نہ بن سکتے۔

۶۔ اور لفظ فِی الۡاَرۡضِ سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ استخلاف سے بادشاہت اور سلطنت ظاہری اور حسی تسلط مراد ہے کیونکہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن بدون حکومت کے ممکن نہیں۔

اور حضرات شیعہ جو اپنے ائمہ سے نقل کرتے ہیں کہ استخلاف سے خلافت اور تمکین فی العلم مراد ہے وہ سراسر کذب اور افتراء ہے کیونکہ آیت میں استخلاف مقید بقید فِی الۡاَرۡضِ وارد ہوا ہے جو بغیر سلطنت اور ظاہری تسلط کے حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر بخاطر شیعہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ استخلاف سے علمی اور دینی حکومت مراد ہے تو وہ حضرت علیؓ کو حاصل تھی اس میں جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ بقدر علم ہر شخص کو علمی

حکومت اور علمی اقتدار حاصل ہے وہ اللہ کے عطایہ سے ہے۔ بندوں کو اس کا کوئی اختیار نہیں اس معنی کر شیعوں کا سارا جھگڑا ختم ہوجاتا ہے۔

۷۔ اور کلمہ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاد شام کی فتح کا وعدہ فرمایا مگر اس وعدہ کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ با سعادت میں نہیں ہوا بلکہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ حضرت یوشع کے ہاتھ پر ہوا اور اسی شہر حضرت یوشع کے عہد خلافت میں فتح ہوئے اور بنی اسرائیل کو امن اور اطمینان حاصل ہوا۔

اسی طرح حق جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بلاد شام اور بلاد عجم کا وعدہ کیا تھا۔ وہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ اور ان کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو امن اور اطمینان نصیب ہوا، جس طرح یوشع علیہ السلام کی خلافت بلا فصل تھی اسی طرح ابوبکر صدیق کی خلافت بلا فصل تھی آیت میں استخلاف سے وہ استخلاف مراد ہے جو متصلاً اور متتابعاً ہو۔

۸۔ آیت کریمہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ کے معنی یہ ہیں کہ ان کی سعی اور کوشش سے دین اسلام کو تمکین اور تقویت حاصل ہوگی اور تائید الٰہی ان کے شامل حال رہے گی اور ان کی سعی اور کوشش کے نتائج وہم و گمان سے بڑھ کر ظہور پذیر ہوں گے۔

اور کلمہ لَهُمْ اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن اصل میں انہی اشخاص کے لیے ہوگی جن کو اللہ اپنے دین کا خلیفہ بنائے گا یہ نعمت عظمٰی اولاً بالذات انہی حضرات کو عطا ہوگی اور دوسرے لوگوں کو یہ دولت ان کی بدولت اور ان کے طفیل سے ملے گی۔

۹۔ اور کلمہ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس دین کو اس زمانہ میں تمکین اور قوت حاصل ہوگی وہی دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا کیونکہ اس دین کو تمکین اور قوت دینے والا خدا تعالیٰ ہوگا اور وہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا اور جس دین کو اس زمانہ میں ظہور اور رواج حاصل ہوگا۔ وہی دین حق ہوگا اور جو دین پوشیدہ رہے گا۔ وہ پسندیدہ خداوندی نہ ہوگا۔

حضرات شیعہ کے نزدیک جو دین پسندیدہ تھا وہ ہمیشہ پوشیدہ رہا اور ائمہ اہل بیت ہمیشہ تقیہ کرتے رہے اور اپنے دین کو چھپاتے رہے اپنے دین کے ظاہر کرنے پر قادر نہ ہوئے معلوم ہوا کہ جو دین پوشیدہ رہا وہ حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا اس لیے کہ اگر وہ دین پسندیدہ ہوتا تو حسب وعدۂ خداوندی اس کو تمکین اور قوت حاصل ہوتی اور ظاہر و باہر ہوتا۔

نیز اس لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں جو فتویٰ شائع ہوا ہے وہ حجت شرعیہ ہے اس لیے کہ وہ دین مرتضیٰ کا مصداق ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت و جماعت میں سے نہیں۔ نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لیے

اس کا منشا یہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لئے ارشاد کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے احکام کا ماننا رعایا پر واجب ہے کیونکہ جب صراحۃً آیت میں وعدہ کی اسناد اللہ کی طرف ہے اور بعد میں لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا تعالیٰ نے خلیفہ مقرر کر دے اس کی اطاعت بلاشبہ واجب ہے۔

۱۱۔ اور کلمہ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ أَمۡنًاؕ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن کے کفیل اور ذمہ دار خود حق تعالیٰ ہیں اس لئے کہ ان افعال کی اسناد باری تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ بات خلافت راشدہ ہی میں ممکن ہے، خلافت جابرہ اور خلافت جائرہ میں ممکن نہیں اور یہ تمام باتیں خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں علی وجہ الکمال والتمام حاصل ہوئیں جب کسریٰ اور قیصر کی سلطنتیں ختم ہوئیں تو دین اسلام کو تمکین اور استقرار حاصل ہوا، اور عرب اور عجم میں دین اسلام پھیل گیا اور بلاد عرب و عجم ان کے زیر فرمان آئے اور اسلام کے قدم روئے زمین میں جم گئے اور مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا اور اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی نہایت مامون اور بے خوف و خطر تھے اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں کفر سے مقابلہ رہا، یہاں تک کہ کفر اتنا ذلیل و خوار ہو کر سر اٹھانے کے قابل نہ رہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں بدعت نے سر اٹھایا اور خارجیوں کا فتنہ ظاہر ہوا، حضرت علیؓ نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور بدعت کو خوب ذلیل اور رسوا فرمایا حتیٰ کہ اسی جہاد میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ اور تشیع اور رافضیت کے فتنہ کا آغاز بھی حضرت علیؓ ہی کے زمانہ میں ہوا مگر چونکہ یہ فتنہ خارجیوں کے فتنہ کی طرح ظہور پذیر نہ ہوا تھا اس لئے حضرت علیؓ نے کھلم کھلا اس کے مقابلہ کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ یہ کافی سمجھا کہ برسرِ منبر اپنے خطبات میں شیخینؓ کے فضائل اور مناقب بیان فرمائیں اور لوگوں کو یہ خوب سمجھا دیں کہ امت میں شیخینؓ سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں۔ سوائے اللہ افضلیت شیخین کے مسئلہ کو بھی اس قدر واضح فرما گئے کہ حضرات شیعہ کے لئے کوئی گنجائش نہ چھوڑی غرض یہ کہ خارجیت اور شیعیت ان دونوں متقابل بدعتوں کا خاتمہ فرما گئے اور شریعت میں باب البغاۃ یعنی باغیوں کا باب تشنہ اور محتاج تھا، باغیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے طرز عمل نے اس باب کی تکمیل کر دی۔

شیخینؓ کے زمانہ میں قتال کفار کے مسائل کی توضیح اور تشریح ہوئی، جزیہ اور خراج کے مسائل معلوم ہوئے اور ختنین یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں قتال بُغاۃ کے مسائل کی تشریح اور تفصیل ہوئی اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عثمانؓ اور حضرت علیؓ نہ ہوتے تو ہم کو بُغاۃ یعنی باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے طرز عمل نے مسائل بغاۃ کے استخراج اور استنباط میں فقہاء کرام کی رہنمائی کی۔

کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں اہل اسلام دینی اور دنیوی ترقیات کے لحاظ سے اوج کمال کو پہنچے، احکام شریعت جاری ہوئے۔ اسلام سربلند ہوا اور کفر سرنگوں ہوا۔ اور کفار ذلیل و خوار ہوئے اور اہل اسلام کے باج گزار بنے اور جہاد کا بازار گرم ہوا اور ملک کے ملک مسلمانوں کے زیر نگین آئے اور وعدۂ استخلاف سے جو غرض تھی کہ دین اسلام سربلند ہو اور دنیا پر حکمران ہو یہ غرض خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں خوب حاصل ہوئی۔ اگر ان حضرات کی خلافت کاذبہ اور ظالمہ اور جابرہ اور غاصبہ ہوتی تو یہ دینی اور دنیوی ترقی ان کو حاصل نہ ہوتی اور دل و جان سے لوگ ان پر متفق نہ ہوتے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ اور کسی کا یہ خیال کرنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شروع میں خلافت نہ ملنے کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ سے ناراض رہے۔ سو اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ان کے برخلاف ان کے ساتھ خلوص اور اتحاد اور ساری عمر ہر وقت ان کے پیچھے نماز پڑھنا روایات متواترہ سے ثابت ہے اور اس سے زیادہ اتحاد اور ارتباط کی کیا دلیل ہوگی کہ حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی کا حضرت عمرؓ سے نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ و اہل سنت ثابت ہے۔

نیز فریقین کی کتابوں سے یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان تمام احکام اور سنن کو جاری اور باقی رکھا جو خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری تھیں پس اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافتیں اور ان کے احکام بدعت تھے تو حضرت علیؓ پر ان کی تائید قطعاً حرام تھی کیونکہ بدعت کی تائید باتفاق فریقین موجب لعنت ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کے ڈھانے کی سعی اور کوشش ہے۔ اہل سنت والجماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان تمام خرافات سے پاک اور منزہ سمجھتے ہیں اہل سنت کا یقین ہے کہ حضرت علیؓ شیر خدا تھے۔

بالفرض محال وہ اگر خلفاء ثلاثہ کو کافر اور منافق سمجھتے تو مدینہ سے ہجرت کر جاتے مگر کافروں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ نہ بنتے معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایتیں دشمنان اہل بیت کی ساختہ اور پرداختہ ہیں۔

خاتمۂ کلام و فذلکۃ المرام

بحمدہ تعالیٰ آیت استخلاف کی تفسیر سے فراغت ہوئی اب ہم شیعوں پر حجت پوری کرنے کے لیے جناب مستطاب مشکل کشائے دارین حضرت ابو الحسنین یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کلام معرفت التیام اس کو ختم کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک خلفاء ثلاثہ اسی وعدۂ الٰہی کے سچے مصداق ہیں اور سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اب اس کلام صداقت نظام و حقیقت التیام کو گوش دل سے سنیے۔

چنانچہ نہج البلاغت میں (جو شیعوں کی اعلیٰ ترین کتاب ہے) مذکور ہے کہ جب عمر بن الخطابؓ نے اہل فارس کی لڑائی میں جانے کے لیے حضرت امیرؓ سے مشورہ کیا تو حضرت امیرؓ نے جواب میں یہ عبارت ارشاد فرمائی۔

ان هذا الامر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا قلة وهو دين الله الذي اظهره وجنده الذي اعزه وايده حتى بلغ ما بلغ وطلع حيث طلع ونحن على موعود من الله تعالى حيث قال وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم الى آخر الآية والله منجز وعده وناصر جنده

(نهج البلاغة ص ۲۱۱ باب خطبه در امامت وازالة الخفاء ص ۱۲)

بے شک اس دین کی فتح و شکست لشکر کی کثرت سے نہیں ہوئی اور نہ لشکر کی قلت سے اس کو شکست ہوئی بلکہ یہ دین خدا کا دین ہے جس نے اس کو غلبہ عطا کیا اور لشکر اسلام اللہ کا لشکر اور اس کی فوج ہے کہ خدا نے اس کو عزت اور قوت دی یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا اور ظاہر اور روشن ہوا جیسا کہ ظاہر اور روشن ہوا اور ہم خدا کے وعدہ پر ہیں جیسا کہ اس نے قرآن عزیز میں اہل ایمان سے خلافت اور تمکین دین اور امن کا وعدہ کیا ہے جو اس آیت یعنی وعد اللہ الذین امنوا منکم میں مذکور ہے یعنی اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرے اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا یعنی ان کو غلبہ اور فتح دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خلافت خلفاء ثلاثہ موعود فی القرآن کا مصداق ہے اور نہج البلاغہ کے تمام شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کا مقصود آیت استخلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حضرات شیعہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

حضرات شیعہ نے اس آیت میں بہت کوشش کی ہے کہ کوئی ایسی تاویل کی جائے کہ آیت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت نہ ہو۔

تاویل اول: استخلاف سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی زمین میں رہنا، اصطلاحی معنی یعنی خلافت نبوت مراد نہیں۔

جواب: زمین میں رہنے کا حق تو کافروں کو بھی ہے، وعدہ استخلاف کے لیے مؤمنین صالحین کی کیوں تخصیص کی گئی اور وعدہ استخلاف میں ایمان اور عمل صالح کی قید کیوں لگائی گئی۔

دوم یہ کہ الفاظ قرآنی کو معانی شرعیہ سے ہٹا کر معانی لغویہ پر محمول کیا جائے تو تمام شریعت درہم برہم ہو جائے پھر جہاں کہیں قرآن میں لفظ ایمان کا آتا ہے اس کو تصدیق لغوی پر محمول کر لیں اور لفظ صلوٰۃ کو دعا پر اور لفظ

کی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

اسی طرح یہ استخلاف فی الارض بھی بطور خرق عادت تھا۔ حضرات خلفاء کو جس قسم کی حکومت اور بادشاہت عطا ہوئی وہ اسباب سے کہیں بالا اور برتر تھی۔ باوجود بے سرو سامانی کے قیصر و کسریٰ کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا یہ محض قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا اسی لیے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ میں حق تعالیٰ نے استخلاف کو اپنی طرف منسوب فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس وعدہ کا ظہور بطور خرق عادت ہوگا۔ ظاہری اسباب اور سامان کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خلافت اور حکومت جو صحابہ کرام کو دی جائے گی وہ اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہوگی۔ جیسا کہ لفظ عبادی اور بیت اللہ اور نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف اضافت کمال تشریف اور غایت رضا پر دلالت کرتی ہے۔

فائدہ جلیلہ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف فی الارض سے اصل مقصود تمکین دین ہے۔ دین کے استحکام اور مضبوطی کے لیے حکومت اور سلطنت عطا کی گئی۔ اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس میں قانون شریعت کو برتری اور بالادستی حاصل ہو۔

اعتراض

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ انتظام ملکی اور ملکی فتوحات خلافت حقہ کی دلیل نہیں بن سکتے۔

جواب

اس آیت میں خلفاء راشدین کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ زمین کے خلیفہ ہوں گے اور بزور شمشیر و سلطنت دین متین کو مضبوط اور مستحکم کر دیں گے۔ ہاں اگر خلفاء راشدین کے زمانہ میں ترقی اسلام نہ ہوتی بلکہ مثل تیمور فقط ملک گیری ہوتی تب تو کچھ گنجائش تھی لیکن جب کہ عرب سے لے کر ایران تک انہیں کی بدولت غلبۂ اسلام جاری ہوا پھر تو ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ (دیکھو اجوبۂ اربعین ص ۱۰۳)

جب دینی شان و شوکت اور ظاہری غلبہ کے ساتھ دین اسلام بھی ادیان پر غالب اور سر بلند ہو جائے اور کفر کو اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہے تو ایسے فرمانرواؤں کی خلافت راشدہ اور خلافت حقہ ہونے میں کیا شائبہ ہو سکتا ہے۔

خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جو بلاد اور اقالیم مفتوح ہوئے وہ اسلامی بلاد بن گئے اور اسلام کا رنگ ان پر غالب آ گیا اور شعائر اسلام کامل طور پر ظہور میں آئے اور اسلام اور علوم اسلامیہ تمام علوم پر غالب آ گئے ہر گلی اور کوچہ سے اور ہر در و دیوار سے اسلام کی آوازیں آنے لگیں۔ اسلام سربلندی میں آسمان کو پہنچا اور کفر ذلیل اور خوار اور سرنگوں ہوا۔ جو بلاد بعد میں فتح ہوئے اگرچہ وہ سلاطین اسلام کے ہاتھ سے فتح ہوئے مگر ان کے دور حکومت میں اسلام کو وہ عزت اور سربلندی نصیب نہیں ہوئی کہ جو خلفاء راشدین کے دور حکومت میں ہوئی۔

نیز خلفاء راشدین کے دورِ حکومت میں حکومت و سلطنت کا تمام کارخانہ قانونِ شریعت کے مطابق چلا جزیہ اور خراج تمام محصولاتِ ملکی اور تقسیم غنائم اور جہادات اور ملکی فتوحات سب شریعت کے مطابق ہوا گیا۔ ذرہ برابر کتاب و سنت سے عدول نہیں کیا گیا۔

نیز تمام روئے زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بادشاہتوں پر منقسم تھی، کسریٰ اور قیصر روئے زمین میں سب سے بڑے فرمانروا یہی دو تھے اور باقی ملوک اور فرمانروا انہی دو میں سے کسی کے ماتحت اور ان کے باجگذار تھے، پس خلفاء راشدین کا ان دو بادشاہوں کو شکست دے دینا درحقیقت تمام روئے زمین کی فتح کے مترادف اور ہم معنی تھا۔ کیا ابوبکرؓ و عمرؓ کا دس بارہ سال کی مدت میں باوجود بے سروسامانی کے آدھی آدھی دنیا کی دو منظم طاقتوں کو جن کی مال و دولت اور قوت و شوکت میں روئے زمین پر کوئی نظیر نہ تھی بیک وقت ان کو شکست فاش دے دینا اور ان کے خزانوں اور مال و دولت اور جواہرات کو لا کر مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دینا اور مسجد کے پرانے بوسیدہ بوریئے پر بیٹھ کر فقراء مسلمین پر ان کو تقسیم کر دینا کیا یہ اس کی دلیل قطعی نہیں کہ تائید غیبی ان کے ساتھ ہے اور حق جل شانہ نے نبی امی فداہ نفسی وامی سے جو وعدے کئے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤد اور سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ ہائے خداوندی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ہاتھوں پورے ہوگئے (دیکھو قرۃ العینین ص ۲۲۲)

مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق	گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
چاکرانت شہرہا گیرند و جاہ	دین تو گیرد ز ماہی تا بماہ

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہل اسلام کے قبضہ میں آگیا تھا اور نواحی عرب میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہوگیا تھا، خیبر جو یہودیوں کا اڈہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا، اور ہجر کے مجوسی اور نواحی شام کے کچھ عیسائی جزیہ گزار ہو گئے تھے، صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے اور عراق اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت و اقبال کچھ نہ ملا اور قیصر روم نے ہر چند ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بے خوف و خطر توحید حق پھیل گئی اور کفر و شرک اور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض جگہوں سے بالکل خاتمہ ہوگیا اور بعض جگہ مقہور و مغلوب ہو گئی اور عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہوگیا۔

اور سنہ ۳۱ھ میں حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام و نشان

الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

پیچھے ۔ یہ تین وقت کھلنے کے ہیں تمہارے کچھ گناہ نہیں تم پر نہ اُن پر

جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى

اُن کے پیچھے ۔ پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے پاس

بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں ۔ اور اللہ سب جانتا

حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَإِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا

ہے حکمت والا۔ اور جب پہنچیں لڑکے تم میں عقل کی حد کو تو ویسی پروانگی لیں

كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

جیسے لیتے رہے ہیں اُن سے اگلے ۔ یوں کھول سناتا ہے اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

تم کو اپنی باتیں، اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

حکم یازدہم متعلق بہ استیذان

قال اللہ تعالیٰ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۔

(ربط) آغاز سورت میں عفت وعصمت و آداب معاشرت کے متعلق احکام کا ذکر تھا جن میں ایک حکم استیذان کا تھا کہ کسی گھر میں بلا اجازت کے داخل نہ ہو۔ اب پھر اسی حکم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان آیات میں غلاموں اور نابالغ بچوں کو اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم ہے اور شروع سورت میں جو اجازت لینے کے احکام مذکور تھے وہ اجنبیوں کے متعلق تھے کہ کسی کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی اب یہ آیتیں اسی گزشتہ حکم استیذان کا تتمہ اور تکملہ ہیں کہ جو لونڈی اور غلام اور نابالغ بچے گھر میں رہتے ہیں تین وقتوں میں ان کو بھی تمہارے کمرہ میں اجازت لے کر آنا چاہئے۔ یہ اوقات خلوت و استراحت کے ہیں۔ بسا اوقات انسان کے سوتے وقت اس کا کپڑا اتر جاتا ہے اور ستر کھل جاتا ہے۔ لہٰذا ان تین اوقات میں غلام و

اور کنیزوں کو بھی بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہونا چاہیئے، باقی اوقات میں ان کو اجازت کی ضرورت نہیں۔
چنانچہ فرماتے ہیں، اے ایمان والو چاہیئے کہ اجازت لے کر آیا کریں تم سے وہ لوگ بھی کہ جو ملک میں ہیں تمہارے
ہاتھ یعنی لونڈی اور غلام اور وہ لڑکے جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے وہ تین وقت میں تم سے آنے کی اجازت
لیا کریں، یعنی تین وقتوں میں بغیر اجازت لیے تمہارے پاس نہ آیا کریں ایک تو نماز فجر سے پہلے اور دوسرے دوپہر
کے وقت جب تم قیلولہ کے لیے اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد جب آدمی اپنی اہلیہ کے
ساتھ تخلیہ میں ہو جاتا ہے، یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے ہیں۔

اس لیے ان تین وقتوں میں بغیر اجازت لیے تمہارے پاس نہ آیا کریں اور بعد ان تین وقتوں کے بغیر
اجازت لیے تمہارے پاس آنے میں نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کیونکہ وہ تم پر کثرت سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ یعنی
بکثرت اور بار بار تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے پاس اس لیے ہر دفعہ میں اجازت لینے میں دشواری
ہے یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ اس کا ہر
حکم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اور جب تم میں کے لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں یعنی بالغ ہو جائیں یا قریب بلوغ
ہو جائیں تو تمہارے پاس آنے کے لیے تم سے جملہ اوقات میں اجازت لیا کریں جیسا کہ اجازت مانگتے ہیں وہ
لوگ جو ان سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں، مطلب یہ ہے کہ لڑکا جب تک نابالغ ہے تو تین وقتوں کے سوا باقی اوقات
میں بغیر اجازت لیے اندر آ سکتا ہے اور جب حد بلوغ کو پہنچ گیا تو پھر اس کا حکم انہی مردوں جیسا ہے جو اس سے
پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور ان کا حکم پیشتر آیت یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی
تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَ تُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَہۡلِہَا میں مذکور ہو چکا ہے یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے اور
اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

وَالۡقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیۡ لَا یَرۡجُوۡنَ نِکَاحًا فَلَیۡسَ

اور جو بیٹھ رہی ہیں تمہاری عورتیں، جن کو توقع نہیں بیاہ کی اُن پر

عَلَیۡہِنَّ جُنَاحٌ اَنۡ یَّضَعۡنَ ثِیَابَہُنَّ غَیۡرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ

کوئی گناہ نہیں کہ اُتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا

بِزِیۡنَۃٍ ؕ وَ اَنۡ یَّسۡتَعۡفِفۡنَ خَیۡرٌ لَّہُنَّ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ

سنگار۔ اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کو۔ اور اللہ سب سنتا

عَلِیۡمٌ ﴿۶۰﴾

ہے جانتا۔

حکم دوازدہم متعلق بہ تستر

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا ..... الیٰ ..... وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔

(ربط) شروع سورت میں عورتوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ کما قال تعالیٰ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ۔ اب ان آیات میں بوڑھی عورتوں کے متعلق حکم بیان کرتے ہیں کہ ان کے لیے اس درجہ تستر ضروری نہیں جتنا کہ جوان عورتوں کے لیے تستر ضروری ہے۔ عورت کا جب زمانہ شباب گزر گیا اور بڑھاپے کی اس منزل کو پہنچ گئی کہ نکاح کی اس کو حاجت نہ رہی تو ایسی حالت میں اگر وہ اپنے گھر میں تھوڑے کپڑوں میں بھی رہے تو درست ہے اور بہتر یہ ہے کہ پردہ رکھیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بڑی عمر والی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں رہی اور گھر میں بیٹھی رہتی ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے گھر میں زائد کپڑے اتار کر رکھ دیں۔ جیسے چادر اور برقع۔ بشرطیکہ وہ اس سے اپنی زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں یعنی چادر اور برقع کے اتار دینے سے مقصود غیر مردوں کو اپنے محاسن کا دکھلانا نہ ہو تو پھر زائد کپڑے اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں اور اگر وہ اس سے بھی بچیں یعنی اپنے زائد کپڑے بھی نہ اتاریں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یعنی ان کے قول کو سنتا ہے اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ

نہیں اندھے پر کچھ تکلیف، اور نہ لنگڑے پر تکلیف،

وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَنْ

اور نہ بیمار پر تکلیف، اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے

تَاْکُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ

گھروں سے یا اپنے باپ کے گھروں سے، یا

اُمَّهٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِکُمْ

اپنی ماں کے گھروں سے، یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے،

اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ

یا اپنے چچا کے گھر سے، یا اپنی پھوپھی کے گھر سے، یا اپنے

أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُم مَّفَاتِحَهُ

ماموں کے گھروں سے۔ یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے۔ یا جن کی کنجیوں کے مالک ہوئے ہو

أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا

یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ

جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا

مل کر یا جدا

حکم سیزدہم متعلق باہمی اکل وشرب

قال اللہ تعالیٰ۔ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ ..... الیٰ .... أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا

ربط۔ گزشتہ آیات میں جو احکام بیان کیے گئے وہ آداب معاشرت سے متعلق تھے اب آیت میں باہمی اکل وشرب کے آداب کو بیان کرتے ہیں جب حق جل شانہ نے قرآن کریم میں یہ حکم نازل کیا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ تو مسلمانوں نے احتیاط کی بنا پر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے گھروں کا کھانا کھانا بھی چھوڑ دیا اور خیال کیا کہ بلا ضرورت کسی کے گھر کا کھانا حلال نہیں حتی کہ اندھوں اور لنگڑوں اور بیماروں نے بھی اپنے اعزا اقارب کے گھر جانے میں تنگی محسوس کی اور خیال کیا کہ شاید یہ ہماری معذوری اور بیماری دوسروں کے لیے باعث گرانی ہو۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

فرمایا۔ نہ نابینا پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کچھ گناہ ہے اور نہ مریض پر کچھ گناہ ہے اور نہ تم پر کچھ گناہ ہے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ۔ یعنی اپنی اولاد اور بیوی کے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو۔ یعنی جن کے تم مختار ہو اور وہ مکان تمہارے زیر تصرف ہو مثلاً کسی نے تم کو اپنے مکان کا رکھوالا بنا دیا ہے تو بقدر ضرورت تم کو اس سے کھانے کی اجازت دی ہے یا اپنے دوست

ملہ۔ یہ قید اس لیے لگائی کہ صدیق بمعنی صادق۔ سے مشتق ہے جس کے معنی سچے دوست کے ہیں [illegible] دلالت میں [illegible]

حکم چہاردہم متعلق بسلام اہل خانہ

قال اللہ تعالیٰ۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ... الیٰ ... لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بتلا دیا کہ کن کن گھروں میں کھانے پینے کی اجازت ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے، یہ تمام تر آداب اکل کا بیان تھا۔ اب کسی مکان میں داخل ہونے کا ادب سکھلاتے ہیں کہ جب اپنے اعزہ اور اقارب کے گھروں میں داخل ہوا کرو تو سلام کیا کرو جو ان کے لیے سلامتی کی دعا ہے، واضح ہو کہ آغاز دعاء خیر و سلامت سے موجب صد خیر و برکت ہے۔

اور اس طرح گھر میں داخل ہونا موجب خیر و برکت بھی ہے اور موجب مسرت بھی ہے کہ گھر والوں نے تمہاری زبان سے دعاء خیر و سلامت سنی۔ چنانچہ فرماتے ہیں پھر جب تم اپنے گھروں میں داخل ہونے لگو تو چاہیے کہ اپنے گھر والوں پر سلام کیا کرو، دعا کے طور پر جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے بہت خیر و برکت والی اور پاکیزہ دعا جس سے سننے والے کا دل خوش ہو جائے یعنی گھروں میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم کہنا یہ اللہ کی تعلیم کی ہوئی دعا ہے جو نہایت عمدہ اور بابرکت ہے جس کو سنتے ہی دل خوش ہو جاتا ہے کہ یہ داخل ہونے والا میری خیر اور سلامتی چاہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کے حکموں کو سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ نے تم کو گھروں میں داخل ہونے اور کھانا کھانے کے آداب بتلا دیئے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا

ایمان والے وہ ہیں۔ جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب

كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى

ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک

يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

اس سے پروانگی نہ لیں۔ جو لوگ تجھ سے پروانگی لیتے ہیں وہی ہیں جو

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ

مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو۔ پھر جب پروانگی مانگیں تجھ سے اپنے

شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ

کسی کام کو تو دے اجازت جس کو ان میں تو چاہے اور معافی مانگ ان کے واسطے

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۲ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ

اللہ سے، اللہ بخشنے والا ہے مہربان ۔ مت ٹھہراؤ بلانا رسول کا

الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ

اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک کو ایک ۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ

اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر ۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ

سو ڈرتے رہیں جو لوگ خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا کہ

تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۳ اَلَآ

پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دکھ کی مار ۔ سنتے ہو

اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں ۔ اس کو معلوم ہے جس

اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ

حال پر تم ہو ۔ اور جس دن پھیرے جاویں گے اس کی طرف تو بتا دے گا

بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ان کو جو انہوں نے کیا ۔ اور اللہ سب چیز

عَلِيْمٌ ۝۶۴

جانتا ہے ۔

حکم پانزدہم متعلق بآداب مجلس نبویؐ

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں عام مجالس کے آداب کا اور عام استیذان کا ذکر تھا اب ان آیات میں خاص مجلس نبوی کے آداب بیان کرتے ہیں کہ مجلس نبوی سے جاتے وقت استیذان (اجازت لینے) کی ضرورت ہے اور آپ کے بلانے کے وقت حاضری واجب ہے اور آپ کی مجلس سے بغیر اجازت لیے اٹھ کر چلے جانا یا آپ کے بلانے پر حاضر نہ ہونا یہ منافقین کا شیوہ ہے۔ رسول اللہ کی تعظیم اور آپ کا ادب اور احترام ایمان کا جزو ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جز ایں نیست کہ کامل ایمان دار تو وہی ہیں جو صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب آپ کے ساتھ ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لیے مجمع کیا گیا ہے یعنی جس میں جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً نماز جمعہ یا نماز عید یا جہاد یا غزوہ یا کوئی مشورہ اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ لوگ جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں اس وقت تک آپ کی مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے۔

صحیح الایمان لوگوں کا طریقہ یہی تھا کہ آپ کی مجلس سے بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے تھے مگر منافق لوگ آنکھ بچا کر بغیر اجازت لیے نکل جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جتلا دیا کہ اجازت لینا صدق اور اخلاص کی دلیل ہے اور ادب اور تعظیم کی علامت ہے کہ اپنی ضرورت کو آپ کی اجازت پر موقوف رکھا اور استاذ اور مرشد کی مجلس کا بھی یہی حکم ہے۔ بے شک جو لوگ اپنی ضروریات میں جانے کے لیے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں کہ وہ بغیر آپ کی اجازت کے آپ کی مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے پس جب یہ اہل ایمان اپنے کسی ضروری کام کے لیے آپ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں یعنی جس کو اجازت دینا مناسب سمجھیں اسے اجازت دے دیں اور چاہے نہ دیں آپ کو اختیار ہے اور اجازت دینے کے بعد ان کے لیے دعاء مغفرت کیجئے اس لیے کہ اگرچہ ان کا عذر صحیح ہو لیکن آپ کی مجلس مبارک سے مفارقت میں یہ ایہام ضرور ہے کہ انہوں نے آپ کی مجلس پر کسی دوسری مجلس کو ترجیح دی گویا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ اس لیے نبی کریم آپ ان مخلصین کے حق میں دعاء مغفرت فرمائیے تاکہ آپ کی استغفار سے ان کی اس تقصیر اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کی فروگذاشت کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی تعظیم اور ادب کی تعلیم فرماتے ہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو ایسا مت خیال کرو جیسے تم میں سے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔ چاہے جواب دیا چاہے نہ دیا۔ رسول کے بلانے پر تمہیں حاضر ہونا فرض ہے جب رسول تم کو بلائیں تو سب

کام چھوڑ دو اور بغیر کچھ کہے فوراً حاضر ہو جاؤ۔

یا یہ معنی ہیں کہ تم رسول کو اس طرح مت پکارا کرو جس طرح تم آپس میں بعض بعض کو پکارتے ہو، یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کا نام لے کر پکارتے ہو اس طرح رسول کو ان کا نام لے کر مت پکارو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو، یعنی تعظیمی القاب سے آپ کو مخاطب کیا کرو، بہر حال ہر صورت میں رسول کے ادب اور ان کی تعظیم کو ملحوظ رکھو اور بلا اجازت آپ کی مجلس سے بھی مت جاؤ، تحقیق اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آپ کی مجلس سے کھسک جاتے ہیں چپکے چپکے کسی کی آڑ میں ہو کر، منافقین کا شیوہ یہ تھا کہ جب کسی جمعہ یا مجمع میں آپ کے ساتھ ہوں تو وہ آپس میں بعض بعض کی آڑ میں ہو جاتے تاکہ جب موقع ملے تو چھپ کر نکل جائیں۔

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ جو پیغمبر کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ کہیں دنیا ہی میں ان پر کوئی آفت نہ آ پڑے یا آخرت میں ان کو کوئی درد ناک عذاب پہنچے، یہ تردید بطور منع خلو ہے ورنہ جمع بین الامرین کا بھی جائز ہے کہ دنیا میں بھی مصیبت آئے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ان کو پہنچے۔ جان لو کہ خدا ہی کے لئے سب ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی سب کا مالک ہے اس لئے کہ وہی سب کا خالق ہے خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو یعنی تمہارے ایمان اور نفاق سے خوب واقف ہے اور جس دن یہ لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن تو وہ ان کو ان کے برے بھلے اعمال سے آگاہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

آنکس کہ بیافرید پیدا و نہاں چوں نشناسد نہان و پیدائے جہاں

الحمد للہ آج چہار شنبہ بوقت اذان عصر بتاریخ ۲۰ ربیع الاول [illegible] سورۂ نور کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ باقی تفسیر کو بھی اسی اسلوب کے ساتھ مکمل فرما اور ہمارے قلوب کو نور ایمان اور نور ہدایت سے منور فرما اور ہماری تحریروں کو مقبول فرما۔ آمین یا رب العالمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلینا معہم یا ارحم الراحمین۔

آیاتہا ۷۷ ۔ سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ ۲۵ : ۴۲ ۔ رکوعاتہا ۶

سورۃ فرقان مکی ہے اور اس میں ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ

بڑی برکت ہے اس کی، جس نے اتارا فیصلہ اپنے بندے پر کہ رہے جہان

لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

والوں کو ڈر سنانے والا۔ اور وہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین کی

وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ

اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا، اور نہیں کوئی اس کا ساجھی راج میں، اور

خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ

بنائی ہر چیز، پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔ اور لوگوں نے پکڑے ہیں

دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا

اس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور آپ بنے ہیں اور نہیں

یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ

مالک اپنے حق میں برے کے، اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک

مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا

مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ

نُشُوْرًا ﴿۳﴾

جی اٹھنے کے۔

کیے گئے ہیں کہ یک مو کے لیے اس اندازہ سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اور ہر مخلوق اپنی ہستی میں خالق کا محتاج ہے
اور محتاج بھی زوال کے لائق نہیں پس ان کے ہاتھ کے ہوئے تراشیدہ بُت کہاں خدائی کے لائق ہو سکتے ہیں اور وہ خالق
کیا ہوتے وہ تو مالکیت کی صفت سے بھی عاری اور خالی ہیں اور اس درجہ عاجز ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے
بھی کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں۔ وہ اپنے سے ضرر کے دفع کرنے کی اور اپنے لیے نفع حاصل کرنے کی قدرت
نہیں رکھتے۔ حالانکہ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نافع اور ضار ہو یعنی نفع اور ضرر کا مالک ہو اور نہ وہ موت اور
زندگی کے مالک ہیں کہ کسی میں جان ڈال دیں یا اس کی جان نکال لیں۔ موت اور حیات تو بڑی چیز ہے۔
یہ تو اپنے خواب اور بیداری کے بھی مالک نہیں سونا اور جاگنا کسی کے اختیار میں نہیں اور نہ کسی مردہ کو دوبارہ زندہ
کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور معبود وہ ہے کہ جو جان نکالنے اور جان ڈالنے پر قادر ہو۔ بندہ اگرچہ کسی کے قتل پر
قادر ہے مگر جان نکالنے پر قادر نہیں۔ قتل اور چیز ہے اور جان نکالنا اور چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معبود وہ ہونا
چاہیئے کہ جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو خالق الکل اور مالک الکل ہو اور نفع اور ضرر اور موت اور حیات کا
مالک ہو یعنی کائنات کا وجود اور عدم اس کے اختیار میں ہو اور عاجز اور بے جان کو خدائی کا رتبہ دینا کمال حماقت
ہے اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزہ احیاء موتیٰ کا ذکر آیا ہے سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام
موت اور حیات کے مالک تھے بلکہ بحکم خداوندی پڑھ کر ان میں پھونک مارتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو
وہ مردہ باذن اللہ یعنی بحکم خداوندی زندہ ہو جاتا۔ اہل اسلام کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مُردوں
کا زندہ ہو جانا یہ ان کا معجزہ تھا جو ان کی نبوت و رسالت کی دلیل تھا کہ یہ اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندہ ہیں کہ
ان کی دعا سے خدا تعالیٰ مُردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔ نصاریٰ نے اس قسم کے معجزات کو ان کی الوہیت کی دلیل سمجھا
اور غلط سمجھا بقول نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام موت اور حیات کے مالک تھے تو جب یہود نے ان کو صلیب پر
لٹکایا تو وہ اپنے سے موت کا پیالہ کیوں نہ ہٹا سکے اور موت کے پیالہ کا مسئلہ تو بعد کا ہے پہلے تو مسئلہ پکڑے
جانے اور صلیب پر لٹکائے جانے کا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سے صلیب کے ضرر اور تکلیف کو بھی
نہ ہٹا سکے اور نہ موت کا پیالہ ہٹا سکے اور صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتانی کہہ کر جان دے دی۔ پس اس عجز
اور لاچارگی کے ساتھ کسی کو معبود بنانا کمال حماقت ہے۔ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اور زندگی کے مالک
نہ تھے۔ نصاریٰ کو شرمانا چاہیئے کہ وہ خدا ہی کیا ہوا جس کو اس کے بندے پکڑ کر پھانسی دے سکیں اور اہل اسلام
کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اور باذن اللہ اور
بحکم خداوندی ان کے ہاتھ سے ان کی دعا کے بعد مُردے زندہ ہو جاتے بلاشبہ تو وہ اپنی موت اور حیات کے
بھی مالک نہ تھے اور جب یہود نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کو اسی جسم عنصری
کے ساتھ صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ان کے دشمن دیکھتے ہی رہ گئے۔ قرآن نے اسی جسم عنصری کے رفع
کی خبر دی ہے جس جسم عنصری کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے اور روح کو پکڑنا اور اس کے قتل کا ارادہ کرنا یہ دیوانہ
اور مجنون کی بڑ ہے جیسا کہ سورۂ نساء کے اخیر میں آیت وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ۔ اور وَمَا

پر مشتمل ہے جہاں عقل اور فہم کی رسائی نہیں اور علم غیب اللہ کا خاصہ ہے بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ کسی کو غیب کی باتیں لکھ کر دے اور وہ فرشتہ اس کو یاد کرا دے اور ان کی اس گستاخانہ اور بے جا درخواست کا تقاضا یہ تھا کہ اس قسم کی بیہودہ باتوں پر فوراً عذاب سے ہلاک کر دیئے جائیں لیکن ان پر عذاب نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس قرآن کا اخبار غیبیہ اور اسرار مکنونہ پر مشتمل ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ کلام علام الغیوب کا نازل کردہ ہے نہ کسی کا ساختہ اور پرداختہ ہے اس لیے کہ غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو ممکن نہیں نیز یہ کہ قرآن تو فرقان ہے حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتا ہے اس میں تو کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ

اور کہنے لگے ، یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا

وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ ؕ لَوْلَا أُنْزِلَ

اور پھرتا ہے بازاروں میں ۔ کیوں نہ اترا اس کی

إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ أَوْ يُلْقٰى إِلَيْهِ كَنْزٌ

طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو ! یا آ پڑتا اس کے پاس خزانہ

أَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّأْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ

یا ہو جاتا اس کو ایک باغ ، کہ کھایا کرتا اس میں سے اور کہنے لگے بے انصاف ۔

إِنْ تَتَّبِعُوْنَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ

تم ساتھ پکڑتے ہو یہ ایک مرد جادو مارے کا ۔ دیکھ ! کیسی بٹھائیں

ضَرَبُوْا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

تجھ پر کہاوتیں اور بہکے اب پا نہیں سکتے

سَبِيْلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْ إِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ

راہ ۔ بڑی برکت ہے اس کی جو اگر چاہے کر دے تجھ کو اس سے بہتر

ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ

باغ نیچے بہتی ان کے نہریں ، اور کر دے تجھ کو

قُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ

محل کوئی نہیں وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے جو کوئی

بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ

جھٹلاوے قیامت کو اس کے واسطے آگ ۔ جب وہ دیکھے گی ان کو دور جگہ سے

سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝۱۲ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا

سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا ۔ اور جب ڈالے جاویں گے اس میں ایک جگہ

ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝۱۳ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ

تنگ ، ایک زنجیر میں کئی بندے پکاریں گے اس جگہ موت کو ۔ مت پکارو آج ایک

ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ

مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو ۔ تو کہہ بھلا یہ چیز

خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ

بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ہو چکا پرہیزگاروں کو ۔ وہ ہوگا

لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ

ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ ۔ ان کو وہاں ہے جو چاہیں ،

خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔـوْلًا ۝۱۶ وَيَوْمَ

رہا کریں ہمیشہ ۔ ہو چکا تیرے رب کے ذمے وعدہ مانگا ہوا ۔ اور جس دن

يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ

جمع کر بلاوے گا ان کو اور جن کو پوجتے ہیں اللہ کے سوا پھر ان سے کہے گا کیا تم نے

أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾

بہکایا میرے ان بندوں کو یا وہ آپ بہکے راہ سے ؟

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ

بولیں گے تو پاک ہے ہم کو بن آتا تھا کہ پکڑیں تجھ کو بغیر

مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ

کوئی رفیق ، لیکن تو نے ان کو برتنے دیا اور ان کے

حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُم

باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھول گئے یاد اور یہ تھے لوگ کھپنے والے ، سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو

بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا

تمہاری بات میں اب تم نہ پھیر دے سکتے ہو ، نہ مدد کر سکتے ہو اور جو کوئی

وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾ وَمَا

تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھاویں گے بڑی مار ، اور جتنے

أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ

بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا ،

الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ

اور پھرتے تھے بازاروں میں ، اور ہم نے رکھا ہے تم میں

لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ

ایک دوسرے کے جانچنے کو ، دیکھیں ثابت رہتے ہو اور تیرا رب

بَصِيرًا ﴿٢٠﴾

سب دیکھتا ہے ۔

منکرین نبوت کا تیسرا شبہ اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ... الیٰ ... وَيَجْعَلْ لَكَ قُصُورًا

ربط: منکرین نبوت کا یہ تیسرا شبہ ہے۔ منکرین نبوت یہ سمجھتے ہیں کہ یہ رسول نبوت یا نبی صفتوں کے ساتھ موصوف ہے اور یہ دونوں صفتیں نبوت کے منافی ہیں، ایک تو یہ کہ یہ شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے دوسرے یہ کہ یہ شخص ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، پھر اس کو کیا فضیلت اور برتری کہ یہ ہمارا نبی ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کے ساتھ خدا کا کوئی فرشتہ نہیں جو لوگوں کو آپ کی مخالفت سے ڈرائے۔ تیسرے یہ کہ آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ نہیں اترا، جسے آپ لوگوں پر بے دریغ خرچ کرکے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اور اپنے پیروؤں کو فقر و فاقہ سے بچائیں، چوتھے یہ کہ اگر آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ نہیں اترا تو کم از کم آپ کے پاس ایک باغ تو ہوتا جس سے آپ بے فکری سے کھایا کرتے۔ جب آپ میں کوئی شان امتیاز کی نہیں تو ہم کیسے یقین کریں کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان خیالات باطلہ کو نقل کرکے بتلا دیا کہ یہ سب نادانی اور جہالت کی باتیں ہیں اور اس قسم کے خیالات کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے جزاء اور سزا کے قائل نہیں اس لیے احکام الٰہی کی پابندی ان پر شاق اور گراں ہے جب قیامت آئے گی تو پچھتائیں گے اور حسرتوں سے ہاتھ ملیں گے اور عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ پھر اخیر میں وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ سے ان کے تمام شبہات کا مختصر طور پر ایک الزامی جواب دیا کہ دیکھو کہ اگلے پیغمبر بھی کھاتے اور پیتے تھے اور ضروریات زندگی کے لیے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور نہ کسی کے ساتھ کوئی فرشتہ تھا اور نہ کسی کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اترا تھا اور نہ کوئی باغ اور زمین جائداد کا مالک تھا، معلوم ہوا کہ یہ باتیں جن کو تم سمجھتے ہو وہ نبوت و رسالت کے منافی نہیں اور نہ شان نبی کے خلاف ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: اور کہا سرداران قریش نے جیسے ابوجہل اور عتبہ اور امیہ وغیرہم نے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ اس رسول کا دعویٰ تو رسالت کا کرتا ہے اور ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور طلب معاش کے لیے ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تو ہم کو اس پر کیسے فضیلت حاصل ہوئی اور یہ نبی کیسے ہو گیا۔ یہ شخص تو ہم جیسا آدمی ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ فرشتہ ہوتا خیر اگر یہ خود فرشتہ نہیں تو اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا، جس کو ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ وہ اس کی نبوت کی گواہی دیتا اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو اس کی مخالفت سے ڈراتا یا نہیں تو اس پر آسمان سے کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا تاکہ تحصیل معاش کے لیے بازاروں میں جانے سے مستغنی ہو جاتا اور لوگوں کو داد و دہش کرتا اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی خصوصیت کو دیکھ کر لوگ اس کو رسول مان لیتے یا ادنیٰ درجہ یہ ہوتا کہ اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور کسب معاش کا محتاج نہ رہتا ان لوگوں نے نبوت و رسالت کو دنیاوی ریاست پر

تنبیہ بر منشأ انکار رسالت

دربیان بعض احوال و اهوال روز قیامت

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ .... الی .... وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝

اب آئندہ آیات میں ان منکرین رسالت اور معترضین نبوت کے انکار کا منشاء بیان کرتے ہیں کہ خود ان کا کیا دھرا ہے کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب جو اس وجہ سے کرتے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ ان شبہات اور اعتراضات کا منشاء یہ نہیں کہ آپ کی شان رسالت و نبوت ان کے ایمان اور ہدایت سے مانع بن رہی ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں جس سے آپ ان کو ڈراتے ہیں پس انکار نبوت اور تکذیب رسالت کا اصل منشاء تکذیب قیامت ہے۔ ان کی نظر صرف اسی حیات دنیا پر مقصور ہے ان کا گمان یہ ہے کہ عزت و کرامت کا دارومدار اسی دنیا کی مال و دولت پر ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب و عذاب کے قائل نہیں اور حالانکہ قیامت حق ہے اور جزاء و سزا حق ہے ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام سعیر ہے اور اس دوزخ کی صفت یہ ہے کہ جب وہ ان منکرین قیامت کو دور سے دیکھے گی یعنی سو برس کی مسافت کے فاصلہ سے دیکھے گی تو ان کو دیکھتے ہی جوش غضب سے بھڑک اٹھے گی اور یہ منکرین قیامت اس جہنم کے جوش غضب کو اور اس کے چلانے کی آواز کو دور سے سنیں گے۔ جیسے غصہ والا پیچ و تاب کھاتا ہے اور تغیظ کرتا ہے اسی طرح جہنم بھی منکرین قیامت کو دیکھ کر جوش میں آ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ و غضب سے بھڑک اٹھے گی۔ کما قال تعالیٰ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ الاٰیۃ۔

اور یہ منکرین قیامت جب زنجیروں میں جکڑے ہوئے جہنم کی کسی تنگ و تاریک جگہ میں ڈال دیے جائیں گے تو وہاں ہلاکت اور موت کو پکاریں گے کہ اے موت اور اے ہلاکت تو کہاں ہے یہ وقت نہایت مصیبت کا ہے تو آجا تاکہ ہم مر جائیں اور اس مصیبت کا خاتمہ ہو۔ حاصل یہ کہ منکرین قیامت جب کسی تنگ جگہ میں ٹھونس دیے جائیں گے تو اس وقت اپنی ہلاکت اور موت کو آواز دیں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ وہاں انواع و اقسام عذاب کی کثرت تمہارے لیے ہر ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم نہ ہوگی لہٰذا تم ہزاروں ہزار بار موت اور ہلاکت کو پکارتے رہو کتنا ہی پکارو۔ تمہارا سب پکارنا بے فائدہ اور بے کار ہے۔

اس طعن کا جواب یہ دیا گیا کہ پچھلے رسول بھی سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے ان کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ یعنی ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کی یہی شان اور صفت تھی کہ وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ کھانا پینا اور بازاروں میں ضرورت کیلئے جانا منصب نبوت کے منافی نہیں۔ ان معترضین کا آپ پر یہ طعن کرنا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں جاتا ہے بالکل بے جا ہے اور یہ صفت تمام پیغمبروں میں پائی رہی۔

اور ہم نے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے امیروں کی آزمائش غریبوں سے ہے کہ وہ ان کو حقارت سے نہ دیکھیں اور غریبوں کی آزمائش امیروں سے ہے کہ وہ ان پر حسد نہ کریں۔ یا فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی صورت بشریہ اور حوائج نفسانیہ کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا کہ لوگ ان کے ظاہر کو دیکھ کر یہ خیال کریں کہ ان میں اور ہم میں کیا فرق ہے۔ ظاہری صورت کے اعتبار سے تو ایک سا ہے اور فہم و علم اس میں کوئی فرق نہیں۔

اے مسلمانو! کیا تم کافروں کی اس طعن و تشنیع پر صبر کرو گے یا کافروں کی یہ طعن و تشنیع تمہارے لیے آزمائش ہے۔ دیکھیں کس حد تک صبر کرتے ہو۔ اور تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے وہ کافروں کی ایذا اور طعن و تشنیع کو بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے صبر و تحمل کو بھی دیکھ رہا ہے ہر ایک کو اس کے مطابق اجر دے گا۔

الحمد للہ اٹھارہویں سپارہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ

اور بولے جو لوگ امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے، کیوں نہ اترے

عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو، بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں،

وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى

اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں۔ جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو، کچھ خوشخبری نہیں

يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ

اس دن گنہگاروں کو، اور کہیں گے کہیں روک دی جاوے کوئی اوٹ۔ اور ہم پہنچے ان

اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

کے کاموں پر جو کیے تھے پھر کر ڈالا اس کو خاک اڑتی۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ

بہشت کے لوگ اس دن خوب رکھتے ہیں ٹھکانا اور خوب جگہ دوپہر

مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ

کے آرام کی۔ اور جس دن پھٹ جاوے آسمان بدلی سے اور اتارے فرشتے

تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ

اتار لگا کر۔ راج اس دن سچا ہے رحمٰن کا۔ اور ہے

يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ

وہ دن منکروں پر مشکل۔ اور جس دن کاٹ کاٹ

عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ

کھاوے گا گنہگار اپنے ہاتھ کہے گا کسی طرح میں نے پکڑی ہوتی رسول کے ساتھ

سَبِيلًا ﴿٢٧﴾ يَٰوَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾

راہ۔ اے خرابی میری کہیں نہ پکڑا ہوتا میں نے فلانے کو دوستی۔

لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ ٱلذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَآءَنِي ۗ وَكَانَ

اس نے بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکے پیچھے۔ اور ہے

ٱلشَّيْطَٰنُ لِلْإِنسَٰنِ خَذُولًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ ٱلرَّسُولُ يَٰرَبِّ

شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا۔ اور کہا رسول نے اے رب میرے

إِنَّ قَوْمِي ٱتَّخَذُوا۟ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ مَهْجُورًا ﴿٣٠﴾ وَكَذَٰلِكَ

میری قوم نے ٹھہرایا اس قرآن کو جھک جھک۔ اور اسی طرح

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ ٱلْمُجْرِمِينَ ۗ وَكَفَىٰ

رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے دشمن گناہ گاروں میں سے۔ اور بس

بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ﴿٣١﴾

ہے رب تیرا راہ دکھانے کو اور مدد کرنے کو۔

منکرین نبوت کا چوتھا شبہ اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا ... الیٰ ... هَادِيًا وَنَصِيرًا ۔

(ربط) منکرین نبوت کا چوتھا شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جو ہمارے سامنے آکر آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے کہ یہ شخص دعوائے نبوت میں صادق ہے یا ہم علانیہ اللہ کو دیکھتے اور علانیہ خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہم کو خود بتلا دیتا کہ یہ شخص میرا نبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جاہلانہ اعتقاد اور احمقانہ اور متکبرانہ سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اپنے جی میں سرکش اور متکبر ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس مرتبہ کا سمجھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کو دیکھیں اور خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت دریافت کریں یا کوئی فرشتہ اللہ کا بھیجا ہوا ان کے پاس آئے خوب سمجھ لیں کہ فرشتہ آکے پاس اللہ کا پیغام

کے مقابلہ میں تیری نصرت اور یاوری کرے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ، اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔ اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی کہاوت کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر۔ جو لوگ کہ گھیرے جائیں گے اوندھے پڑے منہ پر دوزخ کی طرف، انہی کا برا درجہ ہے اور بہت بہکے ہیں راہ سے۔

منکرین نبوت کا پانچواں شبہ اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ... الیٰ ... وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا۔

ربط: قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے متعلق کفار کا ایک شبہ یہ تھا کہ توریت اور انجیل کی طرح ایک ہی مرتبہ کیوں نازل کر دیا گیا۔ حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس سے مقصود ایمان والوں کے قلب کی تقویت ہے اور اس کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں جو دوسری آیتوں میں مذکور ہیں ... اور کافر لوگ ... کہ قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کیا گیا۔ اگر

تدریجی علاج میں ہے اور چونکہ شرائع سابقہ چند روزہ تھیں اور ایک خاص قوم اور جماعت کے لیے تھیں اس لیے ان میں ان مصالح کی رعایت نہیں کی گئی۔

اور اے نبی نہیں لائیں گے یہ کافر کوئی مثال جو تجھ پر ڈھالیں جس سے تجھ پر یا اس قرآن پر اعتراض کریں مگر ہم اس کے جواب میں تجھ کو اس امر حق کو دیں گے جس سے ان کی وہ مثال باطل ہو جائیگی اور حق ثابت ہو جائے گا اور اس کے مقابلہ میں نہایت صاف اور واضح بیان لائیں گے جس سے ان کا اعتراض اور شبہ الٹا ہو جائیگا کہ بولنے کی گنجائش ہی نہ رہے۔ اور یہ کہ جس کی عقل ہی اندھی ہو تو کبھی جواب آخرت میں ایسوں کا انجام فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جو ہنکائے جائیں گے منہ کے بل دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے دنیا میں اندھی اور اوندھی چال چل رہے تھے اسی طرح وہ آخرت میں بجائے پیروں کے منہ کے بل چلائے جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اوندھے منہ کے بل چلائے جائیں گے اور ایسے منہ سے راستہ کے کانٹے کو چنتے جائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اسکو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے یعنی سر کے بل چلانا اور پیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں الٹے ہو گئے اور زمین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور علوی سے اعراض کیا اس لیے انکا حشر اسی ہیئت کے ساتھ ہوگا ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اوندھے ہیں باعتبار مکان کے بدتر اور باعتبار مرتبہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لیے انکا حشر منہ کے بل ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور ٹھہرا دیا اس

مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ

کے ساتھ اسکا بھائی ہارون کام بٹانے والا۔ پھر کہا ہم نے تم دونوں

اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ؕ

جاؤ ان لوگوں پاس، جنہوں نے جھٹلائیں ہماری باتیں۔ پھر دے مارا ہم نے انکو اکھاڑ کر۔

ذکر قصص انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام

یہاں تک منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات کا ذکر تھا اب اس کے بعد مختصراً چند انبیاء کرام کے

عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

ٹھاکروں سے، کبھی ہم نہ ثابت رہتے ان پر۔ اور آگے جان لیں گے

حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ

جس وقت دیکھیں گے عذاب کہ کون بہت بہکا ہے راہ سے۔ بھلا دیکھ تو

مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾

جس نے پوجا پکڑا اپنی چاؤ کو۔ کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ؟

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ

یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں؟ اور کچھ

إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾

نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ بہکے ہیں بہت راہ سے۔

تشنیع کفار بر استہزاء سید الابرار

قال اللہ تعالیٰ وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ... الی ... بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا۔

(ربط) اوپر سے سلسلہ کلام کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات کا چلا آرہا تھا جس سے مقصود کفار کی تشنیع اور ملامت تھی اب آئندہ آیات میں پھر کفار کے ذکر اور شنائع اور قبائح کو بیان کرتے ہیں کہ یہ منکرین نبوت آپ کو نہایت درجہ حقیر سمجھتے ہیں اور آپ کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اپنے دین پر صبر و تحمل کے ساتھ قائم نہ رہتے تو یہ شخص ہم کو کبھی کا گمراہ کر چکا ہوتا حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عنقریب یعنی مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہ تھا۔

اور یہ منکرین نبوت تکبر اور انکار میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو سوائے استہزاء کے کچھ کام نہیں کہ تمسخر اور ٹھٹھا کرتے ہیں اور تحقیر آمیز باتیں بناتے ہیں حالانکہ آپ کی شان امانت اور صدق مقال اور حسن اعمال اور مکارم اخلاق ان کو سب معلوم ہے اور بطور تمسخر اور مزاق یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے حالانکہ آپ کی صورت اور دلائل نبوت ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بے شک یہ شخص قریب

وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْٓ

نیند آرام، اور دن بنا دیا اٹھ نکلنا۔ اور وہی ہے

أَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ

جس نے چلائیں باویں خوشخبری لائیں اسکی مہر سے آگے۔ اور اتارا ہم نے

السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ

آسمان سے پانی ستھرائی کرنے کا۔ کہ جلادیں اس سے مر گئے دیس کو۔ اور پلاویں

مِمَّا خَلَقْنَآ أَنْعَامًا وَّأَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ

اس کو اپنے بنائے بہت چوپایوں اور آدمیوں کو۔ اور طرح طرح بانٹا اس

بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَأَبٰٓى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَ

کو انکے بیچ میں تا دھیان رکھیں۔ پھر نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کیے۔ اور

لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ

اگر ہم چاہتے اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا۔ سو تو کہا نہ مان

الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

منکروں کا، اور مقابلہ کر انکا اس سے بڑے زور سے۔ اور وہی ہے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ

جس نے ملے چلائے دو دریا۔ یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا اور یہ کھاری ہے کڑوا۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردہ اور اوٹ روکی۔ اور وہی ہے جس نے

خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ

بنایا ہے پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کا جد اور سسرال۔ اور ہے

رَبُّكَ قَدِيرًا ۝ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا

تیرا رب سب کچھ کر سکتا۔ اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز کہ نہ

يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ

بھلا کرے اُن کا نہ بُرا۔ اور ہے منکر اپنے رب کی طرف سے

ظَهِيرًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ قُلْ

پیٹھ دینے والا۔ اور تجھ کو ہم نے بھیجا، یہی خوشی اور ڈر سنانے کو۔ تو کہہ

مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَن شَاءَ أَن يَتَّخِذَ

میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ لے رکھے

إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ

اپنے رب کی طرف راہ۔ اور بھروسا کر اس جیتے پر جو نہیں مرتا اور

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ۝

یاد کر اس کی خوبیاں اور وہ بس ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار۔

الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي

جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ ہے

سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ

چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر۔ وہ بڑی مہر والا۔ سو پوچھ اس

بِهِ خَبِيرًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا

سے جو اس کی خبر رکھتا ہو۔ اور جب کہئے ان کو سجدہ کرو رحمٰن کو۔ کہیں

وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ۝

رحمٰن کیا ہے؟ کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرمائے گا اور بڑھتا ہے ان کا بدکنا۔

کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور بہت سے آدمی زمین کے چشموں اور کنوؤں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔

اور البتہ تحقیق ہم نے اس بارش کے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا کبھی کہیں برساتے ہیں اور کبھی کہیں۔ کہیں کم اور کہیں زیادہ تاکہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ بارش کی تقسیم اللہ کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے برساتا ہے ہر سال کی بارش کا حساب اور وزن اسی کو معلوم ہے پس باوجود اس نعمت اور عبرت کے واضح ہونے کے بغیر ناشکری کے باز نہ رہے اور بجائے اس کے کہ اس نعمت حقی کا شکر کرتے کفران نعمت میں جا پڑے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے الخ۔ اس بارش کی نسبت اور بروجوں کی طرف نسبت کرتا ہے۔ یہ شخص خدا کا کفر کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے اور ان کا شکر کرتا ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے نصیحت کی تاکہ وہ اس کو قبول کریں مگر اکثر لوگوں نے ان نصیحتوں کو قبول نہیں کیا۔

لہٰذا آپ ان لوگوں کے کفر و تکذیب سے بہت دل گیر نہ ہوں اور حق تعالیٰ بار بار تبلیغ اور دعوت میں لگے رہیں اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک ڈرانے والا یعنی پیغمبر بھیج دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ اے نبی ہم نے تمہاری شان اور مرتبہ بلند کرنے کے لیے قیامت تک کے لیے سارے جہان کا تنہا پیغمبر بنایا اور نبوت کو تم پر ختم کیا اور تمام عالم کے لیے آپ کو ہادی و رحمت بنایا تاکہ قیامت تک آنے والے اہل ایمان اور اہل ہدایت کا اجر آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے اور تمام عالم پر آپ کی فضیلت ظاہر ہو پس جب خدا نے آپ کو یہ فضیلت اور یہ شان عطا کی ہے تو آپ ان کافروں کی پروا نہ کیجئے اور کسی بات میں ان کا کہنا نہ مانیے جس سے یہ خوش ہوں اور دلائل قرآن کے ساتھ ان کا پورا پورا مقابلہ کیجئے چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لیے اس آیت میں جہاد سے قرآن اور دلیل اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اس لیے کہ سیف و سنان سے جہاد کا حکم مدینہ میں نازل ہوا۔

قسم چہارم از دلائل توحید

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔

اور وہ خدا وہ ہے جس نے اپنی قدرت بالغہ اور حکمت بالغہ سے دو دریاؤں کو ملا کر رواں کیا ان میں سے ایک تو یہ شیریں اور خوش ذائقہ اور تشنگی کو دفع کرنے والا اور پیاس بجھانے والا ہے اور ایک یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا ہے اور ان کے درمیان اپنی قدرت سے ایک آڑ اور مضبوط رکاوٹ کر دی کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہ پاوے۔ مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں دریا اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آ کر گرتی ہیں۔ جیسے دریائے دجلہ کا پانی نہایت شیریں ہے جب اسکا پانی سمندر میں گرتا ہے تو دور تک دونوں کی موجیں اور دھاریں الگ الگ نظر آتی ہیں ادھر کا پانی نہایت شیریں اور ادھر کا پانی نہایت تلخ میلوں تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ ایک پانی دوسرے پانی سے ملنے نہیں پاتا اور اس قرب اور اتصال کی وجہ سے کسی پانی کے مزہ میں فرق نہیں آتا۔

قدرت نے دونوں کے درمیان ایک ایسی آڑ رکھی ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور دریائے دجلہ اگرچہ

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ

اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں صاحب سلامت۔ اور وہ جو

يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے۔ اور وہ جو کہتے ہیں

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ

اے رب! ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب، بیشک اس کا عذاب بڑی

غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ

چٹی ہے۔ وہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بری جگہ رہنے کی۔ اور وہ کہ جب

إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ

خرچ کرنے لگیں نہ اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک

قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَ

سیدھی گزران۔ اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ اور حاکم کو اور نہیں

لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا

خون کرتے جان کا جو منع کی اللہ نے مگر جہاں چاہیے اور بدکاری

يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ

نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑے گناہ میں۔ دونا ہو اس

لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا

کو عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اس میں خوار ہو کر۔ مگر جس

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ

نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا

اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَ

اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں۔ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ اور

مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا

اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل

كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا

جاویں بزرگی رکھ کر۔ اور وہ کہ جب ان کو سمجھائیے اُن کے رب کی باتیں نہ پڑیں

عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا

ان پر بہرے اندھے۔ اور وہ جو کہتے ہیں اے رب! دے ہم کو

مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ

ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک، اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے

اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰۗىِٕكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ

آگے۔ ان کو بدلا ملے گا کوٹھوں کے جھروکے، اس پر کہ وہ ٹھہرے رہے اور لینے

فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا

آویں گے ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے۔ رہا کریں گے ان میں۔ خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی

وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ

اور خوب جگہ رہنے کی۔ تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری، اگر تم اس کو نہ پکارا کرو۔ سو تم

كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

جھٹلا چکے اب آگے کو ہونا ہے بھیڑا۔

مدح عباد رحمان و ذکر شمائل اہل ایمان و عرفان

قال اللہ تعالیٰ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ۔۔ الیٰ ۔۔ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا

(ربط) گزشتہ آیات میں رحمان سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا اب آخر آیات میں عباد رحمٰن یعنی رحمان کے خاص بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ رحمٰن کے بندے رحمٰن کی رحمتوں کا اور احسان کی نعمتوں کا عملی طور پر کس طرح اور کس صورت میں شکر کرتے ہیں لہٰذا جو شخص رحمٰن کے آثار رحمت و نعمت کے شکر کا ارادہ کرے اور رحمٰن کے آثار قدرت و عجائب صنعت میں تفکر اور تدبر کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ رحمٰن کے شکر گزار بندوں کے نقش قدم پر چلے اور اگر بر بنائے غفلت اس سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو توبہ کرے رحمان اپنی رحمت سے اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا پھر اخیر میں عباد رحمٰن کے درجات رفیعہ اور مقامات عالیہ کا ذکر کیا اور بتلا دیا کہ جو رحمٰن سے نفرت کرے تو خدا کو اس کی کوئی پرواہ نہیں وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے بارگاہ رحمٰن میں تقرب اور خصوصیت کا دارومدار محض عبودیت پر ہے۔

(ربط دیگر) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں۔ تمام قرآن میں حق جل شانہٗ کی یہ سنت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جابجا اہل ہدایت اور اہل ضلالت کو میزان عدل پر رکھ کر تولتے ہیں۔ اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہیں ایک فریق کو عذاب کا وعدہ دیتے ہیں اور ایک فریق کو خدا کی جنت کی بشارت سناتے ہیں اور دونوں فریق کے ان اوصاف کا ذکر کرتے ہیں جن کے ساتھ وہ معروف و مشہور ہوں پس اس قاعدہ کے مطابق سورۂ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے شبہات و اعتراضات اور ان کے جاہلانہ خصائل و عادات کا ذکر کرکے ان کی پاداش کا ذکر کیا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مقربین اور ان کی صفات فاضلہ و مشہورہ کا بیان کیا اور وہ صفات یہ ہیں۔

(۱) علم اور تواضع (۲) عبادت بالخصوص تہجد (۳) خوف از عذاب آخرت
(۴) اعتدال و اقتصاد (۵) توحید اور اخلاص فی العبادات (۶) ترک کشت و خون بغیر حق و فساد سے دور رہنا۔
(۷) اجتناب از زنا (۸) احتراز از مجالس کذب و باطل (۹) تذکر بر وقت سماع وعظ۔
(۱۰) ہمیشہ اللہ سے دعا کرتے رہنا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت جو اہل ایمان حاضر تھے وہ مہاجرین اولین تھے لہٰذا یہ آیت مہاجرین کی فضیلت کے بیان کو کافی ہے اور بس۔ ازالۃ الخفاء

چنانچہ فرماتے ہیں اور رحمٰن کے خاص الخاص بندے وہ ہیں جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔

(۱) جو زمین پر آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی بغیر تکبر اور سرکشی کے چلتے ہیں۔ تواضع ان پر ایسی غالب ہے کہ ان کی چال سے تواضع اور عاجزی نظر آتی ہے زمین پر آہستہ قدم رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ سست رفتاری سے چلے بلکہ

کو نہ کچھ سنا اور نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ سمجھا اور عباد رحمٰن کا حال یہ ہے کہ آیات الٰہیہ کو خوب غور اور تامل سے سنتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کافروں کی طرح اندھے اور بہرے نہیں بلکہ آیات الٰہیہ کو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور چشم بصیرت سے ان کے جلوہ کو دیکھتے ہیں۔

اور بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ وہ آیتوں کو سن کر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی ایسا نہیں کہ گر پڑے مگر بے سمجھے بوجھے نہیں ہو بلکہ انکا سجدہ اور رونا ان کے گرنے کا باعث ہوا۔ وعظ و نصیحت نے ان کے دل میں جو اثر کیا اسکا منشاء یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو خوب سمجھا مومن کو چاہیے کہ ایسے ہر کام میں بیداری اور بصیرت پر ہو۔

(۱۱) اور عباد رحمٰن کی ایک صفت یہ ہے کہ جب خود ان کو کمال حاصل ہو گیا تو اپنے متعلقین کی تکمیل کی فکر میں پڑے کہ جو کمالات اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیے وہ ان کی ذات تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ دوسروں تک بھی متعدی ہوں اس لیے وہ عباد رحمٰن یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما یعنی ہم کو بیویاں اور اولاد نیک عطا فرما جن کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ مومن کی آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کی طاعت میں دیکھے اللہ کی طاعت سے بڑھ کر کوئی چیز آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں باقی دنیا کی تمام نعمتیں اور مسرتیں سب اسکے بعد ہیں۔

اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے یعنی ہم کو ایسا کامل متقی اور پرہیزگار بنا دے کہ دوسرے لوگ نیکی اور تقویٰ میں ہماری پیروی کریں تاکہ ہمارا وجود دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنے تاکہ تیری بارگاہ میں ہمارے درجے اور بلند ہوں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم کو اور ہمارے خاندان کو خود بھی ہدایت ہو اور دوسروں کے لیے ہم کو ہادی بنا دے کہ ہم کو اور ہمارے خاندان کو دیکھ کر لوگ تقویٰ اور طہارت میں پیروی کریں ہماری ہدایت ہماری ذات تک محدود نہ رہے بلکہ دوسروں تک بھی پہنچے تاکہ تیری بارگاہ سے بیش از بیش اجر و انعام حاصل کر سکیں۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزوں سے۔

ایک فرزند صالح جو اس کے لیے دعا کرے۔ دوسرے وہ علم کہ جس سے اس کی موت کے بعد نفع اٹھایا جا رہا ہے (جیسے تصنیف و تالیف) اور تیسرے صدقہ جاریہ (جیسے وقف اور مسجد اور مدرسہ وغیرہ اور کنواں اور مسافرخانہ اور قرآن شریف اور دینی کتابیں) انکا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

یہاں تک عباد رحمٰن کے اوصاف کو بیان کیا اب آگے انکی حسن جزا اور درجات عالیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو آخرت میں انکو عطا ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو ارحم الراحمین کے فضل اور رحمت سے جنت میں رہنے کے لیے بالاخانے عطا کیے جائیں گے بوجہ اسکے کہ وہ اللہ کے دین اور اسکی طاعت پر ثابت قدم رہے اس صبر کے صلہ میں انکو عالی شان محل اور بالاخانے ملیں گے کہ ان لوگوں نے دنیا میں بڑا صبر کیا۔ طاعات کی مشقتوں پر اور شہوات کے چھوڑنے پر صبر و تحمل سے کام لیا۔ اس صبر کے صلہ میں انکو جزا ملے گی اور پائیں گے وہ جنت میں دعا اور تحیت و سلام یعنی جنت میں بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ داخل ہوں گے فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور انکو دعائیں دیں گے اور سلام کریں گے سلٰماً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الشُّعَرَاۤءِ

سُوْرَةُ الشُّعَرَاۤءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاِحْدٰى عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ شعراء مکی ہے، اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں، چونکہ اس سورت میں شعراء کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوئی، شعراء کا ذکر اس لیے کیا تاکہ شعراء اور انبیاء میں فرق ظاہر ہو جائے کہ نبی متبع ہدایت ہوتا ہے اور شاعر مصدر ظلمات ہوتا ہے، گذشتہ سورت کی طرح یہ سورت بھی مکی ہے، گذشتہ سورت میں مشرکین اور منکرین نبوت کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جواب دیئے۔ مشرکین کی خرافات اگرچہ بیہودہ اور معاندانہ تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتضائے شفقت و رأفت لگتے اس معاملہ کی وجہ سے رنج اور صدمہ ہوتا اور آپ کی تمنا یہی تھی کہ کسی طرح یہ لوگ راہ راست پر آجائیں، اس لیے اس سورت کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ اس غم اور صدمہ میں گھٹ گھٹ کر اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ بعد ازاں آپ کی تسلی کے لیے چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی سرکش امتوں کا تذکرہ کیا اور بتلا دیا کہ ان سرکشوں کی اسی قسم کی معاندانہ باتیں رہی ہیں۔ پچھلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ بس یہی اس سورت کے شروع میں قرآن کریم کی حقانیت بیان کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور معاندین اور متکبرین کی تہدید کے لیے انبیاء کرام کے قصص اور مواعظ طیبہ ذکر فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپ کی نبوت کی سب سے روشن دلیل ہے اور پھر آپ کی تسلی کے لیے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لیے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے پھر اخیر سورت میں قرآن کی حقانیت کا ذکر فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبریل امین آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی پھر اس کی حقانیت پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کی حقانیت کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور معلوم ہے کہ اس کتاب کا ذکر زبر اولین اور صحائف انبیاء سابقین میں مذکور ہے اور یہ بھی وجہ ہے پھر قرآن کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی، پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی اور اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں، اول یہ کہ ملاء اعلیٰ تک اور محل نزول احکام الٰہیہ سے شیاطین وہاں تک پہنچنے سے محروم ہیں، لہٰذا یہ قرآن نہ شعر ہے اور نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے بلکہ کلام الٰہی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ایک ایسی کتاب ہے جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہو گیا ہے اور ہدایت خلق اور اصلاح اخلاق و اعمال کے لیے نازل ہوئی اور شعر کو اور سحر کو ہدایت اور اصلاح اخلاق و اعمال سے کیا تعلق؟

اٰیَاتُہَا ۲۲۷ (۲۶) سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃٌ (۴۷) رُکُوْعَاتُہَا ۱۱

سورۃ شعراء مکی ہے اور اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ

یہ آیتیں ہیں کھول سنانی کتاب کی۔ شاید تو گھونٹ

نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ

مارے اپنی جان اس پر کہ وہ یقین نہیں کرتے۔ اگر ہم چاہیں اتار دیں ان پر

مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④

آسمان سے ایک نشانی، پھر رہ جاویں انکی گردنیں اس کے آگے نیچی۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا

اور نہیں پہنچتی ان پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے نئی، جس سے

عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا

منہ نہیں موڑتے۔ سو یہ جھٹلا چکے، اب پہنچے گی ان پر حقیقت

كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ

اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔ کیا نہیں دیکھتے زمین کو کتنی

اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اگائی ہم نے اس میں ہر بھانت بھانت چیزیں خاصی؟ اس میں البتہ

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ

نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی

کرو زمین سے مختلف قسم کی گھاس اگائی کہ یہ سب خداوند کریم کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ان انواع واقسام کو پیدا کیا۔ بیشک زمین سے اس طرح اگانے میں اللہ کے کمال قدرت وحکمت کی بڑی عظیم الشان نشانی ہے جو ہر وقت انکی نظروں کے سامنے ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ تمہاری زمین قلب میں جو استکبار کا تخم موجود ہے اللہ تعالیٰ اس خبیث تخم سے تمہارے لیے ذلت اور مصیبت کا کوئی درخت پیدا کردے جیسے تخم کے مطابق زمین سے قسم قسم کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح انکی زمین قلب سے ان کے عقائد اور اعمال کے مناسب نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور خدا کی قدرت کی یہ نشانی نظروں سے مخفی نہیں ولیکن ان معاندین میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں اللہ کے علم میں وہ شقی کافر ٹھہر چکے ہیں اور بیشک تیرا پروردگار غالب اور قاہر ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ کافروں پر کوئی بلا نازل کرے اور اپنے پیغمبروں کے دشمنوں سے انتقام لے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے کہ باوجود بے سروسامانی کے انکو عزت اور غلبہ سے نوازے جب حقیقت حال یہ ہے تو آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور کافروں کے کفر کو اللہ کی حکمت اور اسکی مشیت کے حوالہ کریں اور ان پر کچھ غم اور حسرت نہ کریں۔

اس کے بعد آپ کی تسلی کے لیے سات پیغمبروں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ ان معاندین کا حال پہلی قوموں کے معاندین جیسا ہے انکو کیسی ہی نشانیاں دکھلاؤ یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں لہٰذا آپ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں

(۱) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت درجہ کے صاحب صبر وتحمل تھے۔

(۲) اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب جود وکرم تھے اور اللہ کے عشق اور محبت میں فنا تھے۔

(۳) اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اصحاب شکر میں سے تھے کہ اللہ کی ظاہری اور باطنی اور دینی اور دنیاوی نعمتیں ان پر مبذول ہوئیں مگر باوجود اس کے وہ شکر خداوندی میں غرق رہے اور منعم حقیقی سے غافل نہ ہوئے۔

اور حضرت زکریا اور حضرت یحیی اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اصحاب زہد میں سے تھے اور نفس اور شہوت پر غالب اور قاہر تھے اور اپنے حلال سے بھی کنارہ کش تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام شکر اور صبر دونوں کے جامع تھے مقام صبر میں صبر کیا اور مقام شکر میں شکر کیا اور حضرت یونس علیہ السلام صاحب تضرع وخشوع تھے۔ بارگاہ خداوندی میں گریہ وزاری اور توجہ اور مراقبہ اور ذکر وتسبیح انکی خاص شان تھی۔

اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب جاہ وجلال اور صاحب ہیبت وشجاعت تھے بارگاہ خداوندی میں ان کو خاص وجاہت اور قرب خاص اور انس خاص حاصل تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام فصاحت وبلاغت کے ساتھ صاحب رفق ولین بھی تھے یعنی مزاج میں نہایت درجہ نرمی تھی اور ہمارے نبی اکرم سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام فضائل وکمالات کے جامع تھے۔

فمبلغ العلم فيه انه بشر ﴿﴾ وانه خير خلق الله كلهم

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو معجزات عطا فرمائے جو انکی نبوت کی دلیل تھے اور انکی صداقت اور امانت کے شاہد اور

گو یہ سے گزرا جیسا انبیاء سابقین کے معجزات ان کی نفس نبوت کے علاوہ تھے جو ان کی نبوت کی دلیل اور برہان تھے اور جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا کیے وہ بھی کثرت و عجیب تر انبیاء سابقین سے تھے کہ نبوت کے علاوہ نبوت کی دلیل اور برہان تھے مگر معجزۂ قرآن جیسی کہ اگر سے اس سورت کا آغاز ہوا ہے آپ کو عطا ہوا وہ عین نبوت بھی تھا اور دلیل نبوت بھی تھا دیگر معجزات گزر گئے مگر معجزۂ قرآن اور علی ما معجزۂ شریعت وہ تا حال اسی طرح باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اس قوم

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾

گناہ گار کے پاس ۔ قوم فرعون کے پاس ۔ کیا وہ ڈرتے نہیں ؟

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ

بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلا دیں ۔ اور رک جاتا ہے میرا جی

وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَهُمْ

اور نہیں چلتی میری زبان، سو پیغام دے ہارون کو ۔ اور ان کو مجھ

عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا

پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ، سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں ۔ فرمایا کوئی نہیں، تم دونوں جاؤ

بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ

لے کر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں ۔ سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو

اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ

ہم پیغام لائے ہیں جہان کے صاحب کا ۔ کہ چلا دے ہمارے ساتھ

اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّ لَبِثْتَ

بنی اسرائیل کو ۔ بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا؟ اور رہا تو

فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي

ہم میں رہا اپنی عمر میں سے کئی برس۔ اور کر گیا تو اپنا وہ کام جو کر

فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا

گیا اور تو ہے ناشکر۔ کہا کیا تو ہے میں نے وہ اور میں

مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي

تھا چوک گیا۔ والا۔ پھر بھاگا میں تم سے۔ جب تمہارا ڈر دیکھا۔ پھر بخشا مجھ

رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

کو میرے رب نے حکم اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا۔ اور وہ احسان ہے جو

تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۲۲﴾

تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام کر لیے تو نے بنی اسرائیل۔

قصۂ اول حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۔۔ الیٰ ۔۔ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ

ربط: یہاں سے حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے قصے ذکر کرتے ہیں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ جو مختلف مضامین پر مشتمل ہے مثلاً اثبات الوہیت و ربوبیت خداوندی اور اثبات نبوت و رسالت موسوی اور پھر اہل ایمان کی عجیب طریقہ سے نجات اور کفار کی عبرتناک ہلاکت کے بیان پر مشتمل ہے۔

ذکر عطائے منصب نبوت و رسالت و حکم تبلیغ و دعوت

یہ قصہ اگرچہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں مفصل گزر چکا ہے لیکن یہاں پر ایک نئی شان سے اس قصہ کو ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی اپنی قوم قریش کی تنبیہ اور عبرت کے لیے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے جبکہ تیرے پروردگار نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اور یہ حکم دیا کہ اے موسیٰ ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس جا۔ جنہوں نے کفر کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور [illegible] کرتے

اور عدم سے وجود میں آنا بھی حقیقت حدوث کی ہے اور وجود کے بعد عدم میں چلا جانا بھی حقیقت فنا اور زوال کی ہے یہی جس چیز کا حدوث اور فنا و زوال نظروں کے سامنے ہو اس کو قدیم اور واجب الوجود کہنا کھلی ہوئی حماقت ہے۔ آسمان و زمین کا حدوث اور انکا فنا و زوال عام نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے آسمان و زمین کو تو ظاہر بیں قدیم کہنے کی گنجائش ہے بھی لیکن آباؤ اجداد کا حدوث اور فنا و زوال تو سب کی نظروں کے سامنے ہے کوئی انسان ان آباؤ اجداد کو قدیم اور واجب الوجود کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اے فرعون اسی طرح تو بھی پہلے زمانہ میں معدوم تھا بعد میں پیدا ہوا اب چند روز بعد آباء اجداد کی طرح تجھے بھی موت آنے والی ہے۔ لہٰذا تو بھی حادث ہے اور فانی ہے کس برتے پر تو الوہیت اور ربوبیت کا دعوے دار بنا ہوا ہے خوب سمجھ لے کہ رب العالمین تو وہ ہے کہ جو دائم اور قدیم اور باقی لایموت ہے جس کی بارگاہ میں عدم اور فنا کا کبھی گزر نہیں۔ اے فرعون تجھے معلوم ہے کہ تو ایک طویل اور غیر محدود عدم کے بعد وجود میں آیا ہے۔ تو جیتے تو نے دن عالم میں گزارے ہیں اور چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے آباء و اجداد کی طرح مر کر زمین میں دفن ہونے والا ہے تیرا رب کیسے ہو سکتا ہے۔ تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا دائرہ سلطنت مصر سے باہر نہ تھا اور میں جس رب کی عبادت کی طرف تم کو بلا رہا ہوں اسکی حکومت و سلطنت کا دائرہ مشرق و مغرب کو محیط ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا حادث ہونا یعنی عدم سے وجود میں آنا ایسا واضح اور روشن ہے کہ جس کا تو انکار نہیں کر سکتا تو عقلاً ضروری ہے کہ ہر حادث کے لیے ایک محدث چاہیے کہ جو اس کو عدم سے نکال کر وجود میں لایا ہے کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ یہ حادث چیزیں یعنی تو اور تیرے آباؤ اجداد خود بخود تو عدم سے نکل کر وجود میں نہیں آگئے جس اے فرعون جو ذات تجھ کو اور تیرے آباء اولین کو عدم سے نکال کر وجود میں لائی ہے وہی رب العلمین ہے اور اے فرعون تو اور تیرے آباؤ اجداد اجسام مرکبہ ہیں جو مختلف اجزاء سے مل کر بنتے ہیں اور ذی حیات ہیں اور صاحب عقل ہیں اور پیدائش کے وقت سے لے کر مرنے تک طرح طرح کے تغیرات ان کو لاحق ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ تمام خود بخود عناصر مرکب اور ترکیب (وغیرہ) کے خود بخود مرکب ہو گئے اور خود بخود ان میں حیات اور عقل آ گئی اور خود بخود جوان ہو گئے اور خود بخود بوڑھے ہو گئے اور خود بخود بیمار اور تندرست ہو گئے اور خود بخود مر گئے اور خود بخود جا کر قبروں میں لیٹ گئے۔ لامحالہ اس ہیئت ترکیبیہ کے لیے کوئی مرکب چاہیے اور ان تغیرات کے لیے کوئی مغیر چاہیے اور ان تاثرات کے لیے کوئی موثر چاہیے پس جس ذات بابرکات کے ہاتھ میں تیرے اور تیرے آباؤ اجداد کے تغیرات اور تنوعات اور ان کے وجود اور عدم کی باگ ہے اور تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کی موت و حیات جس کے اختیار میں ہے وہی ذات رب العالمین ہے اور اسی رب العالمین نے مجھ کو رسول بنا کر تیری طرف بھیجا ہے اور جس طرح تیرے آباؤ اجداد کے اجسام حادث اور فانی ہیں اور اپنے حدوث اور وجود میں صانع کے محتاج ہیں اسی طرح آسمان و زمین بھی اجسام حادثہ اور فانیہ ہیں اپنے حدوث میں پروردگار کے محتاج ہیں اور فلسفہ جدیدہ یہ کہتا ہے کہ زمانہ کے تنوعات اور تغیرات مادہ اور تغیر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آتے ہیں۔ جدید فلسفہ کی تحقیق اور فرعون کے قول میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ

جادوگر، کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا نیگ بھی ہے؟ اگر ہو جاویں

الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

ہم زبر۔ بولا البتہ اور تم اس وقت نزدیک والوں میں ہو گے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى أَلْقُوْا مَا أَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَأَلْقَوْا

کہا انکو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔ پھر ڈالیں

حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ

انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں۔ اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَأَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا

زبر رہے۔ پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا، پھر تبھی وہ نگلنے لگا جو

يَأْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ

سانگ انہوں نے بنایا تھا، پھر اوندھے گرے جادوگر سجدہ میں۔ بولے ہم نے مانا جہان کے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ

رب کو۔ جو رب موسیٰ و ہارون کا۔ بولا تم نے اسکو مان لیا

قَبْلَ أَنْ اٰذَنَ لَكُمْ إِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ

ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو۔ مقرر وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھایا جادو۔

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ

سو اب معلوم کرو گے۔ البتہ کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں۔

خِلَافٍ وَّلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ إِنَّا

اور سولی چڑھاؤں تم سب کو۔ بولے کچھ ڈر نہیں، ہم کو اپنے

اس کے کہ میں تم کو اس کی اجازت دوں یعنی میری اجازت کے بغیر تم نے اس کی کیسے تصدیق کی بیشک یہ تمہارا بڑا گرو ہے جو تم پر غالب آگیا جس نے تم کو جادو سکھلایا ہے پس تم عنقریب جان لو گے کہ اس نافرمانی کی کیا سزا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا استاد ہے اور تم اس کے شاگرد ہو یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے جیسا کہ سورۂ اعراف میں ہے اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا۔ اور وہ سزا یہ ہے کہ البتہ تحقیق میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں خلاف اور مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی ایک طرف کا ہاتھ تو دوسری طرف کا پاؤں اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا تاکہ دیکھنے والوں کو اس سے عبرت ہو مگر جادوگروں پر اس تہدید کا کوئی اثر نہیں ہوا اور بولے کہ کچھ مضائقہ نہیں یعنی ہم کو تیری اس دھمکی کی کچھ پرواہ نہیں بے شک ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں یعنی ہمیں تیرے قتل کی پرواہ نہیں شہید ہو کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ایمان لائے ہیں رب العالمین پر ایسا یقین آیا کہ دار فانی ان کی نگاہ میں ہیچ ہو گیا اور لقائے خداوندی کے مشتاق ہو گئے اور بولے کہ بے شک ہم اس بات کی طمع اور آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں بخش دے اس وجہ سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے مسلمان ہیں یعنی ہم اپنی قوم قبط میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں سبقت فی الایمان کی وجہ سے ہم کو خدا سے امید ہے کہ وہ ہمارے تمام گناہ معاف کر دے ہمارا مقصود آخرت اور رضائے خداوندی ہے اسی لیے ہم نے فرعون کے انعام و اکرام پر لات ماری اور رب العالمین کے سامنے جھک گئے۔

نکتہ اسی سبقت فی الایمان کی وجہ سے مہاجرین اولین کو دیگر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے۔ کما قال تعالٰی وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ الآیۃ۔

قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ ایمان لانے کے بعد فرعون نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ فرعون نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ واللہ اعلم۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ جادوگروں کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے اقوال بارہ ہزار یا پندرہ ہزار یا اسی ہزار تک ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ستر تھی حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۲ ج ۳۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ

مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

تمہارے پیچھے لگیں گے۔ پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں

۱؎ فقتلهم كلهم۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۵ ج ۳۔

حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ

نقیب - یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہیں تھوڑی سی۔ اور

اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ مقرر ہم سے جی جلے ہیں۔ اور ہم سارے خطرہ رکھتے ہیں۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ

پھر نکالا ہم نے انکو باغ چھوڑ کر اور چشمے۔ اور خزانے اور گھر

كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ

خاصے۔ اسی طرح ! اور ہاتھ لگائیں یہ چیزیں بنی اسرائیل کو۔ پھر پیچھے پڑے

مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى

انکے سورج نکلتے۔ پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے موسیٰ کے لوگ

اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾

ہم تو پکڑے گئے۔ کہا کوئی نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب مجھکو راہ بتلائے گا۔

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ

پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو۔ پھر

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا

پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ۔ اور پاس پہنچا دیا

ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ

ہم نے اس جگہ دوسروں کو۔ اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ تھے اسکے ساتھ

اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ

سارے۔ پھر ڈبا دیا ان دوسروں کو۔ اس چیز میں ایک نشانی ہے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۶۷ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۶۸

اور نہیں وہ بہت لوگ ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

ذکر کرشمۂ قدرت خداوند جلیل در نجات بنی اسرائیل و غرقابی فرعون در دریائے نیل

قال اللہ تعالیٰ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ ... الیٰ ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

(ربط) مقابلہ میں جب موسیٰ علیہ السلام غالب آگئے اور اللہ کی حجت اور برہان سب پر تمام ہو گئی۔ مگر باوجود اس کے فرعون اور اسکی قوم عناد پر قائم رہی اور ایمان لانے والوں پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تو اب اتمام حجت کے بعد سوائے وبال و نکال اور عذاب و عقاب کے کچھ باقی نہ رہا تو مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ اس ظالم سے انتقام لیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو نکال لے جائیں اور جتلا دیا کہ تمہارے نکل جانے کے بعد فرعون کا لشکر تمہارا تعاقب کریگا۔ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ اہل ایمان خاص عزت و کرامت کے ساتھ نکل جائیں اور ان کے بعد جب فرعون کا لشکر دریا میں داخل ہو تو اسکو غرق کر دیا جائے اس طرح سے اسکو ملک سے نکال باہر کیا جائے اس لیے ان آیات میں بنی اسرائیل کی عجیب طرح نجات کی کیفیت اور عجیب طرح سے فرعون کی ہلاکت کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کا بچنا اور اس طرح کی غرقابی کرشمۂ قدرت تھا جو رب العالمین کی ربوبیت کی دلیل تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جو انکی صداقت اور رسالت کی دلیل تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا آخری معجزہ تھا۔ اس کے بعد فرعون اور اسکی قوم پر طوفان اور جوں وغیرہ کی بلائیں مسلط کی گئیں جنکا سورۃ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے۔ ابتداء میں قوم پر یہ بلائیں اور آفتیں مسلط کی گئیں تاکہ ہوش میں آجائیں لیکن کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون کو اس واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور نہ دیگر مصائب سے عبرت ہوئی نہ بنی اسرائیل کے ظلم و ستم سے وہ دست کش ہوا بلکہ جو ساحر ایمان لے آئے تھے انکو قتل کر کے پھانسی پر لٹکا دیا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا کہ تم رات کے وقت بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے چلے جاؤ اور یہ بھی بتلا دیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ یعنی جب فرعون کو تمہارے نکل جانے کی خبر ہوگی تو وہ تمہارا تعاقب کریگا چنانچہ حسب الحکم موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے جب صبح ہوئی تو یہ خبر مشہور ہوئی اور فرعون کو اسکا علم ہوا تو فرعون نے انکے تعاقب کا ارادہ کیا۔ جس کی تدبیر یہ کی کہ ملک کے

مختلف شہروں میں لشکر جمع کرنے کے لیے آدمی بھیج دیئے تھے جب جمع ہو گئے تو یہ منادی کرائی کہ تحقیق یہ لوگ یعنی بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ شمار کے اعتبار سے بھی قلیل ہے اور ساز و سامان کے لحاظ سے بے سر و سامان ہے جن کو ہماری فوج سے کوئی نسبت نہیں اور انہوں نے ہماری مخالفت کر کے ہم کو غصہ دلایا ہے اور بے شک ہم سب پورے سلاح پوش اور ہتھیار بند لوگ ہیں یہ لوگ ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ غرض یہ کہ وہ بڑے ساز و سامان کر کے ان کے تعاقب میں نکلے اور یہ خبر نہ تھی کہ اب لشکر مصر لوٹنا نصیب نہ ہو گا۔ پس ہم نے ان بدکاروں کو ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکال دیا۔ یعنی ہم نے ان کے دل میں نکلنے کا داعیہ پیدا کر دیا کہ خود بخود اپنے باغوں اور محلوں سے نکل کھڑے ہوئے دیکھو تو کہ خدا کا نکالنا ایسا ہوتا ہے کہ خود ان کے دل میں نکلنے کا پختہ ارادہ پیدا کر دیا کہ سب چیزوں کو چھوڑ کر خود بخود نکل کھڑے ہوئے اور بعد چندے ہم نے ان باغوں اور خزانوں کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا اور چند دنوں کے بعد وہ ان تمام اموال اور املاک پر قابض ہو گئے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا اب آگے باقی قصہ کا بیان ہے پس فرعون کے لشکر نے سورج نکلنے کے وقت بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور پیچھے سے ان کو جا پکڑا یعنی ان کے قریب پہنچ گئے اور یہ وقت اشراق کا تھا۔ پس جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ لوگ تو ہمارے سر پر پہنچ گئے اب تو ہم پکڑے گئے۔ یعنی اب فرعون ہمیں پکڑ لے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں یعنی وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔ اس لیے کہ تحقیق میرا پروردگار میرے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا جیسا کہ ہجرت کے قصہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ وہ عنقریب مجھے اس مضیق سے خلاصی کی راہ بتائے گا تم گھبراؤ نہیں چونکہ دریا کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ آگے دریا تھا اور پیچھے دشمن تھا اس لیے اصحاب موسیٰ علیہ السلام مضطرب تھے۔

آگے اب جو حال ہوا ہے پس اس اضطراب اور پریشانی کے وقت میں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا اس دریا پر مارو چنانچہ انہوں نے بحکم خداوندی اپنا عصا اس پر مارا۔ پس فوراً وہ دریا پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی کی جگہ سے ادھر ادھر ہو گیا جس سے بارہ سڑکیں پیدا ہو گئیں۔ سو پانی کا ہر ایک ٹکڑا مثل ایک بڑے پہاڑ کے کھڑا ہو گیا اور بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے لیے بارہ راستے ہو گئے جو بحکم خداوندی سب خشک تھے کیچڑ نہ رہا اور اطمینان کے ساتھ ان راستوں سے گزر کر دریا سے پار ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے یہ حکم دیا کہ دریا کو اسی طرح خشک چھوڑ دو۔ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ۔ جو خشکی میں راستے بنا سکتا ہے وہ تری میں بھی بنا سکتا ہے اس کی قدرت کے اعتبار سے بر اور بحر سب برابر ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تو ان دریائی راستوں کو خشک چھوڑ کر پار ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور بعد ازاں ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی فرعونیوں کو اس جگہ کے قریب پہنچا دیا چنانچہ فرعونیوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے لیے خشک راستے بنے ہوئے ہیں تو فرعون اور فرعونی ان میں گھس پڑے۔ پانی بحکم خداوندی رواں ہو گیا اور سارا لشکر اندر غرق ہو گیا اور یہ تمام رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا اور صحیح سالم دریا سے پار کر دیا۔ پھر ان کے پار ہو جانے کے بعد دوسروں کو دریا میں غرق کر دیا جب فرعونی

قوم سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے تمام ٹکڑے آپس میں مل گئے اور سب غرق ہوگئے جو لوگ کہ آپ اور قوم کی تکذیب کے قائل تھے غرق میں سب شریک ہوگئے۔ حالانکہ ان کے حالات مختلف تھے۔ فرعون کو دریائے نیل اور مصر کی نہروں پر فخر تھا اور بطور فخر کہا کرتا تھا اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ۔ اس لیے من جانب اللہ اس کے قابل فخر دریا اور نہر میں اس کو غرق کیا گیا کہ دیکھ لے کہ وہ قابل فخر نہر یہ ہے اور بیشک اس واقعہ میں اللہ رب العالمین کی قدرت کی اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت نبوت کی اور اہل ایمان کی نصرت وحفاظت کی، اور متکبرین اور کافروں کی ہلاکت کی بہت بڑی نشانی ہے اور باوجود ان روشن نشانیوں کے قوم فرعون میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے بیشک تیرا پروردگار جو ہے وہی غالب ہے اور بڑا مہربان ہے اسی انفلاق بحر کے واقعہ سے اس کی شان عزت و غلبہ اور شان رحمت ظاہر ہوگئی کہ اہل ایمان کو نجات دی اور اہل کفر و تکبر کو غرق کیا۔

لطائف ومعارف

حق جل شانہ نے ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزوں کا ذکر فرمایا۔ معجزۂ عصا، اور معجزۂ ید بیضا، اور معجزۂ انفلاق بحر۔ فلاسفہ اور ملاحدہ اس قسم کے خوارق عادات معجزات اور کرامات کے منکر ہیں اور انکو محال بتلاتے ہیں اور موجودہ زمانے کے نئے مجتہدین یہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں قانون فطرت کے خلاف ہیں۔

جواب سو جاننا چاہیے کہ فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ اس قسم کے معجزات کا وقوع عقلاً محال ہے، دعویٰ بلا دلیل ہے آج تک کوئی دلیل انکے محال ہونے پر قائم نہ ہوسکی۔

جمادات اور نباتات کے اندر حیوانات کا پیدا ہوجانا اور زمین میں حشرات الارض کا پیدا ہونا روزمرہ کا مشاہدہ ہے پس اگر ایک جامد اور بے جان چیز (یعنی عصا) بحکم خداوندی حیوان بن جائے تو عقلاً ممکن ہے جیسا اوقات لکڑی کے اندر کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور کسی جسم کا روشن ہوجانا عقلاً محال نہیں، آفتاب اور ماہتاب خدا کے پیدا کردہ جسم ہیں ان میں جو روشنی ہے وہ بھی خدا کی پیدا کردہ ہے آفتاب اور ماہتاب خود بخود اپنی طبیعت اور اپنے ارادہ اور مشیت سے روشن نہیں ہوگئے پس جس خدا نے آفتاب اور ماہتاب کو روشنی بخشی وہی خدا اپنے کلیم کے ہاتھ کو بھی روشنی بخش سکتا ہے نفس جسمیت کے لحاظ سے آفتاب اور موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برابر ہیں اور قدرت خداوندی کے اعتبار سے بھی سب یکساں ہیں اور علی ہذا انفلاق بحر بھی عقلاً محال نہیں کیونکہ پانی بھی عام اجسام کی طرح بہت سے اجزاء سے مرکب ہے اور قابل انقسام ہے اور اس کے اجزاء میں باہمی اتصال اور انفلاق کی پوری صلاحیت اور استعداد موجود ہے جیسے موسم سرما میں بڑے بڑے دریا منجمد ہوجاتے ہیں اور حیوانات ان پر سے گزرتے رہتے ہیں معلوم ہوا کہ پانی کا اتصال اور اس کا انفلاق اور انفصال پانی کی نفس ماہیت کا ذاتی اور طبعی اقتضا نہیں کہ جو ناقابل تغیر و تبدل ہو سب قدرت خداوندی سے ہے پس اگر قدرت خداوندی سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کا پانی تھوڑی دیر کے لیے پھٹ جائے اور تھم جائے اور پھر انکے گزر جانے کے بعد فوراً بہنے لگے تو یہ بات عقلاً محال نہیں البتہ خارق عادت ہے جسکی وجہ سے عجیب و غریب ضرور ہے اگر یہ کوئی امر عجیب نہ ہوتا تو پھر معجزہ ہی کیوں کہلاتا۔ پس جو کرشمہ قدرت خدا کے کسی برگزیدہ بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ اس نبی کا معجزہ

کھلا کہ یہ جو اس نبی کی صداقت اور حقانیت کی دلیل اور روشن علامت ہوتا ہے یہی یہ واقعہ چند حیثیت سے معجزہ ہوگیا۔ (۱) محض عصا کے مارنے سے دریا کا پھٹ جانا (۲) اور پھر اس میں بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے مطابق بارہ سڑکیں پیدا ہو جانا (۳) پھر بنی اسرائیل کے گزر جانے کے بعد دریا کا رواں ہو جانا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ

اور سنا انکو خبر ابراہیم کی۔ جب کہا اپنے

لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا

باپ کو اور اسکی قوم کو، تم کیا پوجتے ہو؟ وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو

فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ

پھر سارے دن ان ہی کے پاس لگے بیٹھے رہیں۔ کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا؟ جب

تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ

پکارتے ہو۔ یا بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا۔ بولے نہیں!

وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا

پر ہم نے پائے اپنے باپ دادے یہی کرتے۔ کہا بھلا دیکھتے ہو؟ جن

كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ

کو پوجتے رہے ہو۔ تم اور تمہارے باپ دادے اگلے۔ سو وہ

عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٧﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ

میرے دشمن ہیں مگر جہان کا صاحب۔ جس نے مجھ کو بنایا، سو وہی مجھ

يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾ وَإِذَا

کو راہ دیتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ اور جب

مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿٨١﴾

میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی چنگا کرتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلاوے گا۔

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿٨٢﴾

اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر دن انصاف کے۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ

اے رب! دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں۔ اور رکھ

لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ

میرا بول سچا پچھلوں میں۔ اور کر مجھ کو وارثوں میں

جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾

نعمت کے باغ کے۔ اور معاف کر میرے باپ کو، وہ تھا راہ بھولوں میں۔

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا

اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن سب جی کر اٹھیں۔ جس دن نہ کام آوے کوئی مال نہ

بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأُزْلِفَتِ

بیٹے۔ مگر جو کوئی آیا اللہ پاس لیکر دل چنگا۔ اور پاس لائے

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ

بہشت واسطے ڈروالوں کے۔ اور نکالی دوزخ سامنے بے راہوں کے۔ اور کہئے

لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ هَلْ

ان کو کہاں ہیں؟ جن کو پوجتے تھے۔ اللہ کے سوا۔ کچھ

يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَ

مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ہیں؟ پھر اوندھے ڈالے اس میں وہ اور

الْغَاوُونَ ۝٩٤ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ۝٩٥ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا

سب بے راہ ۔ اور لشکر ابلیس کے سارے ۔ کہیں گے جب وہ

يَخْتَصِمُونَ ۝٩٦ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝٩٧ إِذْ

وہاں جھگڑنے لگیں ۔ قسم اللہ کی ہم تھے صریح غلطی میں ۔ جب

نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝٩٨ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ۝٩٩

تم کو برابر کرتے تھے جہان کے صاحب کے ۔ اور ہم کو راہ سے بھلایا سو ان گنہگاروں نے ۔

فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ۝١٠٠ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ۝١٠١ فَلَوْ

پھر کوئی نہیں ہمارا سفارش کرنے والا ۔ اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا ۔ سو کسی

أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝١٠٢ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

طرح ہم کو پھر جانا ہو تو ہم ہوں ایمان والوں میں ۔ البتہ اس بات میں

لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝١٠٣ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشانی ہے ۔ اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے ۔ اور تیرا رب وہی ہے

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝١٠٤

زبردست رحم والا ۔

قصۂ دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ... الیٰ ... وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

(ربط) گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کا ذکر تھا اب اس کے بعد آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ انکو اپنی قوم کے مقابلہ میں کیا ابتلا پیش آیا۔ حضرت ابراہیم کو اپنے باپ کی گمراہی کا شدید رنج تھا حضرت ابراہیم کی قوم بابل کے اطراف میں آباد تھی مذہباً صابی تھی ستارہ پرست تھے اور بت

کی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل اور معصوم بندے تھے۔ مگر سہو و نسیان سے کوئی بشر خالی نہیں اس لیے بطور تواضع و ادب اور لوگوں کی تعلیم کے لیے یہ فرمایا کہ لوگوں کو چاہیے کہ اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں پر نظر رکھیں اور بتلا دیا ہے کہ لوگ جان لیں کہ خطاؤں کو معاف کرنے والا صرف وہی رب العالمین ہے۔ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش ۔ عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش ۔ کس نتواند کہ بجا آورد

جہاں تک ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے معبود برحق کی صفات بیان کیں کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہو۔ تمہارے تراشیدہ بت قابل عبادت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے انواع و اقسام کے الطاف کا اعتراف کیا اب اس کے بعد ابراہیم اپنی قوم سے منہ موڑ کر رب العالمین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے دعا مانگتے ہیں اے میرے پروردگار مجھ کو علم اور حکمت عطا فرما اور مجھ کو اپنے خاص الخاص نیک بختوں میں شامل کرلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا ہو جو کسی سے ممکن نہیں اس لیے حضرات انبیاء سب سے زیادہ عاجز اور ترساں رہتے ہیں۔ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ سے مروی ہے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت جو اس عبادت کا حق ہے ادا نہیں کرسکتی لیکن بندہ اس کے حکم کی فرمانبرداری اور بجا آوری کرتا ہے حکم سے علم اور حکمت اور نبوت اور قوت علمیہ کا کمال مراد ہے اور صلاح سے قوت عملیہ کا کمال مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دونوں دعائیں قبول کیں۔ ان کو علم و حکمت اور رسالت اور خلت سے سرفراز فرمایا اور صالحین میں سے بنایا۔ کما قال تعالیٰ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ اور اے میرے پروردگار میرا ذکر خیر سچائی کے ساتھ پچھلے لوگوں میں جاری رکھ کہ پچھلے لوگ میرے طریقے پر چلیں اور ان کی نیکیوں سے مجھ کو بھی حصہ ملے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ کما قال تعالیٰ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۔ جس قدر ادیان سماویہ ہیں سب میں ان کا ذکر خیر ہوتا ہے اور امت محمدیہ کو یہ حکم ہوا کہ التحیات میں جب درود پڑھا کریں تو ان کے ساتھ كما صليت و باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم۔ پڑھا کریں۔ اور اے اللہ مجھ کو جنت النعیم کے وارثوں میں سے کردے جو تیری نعمت اور کرامت کا مقام ہے یعنی بغیر تعب اور مشقت کے مجھ کو جنت عطا فرما۔ جیسے میراث بدون تعب اور مشقت کے ملتی ہے اور اے اللہ میرے باپ کی مغفرت فرمادے وہ گمراہوں میں سے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور باپ کو چھوڑ کر چلے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ اس کو ایمان اور ہدایت کی توفیق نصیب فرما تاکہ وہ تیری مغفرت کا مستحق ہو سکے۔ ان کو یہ امید تھی کہ شاید وہ زندگی میں اسلام لے آئے لیکن جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے ایمان نہیں لائے گا اور یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو اس سے بیزار ہو گئے جیسا کہ سورۂ توبہ میں گزر چکا ہے۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ

ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر تھا جو مقام رجاء و طمع سے متعلق ہیں اب آئندہ آیت میں

سو کاش ہم کو پھر ایک مرتبہ دنیا میں لوٹنا نصیب ہو جائے تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں اور پکے ایماندار بن کر رہیں (اور یہ) بات بھی انکی جھوٹ ہے وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کی تقریر ختم ہوئی۔ اب آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے بیشک ابراہیم علیہ السلام کے اس تمام قصہ میں اہل عقل کے لیے بڑی نشانی ہے یعنی عبرت اور نصیحت ہے اور حجت اور بصیرت ہے جو اللہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے کیونکہ یہ قصہ بطلان شرک اور دلائل توحید اور مشرکین کے برے انجام کے بیان پر مشتمل ہے کہ کفر اور شرک کا انجام عذاب ہے جیسا ایمان دائمی نجات کا سبب ہے اور باوجود اس کے قوم ابراہیم میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ اے نبی بیشک تیرا پروردگار بڑا غالب ہے اور مہربان ہے یعنی وہ قادر ہے کہ اپنے دشمنوں سے فوری انتقام لے لے، لیکن وہ رحیم اور حلیم ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ

جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان

لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تمہارے واسطے پیغام لانے

أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے اس

مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا

پر کچھ بدلہ۔ میرا بدلہ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔ سو ڈرو

اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ

اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ بولے کیا ہم تجھ کو مانیں؟ اور تیرے ساتھ ہو رہے

الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾

ہیں کمینے۔ کہا مجھ کو کیا خبر ہے جو کام وہ کرتے رہے ہیں۔

إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا

ان کا حساب پوچھنا میرے رب ہی کا کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ اور میں نہیں ہانکنے

بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا

والا نہیں ایمان لانے والوں کو۔ میں تو یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر۔ بولے

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ

اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح! تو سنگسار ہوگا۔ کہا

رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا

اے رب! میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا۔ سو فیصلہ کر میرے ان کے بیچ میں کسی طرح کا فیصلہ

وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

اور بچا لے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے۔ پھر بچا دیا ہم نے

وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ

اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس بھری کشتی میں۔ پھر ڈبا دیا پیچھے ان بچے

الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

ہوؤں کو۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

قصہ سوم حضرت نوح علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ۔ الیٰ۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۔

یہ تیسرا قصہ نوح علیہ السلام کا ہے اس سے مقصود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ نوح علیہ السلام نے ایک طویل مدت تک اپنی قوم کی فکر میں جد و جہد کیا، نوح علیہ السلام نے اول اپنی قوم کو خدا سے ڈرایا اَلَا تَتَّقُوْنَ۔ بعد ازاں اپنی رسالت اور امانت کو جتلایا۔ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ۔ کیونکہ آنحضرت

جیسا کہ دوسری جگہ ہے ـــــ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ اور مجھ کو اور جو میرے ساتھ مسلمان ہیں ان کو اپنے قہر اور عذاب سے نجات دے تب ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں بیٹھے تھے ان کو نجات دی پھر ان کے نجات دینے کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا بیشک اس واقعہ میں غور کی عبرت کی ایک زبردست نشانی ہے اور قوم نوح میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہوئے اور واسطے بھی بیشک تیرا پروردگار وہی ہے زبردست رحیم کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا اور مسلمانوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور تمام کافر قہر الٰہی کے طوفان اور سیلاب میں بہہ کر ہلاک کر دیئے گئے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ

جھٹلایا عاد نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے

هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾

کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر

أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ

کچھ بدلہ۔ میرا بدلہ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔ کیا بناتے ہو

بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ

ہر ٹیلے پر ایک نشان کھیلنے کو؟ اور بناتے ہو کاریگریاں شاید

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾

تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو ہاتھ ڈالتے ہو ظلم سے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پہنچایا ہے جو

تَعْلَمُونَ ۝١٣٢ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝١٣٣ وَجَنَّاتٍ

کو جانتے ہو۔ پہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے۔ اور باغ

وَعُيُونٍ ۝١٣٤ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

اور چشمے۔ میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی

عَظِيمٍ ۝١٣٥ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ

آفت سے۔ بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ

تَكُن مِّنَ الْوَاعِظِينَ ۝١٣٦ إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۝١٣٧

بنے نصیحت کرنے والا۔ اور کچھ نہیں یہ عادت ہے اگلے لوگوں کی۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝١٣٨ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي

اور ہم کو آفت نہیں آنے والی۔ پھر اس کو جھٹلانے لگے تو ہم نے ان کو کھپا دیا۔ اس بات

ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝١٣٩ وَإِنَّ رَبَّكَ

میں البتہ نشان ہے۔ اور وہ لوگ بہت نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝١٤٠

ہے زبردست رحم والا۔

قصۂ چہارم حضرت ہود علیہ السلام با قوم عاد

قال اللہ تعالیٰ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ... الیٰ ... لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

یہ چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ قوم بڑی مالدار اور صاحب سلطنت تھی۔ عیش و عشرت اپنی دنیاوی آسائش و آرام و راحت کے لیے بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بناتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے ان کو دنیا کی بے ثباتی اور [illegible] پر آمادہ کیا مگر وہ لوگ مال و دولت کے نشہ میں مست تھے کب نصیحت ماننے والے تھے بالآخر عذاب الٰہی سے نیست و نابود

کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں قوم عاد نے ایک ہود علیہ السلام کو کیا جھٹلا دیا۔ سارے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے نسبی بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم کفر اور شرک کر کے اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لیے معتبر اور امانت دار پیغمبر ہوں تم کو بھی میری امانت اور صداقت معلوم ہے پس تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور جس بات کی طرف تم کو بلاتا ہوں اس پر عمل کرو۔ اور میں تم کو خالص اللہ کے لیے نصیحت کرتا ہوں اس دعوت اور نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف پروردگار عالم کے ذمہ ہے کیا تم ہر بلند جگہ پر اپنی شان و شوکت کا نشان بناتے ہو تاکہ خوب بلندی سے نظر آئے محض عبث اور بے کار کام کرتے ہو جس کی ضرورت نہیں محض نام و نمود کے لیے بناتے ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہاں بیٹھ کر تم کھیل اور تماشا کرتے ہو اور سر راہ چلنے والوں پر ہنستے ہو اور بڑے بڑے عالی شان محل یا مضبوط قلعے یا پانی کی بڑی حوضیں یا زیر زمین پانی کی نہریں بناتے ہو گویا کہ تم اس دنیا میں اور ان مکانات میں ہمیشہ رہو گے اور تم کو کبھی موت نہیں آئے گی کیونکہ ایسے محکم اور مضبوط مکانات بنانا طول امل اور غفلت پر دلالت کرتا ہے تم کو موت کی اور مابعد موت کی کوئی فکر نہیں اور تمہارے تکبر اور تجبر کا یہ حال ہے کہ جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو اور اسکو پکڑتے ہو تو ظالم اور سرکش ہو کر اسکو پکڑتے ہو جس میں رحم و کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ پس اللہ سے ڈرو اور سرکشی کو چھوڑو اور میرا کہا مانو اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو یعنی جس خدا نے تمہارے مویشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں سے تمہاری مدد کی یعنی جس خدا نے تم کو یہ نعمتیں دیں اس سے ڈرو کہیں وہ اپنی نعمتیں تم سے چھین نہ لے تحقیق مجھ کو تمہاری ان نافرمانیوں کی وجہ سے ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ بولے ہم پر برابر ہے کہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں میں سے ہم اپنا طریقہ نہیں چھوڑیں گے یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں ہیں اور یہی اگلوں کی عادت ہے اور ہم کو کوئی عذاب نہیں آئے گا غرض یہ کہ ان لوگوں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو آندھی سے ہلاک کر دیا اور ان کے محلوں اور قلعوں کا نام و نشان بھی نہ رہا اور اس واقعہ میں اللہ کی ذی شان قدرت کی بڑی نشانی ہے کہ تکذیب کا کیا انجام ہوا ہے اور قوم عاد میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور بیشک تیرا رب وہی ہے زبردست عزت والا اور رحمت والا ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ

جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان

أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ

کے بھائی صالح نے کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تم کو پاس

رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ

پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٤٥﴾

تم سے اس پر کچھ بدلہ، میرا بدلہ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هٰهُنَا آمِنِينَ ﴿١٤٦﴾ فِي جَنّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٤٧﴾

کیا چھوڑ دیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے فکر، باغوں میں اور چشموں میں۔

وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ

اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم۔ اور تراشتے ہو پہاڑوں

الْجِبَالِ بُيُوتًا فٰرِهِينَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٥٠﴾

کے گھر تکلف سے۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٥١﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي

اور نہ مانو حکم بے باک لوگوں کا۔ جو بگاڑ کرتے ہیں

الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ

ملک میں اور سنوار نہیں کرتے۔ بولے، تجھ پر کسی نے

الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٥٣﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا ۚ فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ

جادو کیا ہے۔ تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم، سو لے آ کچھ نشانی اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ

تو سچا ہے۔ کہا یہ اونٹنی ہے اس کو پانی پینے کی

وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ

ایک باری، اور تم کو باری ایک دن کی مقرر۔ اور نہ چھیڑیو اس کو بری طرح

فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا

پھر پکڑے تم کو آفت ایک بڑے دن کی۔ پھر کاٹ ڈالی وہ اونٹنی پھر کل کو

الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ

جہان کے مردوں پر ؟ اور چھوڑتے ہو جو تم کو بنا دیں

رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

تمہارے رب نے تمہاری جوروئیں ؟ بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے ۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

بولے ۔ اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکالا جاوے گا ۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ

کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں ۔ اے رب ! خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر

مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا

والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں ۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سارے ۔ مگر ایک

عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ

بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں ۔ پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان دوسروں کو ۔ اور

اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ

برسایا ان پر ایک برساؤ سو کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا ۔ البتہ

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ

اس بات میں نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے ۔ اور

اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا ۔

لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

ان کو شعیب نے، کیا تم کو ڈر نہیں۔ میں تم کو پیغام لانے والا ہوں

أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ

معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨٠﴾

سے اس پر کچھ بدلہ، میرا بدلہ ہے اسی جہان کے صاحب پر ہے۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا

پورا بھر دو ماپ اور نہ ہو نقصان دینے والے۔ اور تولو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ

سیدھی ترازو سے۔ اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي

اور مت دوڑو ملک میں خرابی ڈالتے۔ اور ڈرو اس سے جس

خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ

نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو۔ بولے تجھ پر تو کسی نے جادو

الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ

کیا ہے۔ اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم اور ہمارے خیال میں

لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ

تو تو جھوٹا ہے۔ سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا

إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا

اگر تو سچا ہے۔ کہا میرا رب خوب جانتا ہے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ

جو تم کرتے ہو۔ پھر اسکو جھٹلایا پھر پکڑا انکو آفت نے سائبان والے دن کی۔

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَ

بیشک وہ تھا عذاب بڑے دن کا۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور

مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

رحم والا۔

قصۂ ہفتم اصحاب الایکہ

قال اللہ تعالیٰ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ... الیٰ ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

یہ ساتواں قصہ اصحاب ایکہ کا ہے جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ علاوہ شرک کے ناپ تول میں بہت کمی کرتے حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا آخر ہلاک ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں ایکہ کے لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو نہیں بلکہ سارے رسولوں کو جھٹلایا ایکہ کے معنی بن کے ہیں۔ ایکہ ایک جنگل تھا جو مدین کے قریب تھا اس جنگل میں درخت اور پھل بہت تھے۔ ایکہ مدین کے متصل ایک مقام کا نام ہے حضرت شعیب علیہ السلام من جانب اللہ دو قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ایک اصحاب ایکہ کی طرف اور ایک مدین کی طرف یہ لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ بدکار اور دغاباز تھے کیل اور وزن میں کمی کرتے تھے جس پر اصرار ان کا وطیرہ تھا جب کہا شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس وعظ اور تبلیغ پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو صرف رب العالمین پر ہے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کا حق ربوبیت ادا کرو اور بندوں کی حق تلفی نہ کرو۔ پیمانہ پورا بھر کر دیا کرو اور نقصان پہنچانے والوں اور حق کم کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ ناپ تول میں کمی کرنا یہ بھی ایک قسم کا فساد ہے مگر چوری اور ڈکیتی کا ایک نمونہ ہے اور اس خدا سے ڈرو جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تم کو اور تم سے پہلی مخلوق کو پیدا کیا اور تم کو عدم سے وجود میں لایا اور وہ تمہارے مٹانے اور فنا کرنے

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَٰٓؤُا بَنِيٓ

کیا ان کو نشانی نہیں ہو چکی؟ کہ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ

إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَٰهُ عَلَىٰ بَعْضِ ٱلْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾

بنی اسرائیل کے۔ اور اگر اتارتے ہم یہ کسی اوپری زبان والے پر

فَقَرَأَهُۥ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا۟ بِهِۦ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَٰهُ

اور وہ اس کو پڑھتا، تو بھی اس کو نہ مانتے۔ اسی طرح گھسا دیا ہم

فِى قُلُوبِ ٱلْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِۦ حَتَّىٰ يَرَوُا۟

نے اس کو گناہگاروں کے دل میں۔ وہ نہ مانیں گے اس کو، جب تک نہ دیکھیں گے

ٱلْعَذَابَ ٱلْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾

دکھ کی مار۔ پھر آوے ان پر اچانک، اور ان کو خبر نہ ہو۔

فَيَقُولُوا۟ هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾

پھر کہنے لگیں کچھ بھی ہم کو فرصت ملے گی۔ کیا ہماری مار جلد مانگتے رہیں۔

أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَٰهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُم مَّا كَانُوا۟

بھلا دیکھ تو! اگر برتنے دیا ہم نے ان کو کئی برس۔ پھر پہنچا ان پر جس کا ان سے

يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾ وَ

وعدہ تھا۔ کیا کام آوے گا ان کے جتنا برتتے رہے۔ اور

مَآ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرَىٰ

کوئی بستی نہیں کھپائی ہم نے جس کو نہ تھے ڈر سنانے والے۔ یاد دلانے کو

وَمَا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ ٱلشَّيَٰطِينُ ﴿٢١٠﴾

اور ہمارا کام نہیں ظلم کرنا۔ اور اس کو نہیں لے اترے شیطان۔

وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ

اور ان سے بن نہ آوے، اور وہ کر نہ سکیں۔ ان کو تو سننے کی جگہ

لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ

سے کنارے کر دیا ہے۔ سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم، پھر تو تو پڑے

الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ وَ

عذاب میں۔ اور ڈر سنا دے اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو۔ اور

اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾

اپنے بازو نیچے رکھ اُن کے واسطے جو تیرے ساتھ ہوں ایمان والے۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ

پھر اگر تیری بے حکمی کریں تو کہہ دے میں الگ ہوں تمہارے کام سے۔ اور بھروسا

عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَ

کر اس زبردست رحم والے پر۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے۔ اور

تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿٢١٩﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾ هَلْ

تیرا پھرنا نمازیوں میں۔ وہ جو ہے وہی ہے سنتا جانتا۔ کیا

أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ

بتاؤں میں تم کو کس پر اترتے ہیں شیطان۔ اترتے ہیں ہر جھوٹے

أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَ

گنہگار پر۔ لا ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔ اور

الشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٢٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ

شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں۔ تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر

اور کعب بن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ - اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے تو کیا ہم بھی اسی عموم میں داخل ہیں؟ تو پھر اللہ تعالیٰ نے آخری آیت نازل فرمائی اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ - جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ گزشتہ آیت کے عموم سے وہ شعراء مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کئے چنانچہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ آیت میں جو حالت بیان کی گئی وہ حالت شعراء کفار و مشرکین کی ہے اور اس سے وہ شعراء مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کئے اور بیہودہ خیالات میں نہیں گھومتے اور نہ ان کا قول ان کے فعل کے خلاف ہوتا ہے اور انہوں نے اللہ کو کثرت سے یاد کیا یعنی اپنے اشعار میں اللہ کی عظمت اور جلال کو ذکر کیا اور آنحضرت کی مدح کی اور اگر اپنے اشعار میں کسی کی ہجو کی تو ذاتی عداوت کی بنا پر نہیں کی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دشمنان اسلام سے بدلہ لیا جنہوں نے ان پر ظلم کیا تھا یعنی کفر نے جو اسلام اور مسلمانوں اور انبیاء اور ان کے دینوں کی ہجو کی تھی اس کا جواب دیا اور ظالم سے بدلہ لینا عقلاً و شرعاً جائز ہے اس لئے اس قسم کے شعراء اسلام حکم سابق سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے ان شعراء اسلام پر اس کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ تم ہو یعنی اس آیت میں جن مومنین صالحین اور ذاکرین اور منتصرین کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا اس کے مصداق تم ہو - نہ تم گمراہ ہو اور نہ گمراہوں کے پیرو ہو بلکہ مظلوم ہو تم نے ظالموں سے اپنا انتقام لیا ہے اور عنقریب یہ ظالم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شعر اور کہانت کی نسبت کرتے ہیں، جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں اور ان کا کیا ٹھکانہ ہے یعنی عنقریب ان کو اپنے ظلم و ستم کا انجام معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے اللہ کے دین اور اس کے ماننے والوں پر کیا ظلم کیا ان ظالموں کا ٹھکانہ آتش دوزخ ہے - واللہ اعلم بالصواب -

لطائف و معارف

ختم سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپ کی نبوت و رسالت کی صحت کی روشن دلیل ہے اور پھر آپ کی تسلی کے لئے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لئے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے اب خاتمہ سورت پر پھر سابق مضمون کی طرف عود فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبرئیل امین آپ کے قلب مبارک پر نازل کی گئی پھر اس کی حقانیت پر یہ دلیل بیان فرمائی کہ علماء بنی اسرائیل اس کتاب کی حقیقت کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں کیونکہ خوب معلوم ہے کہ اس کتاب کے نزول کا ذکر زبر اولین یعنی انبیاء سابقین کے صحیفوں میں موجود ہے کہ نبی آخر الزمان پر ایسی ایسی کتاب نازل ہوگی جیسا کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان کی بعثت کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ اَلنَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ - اسی طرح توریت اور انجیل میں نزول قرآن کا بھی ذکر ہے پھر قرآن کے عربی میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے شیاطین کا القاء نہیں۔ اور اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں۔

آیاتہا ۹۳ — (۲۷) سُورَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ (۴۸) — رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿١﴾ هُدًى

یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور کھلی کتاب کی۔ سوجھ

وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ

اور خوشخبری ایمان والوں کو۔ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز اور

يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ

دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ پچھلے گھر کو یقین جانتے ہیں۔ جو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ

لوگ نہیں مانتے آخرت کو ان کو بھلے دکھلائے ہیں ہم نے ان کے کام

يَعْمَهُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

سو وہ بہکتے ہیں۔ وہی ہیں جن کو بری طرح کی مار ہے اور

فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ

آخرت میں وہی ہیں خراب۔ اور تجھ کو تو قرآن

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿٦﴾

ملتا ہے ایک حکمت والے خبردار سے۔

حقانیت قرآن، اثبات رسالت، ترغیب براعمال آخرت

قال اللہ تعالیٰ طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ

پ

وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ

اور ڈال دے لاٹھی اپنی پھر جب دیکھا اس کو پھن پھناتے جیسے سانپ کی پتلی پھرا

مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ

پیٹھ دے کر اور پیچھے نہ دیکھا اے موسیٰ نہ ڈر میں جو ہوں نہیں ڈرتے میرے پاس

لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ

رسول مگر جس نے زیادتی کی پھر بدل کر

حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١﴾ وَأَدْخِلْ

نیکی کی برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں اور ڈال اپنا ہاتھ

يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۖ فِي تِسْعِ

اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر بلا کسی برائی کے مل کر نو نشانیوں

آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا

فرعون اور اس کی قوم کو بیشک وہ تھے لوگ

فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا

بے حکم پھر جب پہنچیں ان کے پاس ہماری نشانیاں سجھانے کو بولے یہ

سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ

جادو ہے صریح اور ان کا منکر ہوئے اور ان کا یقین کر چکے تھے ان کے جی

ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

بے انصافی اور غرور سے سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام

الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾

بگاڑنے والوں کا

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم۔

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ

اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بڑھا دیا اپنے

كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ

بہت بندوں ایمان والوں پر۔ اور وارث ہوا سلیمان داؤد

وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا

کا اور بولا اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی اور دیا

مِن كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ

ہم کو ہر چیز میں سے۔ بیشک یہی ہے بڑائی صریح۔ اور جمع

لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ

کئے سلیمان کے پاس اسکے لشکر جن اور انسان اور اڑتے جانور پھر انکی

يُوزَعُونَ ﴿۱۷﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ

مسلیں بنتیں۔ یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر۔ کہا ایک

نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ

چیونٹی نے اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں۔ نہ پیس ڈالے تم کو

سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ

سلیمان اور اسکے لشکر اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ پھر مسکرا کر

ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ

ہنس پڑا اسکی بات سے اور بولا اے رب میری قسمت میں دے کہ شکر

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ

اور خبر لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہُدہُد کو یا

كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ

رہا ہے وہ غائب۔ اس کو سزا دوں گا سخت سزا یا

لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ

ذبح کر ڈالوں گا یا لاوے میرے پاس کوئی سند صریح۔ پھر بہت دیر

بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن

نہ کی کہ آکر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہیں اور آیا ہوں

سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَ

تیرے پاس سبا سے ایک خبر تحقیق۔ میں نے پایا ایک عورت کو جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور

أُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدتُّهَا

اس کو ہر چیز ملی ہے اور اس کا ایک تخت ہے بڑا۔ میں نے پایا کہ وہ

وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ

اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوا اور بھلے دکھلائے ہیں ان کو

الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا

شیطان نے ان کے کام پھر روک دیا ہے ان کو راہ سے سو وہ راہ

يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ

نہیں پاتے۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی

فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا

چیز آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو

تَعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾

کرتے ہو۔ اللہ ہے، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا صاحب تخت بڑے کا۔

قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾

کہا ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے۔

اذْهَب بِّكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ

لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے ان کی طرف پھر ان پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ

مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ

وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ کہنے لگی اے دربار والو! میرے پاس ڈالا گیا ہے ایک

كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ

خط عزت کا۔ وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے، اور وہ ہے شروع اللہ کے

الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾

نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ کہ زور نہ کرو میرے مقابل اور چلے آؤ حکم بردار ہو کر۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً

کہنے لگی اے دربار والو! مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں۔ میں طے نہیں کرتی کوئی

أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾ قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو

کام جب تک تم حاضر نہ ہو۔ وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت

بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٣﴾

لڑائی والے۔ اور کام تیرے اختیار ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے۔

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَ

کہنے لگی بادشاہ جب پیٹھیں کسی بستی میں اس کو خراب کریں اور

جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَ

کر ڈالیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور یہی کچھ کریں گے۔ اور

اِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ

میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ، پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لیکر پھرتے ہیں

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫

بھیجے ہوئے۔ پھر جب پہنچا سلیمان پاس، بولا کیا تم میری رفاقت کرتے ہو مال سے؟

فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے

تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ

خوش رہو۔ پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جن کا سامنا

لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ

بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اس کا تخت پہلے اس سے

يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا

کہ وہ آویں میرے پاس حکم بردار ہو کر۔ بولا ایک دیو جنوں میں سے، میں

اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىْ

لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے۔ اور میں اس

عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ

کے زور کا ہوں معتبر۔ بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم

مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ

کتاب کا۔ میں لا دیتا ہوں تجھ کو وہ پہلے اس سے کہ پھر آوے تیری طرف

طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ

تیری آنکھ۔ پھر جب دیکھا وہ دھرا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کے

فَضْلِ رَبِّيْ ږ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ

فضل سے ہے۔ میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو کوئی

فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ

شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو میرا رب بے پروا ہے

كَرِيْمٌ ۝۴۰ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ

نیک ذات۔ کہا روپ بدل دکھاؤ اس عورت کے آگے تخت کا ہم دیکھیں سوجھ پاتی ہے یا

تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝۴۱ فَلَمَّا جَاۗءَتْ

ہوتی ہے ان لوگوں میں جن کو سوجھ نہیں۔ پھر جب وہ آپہنچی کسی نے

قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا

کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت؟ بولی گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم ہو

الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝۴۲ وَصَدَّهَا مَا

چکا آگے سے اور ہم ہو چکے حکم بردار۔ اور بند کر دیا اس کو ان

كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ

چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوا البتہ وہ تھی منکر لوگوں

كٰفِرِيْنَ ۝۴۳ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ

میں۔ کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو

اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ

اللہ کی، پھر وہ تو دو فریق ہو کر لگے جھگڑنے۔ کہا اے قوم! کیوں

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا

شتاب مانگتے ہو برائی پہلے بھلائی سے؟ کیوں نہیں

تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا

گناہ بخشواتے اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو۔ بولے ہم نے بدقدم دیکھا

بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ

تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو۔ کہا، تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے، کوئی نہیں تم لوگ

قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ

جانچے جاتے ہو۔ اور تھے اس شہر میں نو شخص خرابی کرتے

يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا

ملک میں اور سنوار نہ کرتے۔ بولے آپس میں قسم

بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا

کھاؤ اللہ کی، البتہ رات کو جا پڑیں ہم اس پر اور اس کے گھر پر پھر کہہ دیں گے اس کے دعوی کرنے والے

مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّ

کو، ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں۔ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور

مَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

ہم نے بنایا ایک فریب، اور ان کو خبر نہیں۔ پھر دیکھ لے کیسا ہوا آخر ان کے

عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ

فریب کا! کہ ہم نے اکھاڑ مارا ان کو اور ان کی قوم کو سارے۔ سو یہ پڑے